صُحُفٌ مُطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

لِلّٰہِ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدّس سرہٗ

دفتر دوم ——— حِصّہ اوّل

تصحیح وحواشی وترجمہ

مولانا محمّد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر:-

مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ۔ کراچی

جملہ حقوق ترجمہ بحق ناشر محفوظ ہیں۔

طبع اول ——— آفسٹ ایڈیشن ——— سنہ ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

مطبع ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

کاتب ——— حافظ محمد عنایت اللہ نقشبندی مجددی غوثیہ کالونی لاہور

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ———

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ کراچی (پاکستان)

فہرست کتاب مستطاب مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم حصہ اول

مضمون	صفحہ
مقدمہ	۱۹
مکتوب نمبر ۱	
شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کے بیان میں اور مسئلہ وحدت الوجود میں حضرت شیخ مجدد قدس سرہٗ کا مسلک مختار	۲۰
حق جل وعلا کی مدح وثنا اور مدح حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۲۱
وجود ہر خیر وکمال کا مبدا ہے اور عدم ہر شرارت ونقص کا منشاء	۲۲
علمائے ظواہر نے ممکن کے لئے وجود ثابت کیا ہے۔ یہ معنی واجب تعالیٰ کے ساتھ ممکن کو شریک کرنے کا موجب ہے	۲۲
اکثر صوفیہ نے ممکن کو واجب کا عین جانا ہے اور کہا ہے۔ کہ کسی چیز میں ذاتی نقص وشرارت نہیں ہے	۲۳
اس امر کا بیان کہ شیخ محی الدین اور اس کے نزدیک واجب تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین اور آپس میں بھی ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اور وحدت و واحدیت میں فرق اور تین اقسام و کثرت خارجی اور تنزلات خمسہ اور حضرات خمسہ کا بیان اور ان علوم کا بیان جنہیں حضرت شیخ خاتم الولایۃ کے ساتھ مخصوص جانتا ہے	۲۳
حضرت مجدد قدس سرہٗ کے نزدیک صفات ثمانیہ	۲۵

مضمون	صفحہ
خارج میں موجود ہیں۔ اور ایک دوسرے سے متمیز ہیں	
شیخ محی الدین اور حضرت مجدد قدس سرہما کے نزدیک حقائق ممکنات کا بیان	۲۵
حضرت شیخ محی الدین اور حضرت مجدد قدس سرہما کے نزدیک عالم کا معنی	۲۷
اس سے متعلق سوال وجواب۔ اور قول شیخ اور قول مجدد اور علمائے ظواہر کے قول میں فرق	۲۷
اس سے متعلق سوال وجواب	۲۸
مکتوب نمبر ۲	
اس بیان میں کہ اس سبحانہٗ کی ذات وصفات کا مرتبہ وجود وجوب کے اعتبار سے اوپر ہے۔	۲۹
واجب تعالیٰ کی صفات سبعہ یا ثمانیہ خارج میں موجود ہیں۔ اور اس قول کی تحقیق اور اشکال کا بیان اور اس کا حل اور شیخ علاؤ الدولہ کا قول	۳۰
مکتوب نمبر ۳	
اس بیان میں کہ آفاق وانفس کا معاملہ ظلال میں داخل ہے۔ اور ولایت صغریٰ اور کبریٰ کا بیان	۳۱
اور تجلی افعال کی حقیقت کا بیان۔ جسے بعض صوفیہ نے قرار دیا ہے۔ کہ وہ فعل فعل حق کا ظل ہے نہ عین فعل ہے	۳۱
ولایت اولیاء اور ولایت انبیاء کے درمیان	۳۲

مضمون	صفحہ
نقاوت کا بیان اور خواجہ نقشبند قدس سرہ کے قول کی نقل کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔ اور نقشبندیہ کے کمال کا بیان	
وہ سیر جو آفاق و انفس کی سیر کے بعد میسر آتی ہے۔ اقربیت حق تعالیٰ میں سیر ہے۔ اس لئے کہ اس ذات تعالیٰ کا فعل خود ہم سے بھی ہمارے زیادہ نزدیک ہے	۳۲
ولایت نبوی اور ولایت اصلی کے درمیان نقاوت کا بیان۔ اور صفت تکوین میں علماء ماتریدیہ اور اشعریہ کے اختلاف کا بیان۔ اور اس باب میں تحقیق حق۔	۳۳
حق تعالیٰ کے فعل کے قدم و حدوث کی تحقیق اور اس باب میں اختلاف کا بیان	۳۴
اس امر کا بیان کہ وجوب وجود نسبت و اضافت ہے۔ پس یہ فعل میں پائی جاسکتی ہے اور اس سے متعلق سوال و جواب۔ اور اس باب	۳۵
میں معرفت شریفہ کا بیان۔ جو دین کی اساس اور ذات و صفات کے علم کا خلاصہ ہے۔ جسے کسی نے بیان نہیں کیا	۳۶
مکتوب نمبر ۴	
اس بیان میں کہ علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین جسے بعض صوفیہ نے قرار دیا ہے۔ فی الحقیقت علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصے ہیں۔ اس کا ایک حصہ ابھی باقی ہے۔ اور	۳۶

مضمون	صفحہ
اس امر کا بیان کہ ان علوم والا اس ہزار سال کا مجدد ہے	۳۸
یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں ارباب ولایت علمائے ظواہر کی طرح ان کے ادراک میں عاجز ہیں۔ اور یہ علوم انوار نبوت سے لئے گئے ہیں۔ جو الف ثانی کی تجدید کے بعد الخ	۳۸
مجدد وہ ہوتا ہے۔ کہ جو فیوض و برکات بھی اس مدت میں امت کو پہنچتی ہیں۔ اس کے واسطہ سے پہنچتی ہیں۔ اگر اقطاب و اوتاد ہوں یا ابدال و نجباء ہوں	۳۸
مکتوب نمبر ۵	
اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات کے دو اعتبار ہیں۔ (۱) حصول فی انفسہا، (۲) قیام بذات۔ اور دونوں اعتبار خارج میں متمیز ہیں	۳۹
مکتوب نمبر ۶	
بعض مشکل اسرار کے بیان میں۔ اور ہمارے پیغمبر کو ملت ابراہیم علیہما الصلوات والتسلیمات کی اتباع کرنے کی وجہ کا بیان	۴۰
میں گمان کرتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی، ولایت ابراہیمی سے رنگین ہو جائے۔ اور اس ولایت کا حسن ملاحت اس ولایت کے جمال صباحت سے مل جائے	۴۰

مضمون	صفحہ
میری پیدائش سے جو مقصود تھا حاصل ہوگیا اور ہزار سالہ مسلول اجابت کے مقام کو پہنچ گیا	۴۱
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَۃً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ	۴۱
اے فرزند! اس معاملہ کے باوجود جو میری پیدائش کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ ایک دوسرا کارخانہ عظیم بھی میرے سپرد کیا گیا ہے۔ مجھے اس عالم رنگ و بو میں پیری مریدی کے لئے نہیں لایا گیا	۴۲
مکتوب نمبر ۶	
مراتب چہارگانہ محبوبیت، محبیت، محبت حب اور رضا کے بیان میں اور ان سے اوپر مرتبہ اور ان میں سے ہر ایک مرتبہ کی الگ الگ پیغمبروں کے ساتھ خصوصیت	۴۲
مقام رضا سے اوپر خاتم الرسل کے سوا کسی کا قدم نہیں جا سکتا	۴۳
حدیث۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ الخ وَیَا مُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ الخ جائز ہے کہ اس مقام میں جو مقام رضا سے اوپر ہے۔ خادموں میں سے کسی خادم کو طفیلی طور پر اس بارگاہ کا محرم کر دیں۔ اور غیر انبیاء کی انبیاء پر افضلیت کا رفع وہم	۴۴
مکتوب نمبر ۸	
اخص خواص کے ایمان غیب اور عوام کے ایمان غیب اور ایمان متوسطاں کے درمیان فرق	۴۵
اس بلند ذات کا قرب و معیت اس بلند ذات کی طرح ہے چون و بے چگون ہے۔ پس قرب و معیت کا جو معنی ہمارے عقل و فہم میں آتا ہے وہ ذات اس سے منزہ ہے۔ جس سے مذہب مجسمہ میں قدم رکھنے کی نوبت آئے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں۔ کہ وہ بلند ذات ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ہم قرب و معیت کا معنی نہیں جانتے کہ کیا ہے۔	۴۶
مکتوب نمبر ۹	
کلمہ لا الہ الا اللہ کے فضائل کے بیان میں اور مقام تنزیہ کی تحقیق اور اس کا بیان کہ ایمان بالغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے۔ جب معاملہ اقربیت تک پہنچ جاتا ہے۔	۴۶
پس جو کچھ ہم پر مکشوف ہوتا ہے۔ سب غیر حق ہے۔ ہماری تراشی ہوئی چیز خواہ ہاتھ سے ہم نے تراشی ہو یا عقل و وہم سے۔ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عبادت کے لائق نہیں۔	
مکتوب نمبر ۱۰	
اس بیان میں کہ جو ظہور بھی ہوتا ہے۔ شائبہ ظلیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ بخلاف اس ظہور کے جو فوق عرش ہوتا ہے۔ اور جب قلب اپنی نہایت کو پہنچتا ہے۔ تو عرش کے انوار سے روشنی اخذ کرتا ہے۔	۴۹
شیخ بسطامی کا قول کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش	

مضمون	صفحہ
میں ہے۔ قلب عارف کے ایک کونے میں رکھ دیں تو بھی عارف فراخی اور کشادگی قلب کے سبب اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔ اور شیخ مجتہد کا اس قول پر استدلال اور حضرت شیخ مجدد قدس سرہٗ کی اس باب میں تحقیق	۵۰
مکتوب نمبر ۱۱	
فوق عرش ظہور کے کچھ خصائص کے بیان میں۔ اور اللہ نور السموات والارض الخ کے معنی تاویلی کا بیان۔ اور انسان کے بعض کمالات اور جزو ارضی کے فضائل کا بیان	۵۱
نور وہ چیز ہے۔ جس سے اشیاء روشن ہوتی ہیں۔ سارے آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہیں۔ کیونکہ ذات سبحانہٗ نے انھیں ظلمات عدم سے باہر نکالا ہے۔	۵۲
ظہور جامع عرشی مشاہدات و معانیات اور مکاشفات کی منتہی ہے الخ	۵۲
اس امر کا بیان کہ ظہور عرشی میں صفات ذات کا حجاب نہیں ہیں۔ اور اس کی ایک مثال سے وضاحت۔ اور یہ کہ آخرت میں ذات مع جمیع صفات مومنوں کو دکھائی دے گی نہ کہ صرف ذات	۵۲
یہ بات جان لے کہ ظہور عرشی وہم میں نہ آئے کہ حضرت حق سبحانہٗ فوق العرش قرار پذیر ہے اور یہ کہ مکان اور جہت اس کے لئے ثابت ہو	۵۵
اور اس کی وضاحت	۵۵
قلب انسان کی عرشی عظیم کے ساتھ مشابہت کا بیان۔ اور اس لمعہ کی تجلی کا عرش کی تجلی سے ہونا	۵۶
جاننا چاہیئے کہ ظہور عرشی اگرچہ شائبۂ ظلیت سے مبرا ہے۔ لیکن اس جگہ صفات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں الخ	۵۶
انسان میں دو ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جو عرش میں موجود نہیں ہیں۔ اور عالم کبیر کے لئے بھی ان سے حصہ نہیں۔ خصائص انسانی کے متعلق سن لے کہ اس کا معاملہ الخ	۵۷
انسان کامل کے احدیت مجردہ کا مظہر ہونے کا بیان	۵۷
مکتوب نمبر ۱۲	
اس بیان میں کہ ملک اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور انسان کا شہود انفس کے آئینوں میں ہے۔ لیکن اس دولت کو انسان میں کاملہ بنایا گیا اور اس کے ساتھ بقا عطا کی گئی ہے۔	۵۸
انسان کو یہ دولت جزو ارضی کے واسطہ سے میسر ہوئی ہے۔ اور قلب جو عرش اللہ بنا ہے۔ عنصر خاک کی بدولت ہے جو کل کا جامع ہے	۵۹
مکتوب نمبر ۱۳	
اس بیان میں کہ علمائے ظواہر اور صوفیاء اور اور علمائے راسخین ہر ایک کا کیا حصہ ہے۔	۶۰
مکتوب نمبر ۱۴	

مضمون	صفحہ
اس استفسار کے جواب میں کہ صاحبِ منصب صاحبِ علم ہوتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا استفسار کہ فنافی اللہ اور بقا باللہ اس وقت تک ہاتھ نہیں آتا اور اپنے احوال پر عدم اطلاع کے کے متعلق استفسار	۶۱
مکتوب نمبر ۱۵	
اس خطیب کی مذمت میں جس نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین کا نام ترک کر دیا تھا۔	۶۲
مکتوب نمبر ۱۶	
بزرخ صغریٰ کے عجائب کے بیان میں اور مرگِ طاعون کی فضیلت اور کفن مسنون کا بیان اور کفن پر جواب نامہ لکھنے کا حکم۔ اور قمیص کی بجائے پیراہن تبرکی عطا کرنا اور سنتوں میں چادر تلی پڑھنے کا حکم دینا	۶۶
مکتوب نمبر ۱۷	
اس بیان میں کہ اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر رنج ہیں۔ لیکن فی الحقیقت باعثِ ترقیات ہیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین روز طاعون واقع ہوا۔ اس طاعون میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے تراسی لڑکے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چالیس لڑکے فوت ہوئے۔	۶۸
مکتوب نمبر ۱۸	
اس میں کہ علمائے راسخین، صوفیہ اور	۷۰

مضمون	صفحہ
علمائے ظواہر کا (علوم میں) کیا حصہ ہے۔ پس کتاب کا لُبّ اور مغز متشابہات ہیں اور محکمات اس لُبّ کا چھلکا ہیں۔	
مکتوب نمبر ۱۹	
اتباعِ سنت اور بدعت سے اجتناب کے بیان میں	۷۱
مکتوب نمبر ۲۰	
فضائل نماز نیز اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ نماز کے ارکان، شرائط، آداب اور تعدیلِ ارکان بالکل صحیح ادا کرنے چاہئیں	۷۲
مکتوب نمبر ۲۱	
اس بیان میں کہ حدیث لَا یَسَعُنِیْ الخ میں لفظ قلب سے مراد گوشت کی بوٹی ہے نہ حقیقت جامعہ تاہم مطلقاً بوٹی مراد نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ سلوک، جذبہ، تمکینِ قلب اور اطمینانِ نفس کے بعد مَیت وحدانی پیدا کر چکا ہے۔ اور حقیقتِ جامعہ پر گوشت کی اس بوٹی کی کئی طرح فضیلت، اور اس امر کا بیان کہ گوشت کی اس بوٹی کے لئے یہ تمام کمالات، مقام قاب قوسین میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کا اَوْ اَدْنیٰ کا معاملہ اس سے بھی وراء ہے۔ اور قلب کے اطلاقات کا بیان	۷۳
سوال ۱:- حدیثِ قدسی سے تو اس قلب کی وسعت سمجھ میں آتی ہے۔ اور تو اُسے تنگ کہتا ہے۔ اور اس تنگی کا جواب	۷۴

مضمون	صفحہ
سوال :- شایان فضیلت حقیقت جامعہ ہے جو عالم امر سے ہے - مصنف نے جو عالم خلق سے ہے - اور عناصر سے مرکب ہے - یہ فضیلت کہاں سے پائی - جواب عالم خلق کو عالم امر پر فضیلت	۷۵
اے برادر ! ارباب ولایت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا	
سوال :- یہ مصنف جب یستجنی غالب ہونے کے شرف سے مشرف ہوگیا - تو بیچینی اور اضطراب کیوں ہوتا ہے - جواب مطلوب اگرچہ محبت چاہتا ہے الخ	۷۶
قلب کے ان دو اطلاق میں فرق کرنے والی وجوہ میں سے پنج وجہ کا بیان	۷۸
اے برادر ! اس مصنف کو گوشت کا ٹکڑا نہ خیال کرنا - بلکہ یہ ایک نفیس جوہر ہے -	۷۹
اور اگر کوئی ناقص یہ کہے کہ سر انسان ان اجزاء عشرہ سے مرکب ہے تو میں کہوں گا	۸۰
مکتوب نمبر ۲۲	
حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے نفیس سرہند شریف کے شہر کا اکثر بلاد پر کئی قسم کی فضیلت رکھنا - اور ایک نور کا مشاہدہ کرنا - کہ کسی صفت اور شان کی گرد نے اس راہ کی بو بھی نہیں پائی - اور وہ زمین کچھ عرصہ بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کا روضہ مقدسہ بن گیا -	۸۱
مکتوب نمبر ۲۳	

مضمون	صفحہ
اس بیان میں کہ عمدہ کام اتباع سنت اور بدعت سے اجتناب ہے - اور سلسلہ نقشبندیہ کو دوسرے سلاسل پر فضیلت صاحب شریعت کی اتباع اور عزیمت پر عمل کے واسطہ سے ہے - اور اس طریقہ نقشبندیہ کی مدح و ثنا	۸۲
حضرت حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق عطا فرمائے - کہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں - اگرچہ یہ بدعت صبح کی روشنی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئے -	۸۳
مکتوب نمبر ۲۴	
اس آرزو کے جواب میں تمام ذرات میں مشاہدہ جمال لایزال میسر آئے	۸۸
مکتوب نمبر ۲۵	
اس بیان میں کہ ہر عمل جو موافقت شریعت ادا کیا جائے ذکر میں داخل ہے - اگرچہ خرید و فروخت ہی ہو	۸۸
مکتوب نمبر ۲۶	
اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین الف و بے کی تعلیم کی طرح بچوں کیلئے ہوتی ہے -	۸۹
مکتوب نمبر ۲۷	
جلد ثانی کے مکتوب اول میں جو شیخ عبدالعزیز کے نام لکھا گیا ہے - اس سے متعلق شیخ موصوف کی تشکیکات کے جواب میں	۹۰
سوال :- اگر سائق ممکنات کو صور علمیہ میں	

مضمون	صفحہ
عدمات ہیں۔ جو اضداد صفات ہیں تو ان عدمات کا حصول ذات واجب میں لازم آتا ہے۔ اس شبہ کا جواب جواب ۱	۹۱
سوال ۲۔ حقائق ممکنات چاہیئے کہ وجودی ہوں نہ عدمی جواب ہاں وجودی اور ثبوت علمی رکھتی ہیں	۹۱
سوال ۱۔ انبیاء و اولیاء اور تمام افراد انسانی جو ممکنات سے ہیں۔ اگر ان کی حقیقتیں عدمی ہوں تو شرف و کرامت اس زمرہ علیہ سے زائل اور معدوم ہو جائیگی جواب کیوں مسلوب اور معدوم ہوگی	۹۱
سوال ۳۔ اجماعی بات کو کسی اختراعی بات سے رد نہیں کیا جا سکتا جمہور اُمت کے اختراعی مقولہ کا جواب ہم جانتے ہیں	۹۲
مکتوب نمبر ۲۸	
مولانا محمد صادق کشمیری کے استفسارات کے جواب میں	۹۲
پہلا استفسار۔ حق تعالیٰ کی ورائیت کا معاملہ یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ صفات کا حمل بھی اس پر تکلف دکھائی دیتا ہے	۹۲
استفسار دوم ۲۔ بابا آہریزنے فرمایا کہ جب سوئے ازل کو اللہ تعالیٰ حضرت آدم کی مٹی گوندھ رہا تھا میں اس مٹی میں پانی ڈال رہا تھا۔ اس قول کی کیا تاویل ہوگی۔ اس کا جواب	۹۳
استفسار سوم ۳۔ کہ جب خواجہ علاؤ الدین	

مضمون	صفحہ
مولانا نظام الدین خاموش سے ناراض ہوئے تو چاہا کہ ان کی نسبت سلب کریں۔ اس کا جواب	۹۳
مکتوب نمبر ۲۹	
اس بیان میں کہ اس دنیا میں بہترین سامان حزن و غم ہے اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمتیں آلام و مصائب ہیں	۹۴
مکتوب نمبر ۳۰	
دو سوالوں کے جواب میں ایک نسبت رابطہ (تصور شیخ) اختیار کرنے کے بیان میں اور دوسرے مشغولی لاحق ہونے کے بیان میں	۹۵
اگر دو چیزوں میں فتور لاحق نہ ہو ایک متابعت شریعت دوسرے محبت اور اخلاص اپنے شیخ کے ساتھ۔ تو ہزاروں کدورتوں اور ظلمتوں کے طاری ہونے سے بھی کچھ فکر نہیں	۹۶
مکتوب نمبر ۳۱	
وعظ و نصیحت میں	۹۷
مکتوب نمبر ۳۲	
بعثت باطن کے متعلق شکایت کے بیان میں	۹۷
مکتوب نمبر ۳۳	
اس بیان میں کہ محبوب کی شی انعام و تکلیف ہر حال میں محب کی نگاہ محبوب ہی ہوتی ہے۔ بلکہ اذیت اور تکلیف محبت میں اضافہ کرتی ہے۔ اور صدمہ کی شکر پر فضیلت	۹۸
سوال ۱۔ تو نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے	

مضمون	صفحہ
کہ مقام رضا مقام محبت سے اوپر ہے اور یہاں تو کہہ رہا ہے۔ کہ یہ مقام محبت مقام رضا سے اوپر ہے۔ اور اس مقام کا جواب	۱۰۰
جاننا چاہیئے کہ ظاہراً کراہت باطناً رضا کے منافی نہیں اور صورت کی تلخی حقیقت کی حلاوت کے خلاف نہیں۔ کیونکہ الخ	۱۰۰
مکتوب نمبر ۳۴	
اس بیان میں کہ حضرت حق سبحانہٗ جس طرح عالم میں داخل نہیں، خارج بھی نہیں اور جس طرح منفصل نہیں	۱۰۱
مکتوب نمبر ۳۵	
توحید کے بارے میں استفسار کے جواب میں اور بطرز خاص عین الیقین کی وضاحت	۱۰۱
یہ نسبت جو تم کو تین ماہ میں میسر ہوگئی ہے۔ دوسرے سلاسل میں اگر دس سال میں بھی گر میسر آجائے تو اسے دولت عظمیٰ جانتے ہیں	۱۰۲
متشابہات کی تاویل کا علم معاملات سے کنایات ہیں۔ جو رسولوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور امتیوں میں بہت کم کسی کو اس سے حصہ عطا کرتے ہیں الخ	۱۰۲
مکتوب نمبر ۳۶	
امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت کی حقیقت اور مخالفین کے مذہب کی حقیقت۔ اور یہ کہ اہلسنت اس افراط و تفریط کے درمیان ہیں۔ جو روافض و خوارج نے اختیار کی ہے۔ اور اہل بیت آنسرور علیہ وعلیہم	

مضمون	صفحہ
الصلوٰۃ والسلام کی مدح و ثنا	
بیان تفضیل شیخین اور ختنین (حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی محبت اور رفض و خروج کا	۱۰۴
بیان	
کس طرح یہ گمان کیا جاسکتا ہے۔ کہ اہل سنت اہل بیت سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ ان بزرگوں	
کے نزدیک اہل بیت کی محبت جزو ایمان ہے اور	۱۰۷
سلامتی خاتمہ کو اس محبت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے	
حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام آپس میں جھگڑوں اور لڑائیوں کے وقت تین گروہ تھے۔ اور ہر گروہ نے	
اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا	۱۰۸
حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر لبغاوت کی ہے۔ اس باب میں رافضیوں	
کے غلو کا بیان اور افراط و تفریط کا راستہ اختیار	
کرنا	۱۰۹
روافض کے بارہ فرقے ہیں۔ اور سب کے سب	
پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور خلفاء	
راشدین کو گالی دینا عبادت جانتے ہیں۔ اور اپنے	
آپ پر لفظ رافضی کے اطلاق سے نفرت کرتے	
ہیں۔ اور دوسروں کو روافض تصور کرتے ہیں	۱۱۰
اس بحث میں دو جگہ اہل سنت اور مخالفین	
کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ مقام اول یہ ہے کہ	
اہل سنت خلفاء اربعہ کی خلافت کی حقیقت کے قائل	
ہیں۔ اور مخالفین اس کا انکار کرتے ہیں	۱۱۱

مضمون	صفحہ
رافضیوں کے طعن کا رد، جو وہ ابوہریرہ پر کرتے ہیں۔ اور تقیہ کا رد، جس کے وہ قائل ہیں	۱۱۳
دوسرا مقام یہ ہے۔ کہ اہل سنت صحابہ کے مشاجرات و لڑائی جھگڑوں کو نیک معانی پر محمول کرتے ہیں۔ اور مخالفین حضرت امیر کے ساتھ جھگڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔	۱۱۵
جاننا چاہیئے کہ یہ بات لازم نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں۔ اور ان کے مخالفین خطا پر	۱۱۶
قاضی شریح نے امام حسن کی شہادت نسبت بنوت کے واسطہ کی بناء پر منظور نہ کی اور بیٹے کی باپ کے حق میں شہادت جائز قرار نہ دی	۱۱۶
حضرت صدیقہ مجتہدہ مقبولہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں رافضیوں کی طعن و تشنیع کی حقیقت کا بیان	۱۱۶
اس سے پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا۔ کہ اگر ایصال ثواب کے لئے کھانا پکاتا تھا۔ تو اس کا ثواب اس جماعت کی روحانیت کے ساتھ مخصوص رکھتا تھا	۱۱۶
اگر کوئی شخص امیر کی محبت استقلالاً اور بلا واسطہ رکھے تو وہ بحث سے خارج ہے۔ ایسا شخص یہ چاہتا ہے کہ پیغمبر کے واسطہ کے بغیر راستہ اختیار کرے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر علی کی طرف آجائے اور یہ بات عین کفر اور زندقہ ہے۔	۱۱۷

مضمون	صفحہ
حضرت طلحہ و زبیر کے فضائل اور ان پر رفع طعن	۱۱۸
صحابہ کرام پر جو اکابر دین ہیں۔ اعتراض کرنے سے ڈرنا اور خوف کرنا	۱۱۸
امام ابو یوسف کے لئے درجہ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد امام ابوحنیفہ کی تقلید خطا ہے۔ درست یہ ہے۔ کہ وہ اپنی رائے کی تقلید کرے	۱۱۹
صحابہ کرام نے اجتہادی امور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خلاف کیا ہے۔ اور زمانہ نزول وحی کے باوجود ان کے خلاف کرنے پر مذمت نہیں آئی۔	۱۲۰
اس اختلاف کا بیان جو آنسرور کی مرض موت میں قرطاس لانے میں رونما ہوا۔ اور اس کی تحقیق اور اس باب میں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کا جواب	۱۲۰
سوال :۔ حضرت فاروق نے اس وقت فرمایا اَھَجَرَ الخ اس سے کیا مراد ہے جواب حضرت فاروق نے شاید اس وقت سمجھا ہو کہ یہ کلام الخ	۱۲۱
سوال :۔ جب کہ احکام اجتہادیہ میں خطا کے احتمال کی گنجائش ہے تو آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہونے والے تمام احکام شرعیہ میں وثوق کیسے ہو سکتا ہے۔ جواب احکام اجتہادیہ دوسرے وقت میں الخ	۱۲۲
خاتمہ مکتوب۔ تمام اہلبیت کی مدح سرائی میں رضی اللہ عنہم	۱۲۳

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۳۷	
کلمہ طیبہ کے فضائل میں	۱۲۶
معلوم نہیں کہ کوئی آرزو اس کے سوا باقی ہو کیونکہ گوشہ میں الگ بیٹھ کر کلمہ طیبہ کے تکرار سے متلذذ اور محظوظ ہو۔ لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں	
مکتوب نمبر ۳۸	
اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کو دنیا کیساتھ رائی برابر تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ظاہراً اسباب دنیا کیساتھ پراگندہ نظر آتے ہیں	۱۲۹
مکتوب نمبر ۳۹	
اصحاب یمین اور اصحاب شمال اور سابقین کے حالات کے بیان میں۔ جنہوں نے ایک قدم شمال پر۔ اور دوسرا یمین پر رکھا ہوا ہے اور سبقت کا گیند میدان اصل کی طرف لے گئے ہیں۔	۱۳۰
سابقین بالاصالۃ انبیاء ہیں۔ اور تابع ہونے کی حیثیت سے جس کو بھی اس دولت سے مشرف کریں۔ یہ دولت بیشتر انبیاء کرام کے اکابر اصحاب میں پائی جاتی ہے۔ اور قلیل طور پر غیر اصحاب میں بھی متحقق ہے۔ اور فی الحقیقت یہ شخص بھی گروہ صحابہ میں شمار اور کمالات نبوت سے ملحق ہے	۱۳۱
مکتوب نمبر ۴۰	
اس بیان میں کہ پردوں کا پھٹنا شہود کے اعتبار سے ہے وجود کے اعتبار سے نہیں	۱۳۲
مکتوب نمبر ۴۱	
اس بیان میں کہ مراتب نہایۃ النہایۃ میں ایک ایسا مرتبہ سامنے آتا ہے۔ کہ اس مقام کا ہر نقطہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ دکھائی دیتا ہے	۱۳۳
مکتوب نمبر ۴۲	
صوفیہ کے سیر کو آفاق و انفس میں انحصار کے بیان میں اور ان دو سیروں میں تخلیہ اور تجلیہ کا اثبات اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کا اس معنی سے روکنا اور منع کرنا اور نہایۃ النہایۃ کو انفس و آفاق سے باہر ثابت کرنا	۱۳۴
جب سالک تصحیح نسبت کے بعد الخ	
اگرچہ سیر آفاقی پوری کر چکا ہو اور اس مقام میں بعض حضرات کے احتیاط کا بیان اور عالم مثال میں ہر لطیفے کے لئے ایک نور قرار دینا اور ہر لطیفے کی صفائی کی سلامت اور سیر آفاقی کا حاصل	۱۳۴
صوفیہ کے نزدیک سیر انفسی اور سیر فی اللہ اور بقا باللہ کا بیان اور سیر انفسی کی وجہ تسمیہ اور سیر رجوعی اور سیر فی الاشیاء کا بیان اور اس مقام کی تحقیق۔ اور اس کلام کی تصحیح اور اس طرف اشارہ کہ یہ اطلاقات فقیر پر گراں ہیں	۱۳۵
یہ ہے ارباب ولایت کے سیر و سلوک کا حاصل اور ان کے کمال و تکمیل کا منتہا جامعہ۔ اور اس باب میں فقیر پر محض فضل خداوندی سے جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے اور جس پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے سپرد قلم	

مضمون	صفحہ
کرتا ہے۔	۱۳۷
اگرچہ ان اکابر کے حقوق بھی اپنے ذمے لازم سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ان کا تربیت یافتہ ہوں۔ لیکن واجب تعالیٰ کے حقوق ان سب کے حقوق سے فائق ہیں۔ اور وہ تعالیٰ بے چوں و بے چگوں ہے۔ پس آفاق و انفس سے گزرنا چاہیئے۔ اور اس ذات سبحانہ کو انفس و آفاق کے ماوراء میں تلاش کرنا چاہیئے	۱۳۷
عجائب کار و بار ہے۔ اگر اپنے مکشوفات یقینیہ بیان کرتا ہوں جو ان کے مکشوفات کے موافق نہیں تو کوئی میری بات پر اعتبار نہیں کریگا اور اگر بیان نہیں کرتا تو حق و باطل میں التباس کا مرتکب ہوں گا۔ اس لئے جو کچھ حق ہے ضرورتاً ظاہر کرتا ہوں	۱۳۸
دوسروں کی مخالفت سے نہ ڈرنے کا بیان اور اس کی وجہ کا اظہار۔ اور یہ کہ صحت احوال کی علامت یہ ہے۔ کہ کمال پر حصول یقین ہو اور مشائخ کے مقررہ احوال کی تفصیل پر اطلاع کا بیان۔ اور معارف توحید، اتحاد، احاطہ، اور صرفیہ اور بزرگوں کے اسمائے اور ان کی نعتوں کا اقرار	۱۳۸
علماء کا مسئلہ توحید میں مشائخ کے ساتھ اختلاف نظر و استدلال کے راستے سے ہے۔	۱۳۹
اور اس فقیر کا اختلاف کشف و شہود کی راہ سے علماء ان امور کے قبح کے قائل ہیں اور فقیر بشرط عبور انکے حسن کا قائل ہے۔ اور شیخ علاؤ الدولہ کے اختلاف کا بیان	

مضمون	صفحہ
سوال ۱۔ اس صورت میں مشائخ باطل پر ہوں گے اور حق ان کے مکشوف و مشہود کے ماورا ہوگا۔ جواب باطل اس صورت میں ہے۔ جبکہ وہ کوئی درست محمل نہ رکھتا ہو۔	۱۴۰
ظاہر بین علماء ان کی حقیقت سے کیا پا سکتے ہیں۔ اور مخالفت صوری کے سوا اور کیا سمجھ سکتے ہیں	
مشائخ نے یہ جو کہا ہے۔ کہ سیر آفاقی میں تمام ظلمانی و نورانی پردے اٹھ جاتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ قول مخدوش ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔	۱۴۰
اور وہ طریق جس پر چلنے کے ساتھ اس فقیر کو مشرف کیا گیا ہے۔ ایسا راستہ ہے جو جذبہ و سلوک کا جامع ہے۔	۱۴۱
اس امر کا بیان کہ یہ طریقہ نقشبندیہ ضرور مطلوب تک پہنچاتا ہے اور انبیاء کی متابعت ہے	۱۴۱
جاننا چاہیئے کہ میرے پیر اور قسم خدا میرے راہنما، جن کے وسیلہ سے میں نے اس راہ میں آنکھ کھولی ہے انہوں نے علو فطرت اور بلند ہمت کے باعث ابتداء سے طریقت سیر انفسی کو قرار دیا ہے۔ اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں لے کرتے ہیں۔ اور ان حضرات کا قول کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے	۱۴۲
اہل اللہ فنا اور بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں۔ اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں۔ اپنے	

مضمون	صفحہ
اندر پہچانتے ہیں۔ ان کی حیرت ان کے اپنے وجود میں ہوتی ہے	۱۴۲
جاننا چاہیئے کہ غیریت کی نفی کرنا اور چیز ہے اور غیریت کا منتفی ہونا امر دیگر۔ اور حضرت خواجہ بزرگ کا قول کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سُنا گیا	۱۴۳
اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ ولایت کے لئے جذبہ و سلوک اور آفاق و انفس کے باہر قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ یہ ارکان اربعہ کمالات نبوت کے مبادی ہیں۔ کہ ولایت کے ہاتھ اس بلند درخت تک نہیں سکتے	
تجلی برقی کے مقام اور ان بزرگوں کے لئے اس کے دوام کا بیان۔ اور اس سے فوق کے معاملہ کا بیان اور اس کا بیان کہ ان بزرگوں کی بدایت جذب اور محبت ایسی ہے اور جب کسی صاحب دولت کو غلبہ محبت خداوندی الخ اور کمال محبت کی علامت کامل طریقہ سے شریعت کی بجا آوری ہے	۱۴۴
سیر و سلوک اور جذبہ تصفیہ سے مقصود نفس کی اخلاق رذیلہ اور اوصاف رذیلہ سے تطہیر ہے کہ ان تمام اوصاف رذیلہ میں بدتر صفت انفس کے ساتھ گرفتاری ہے الخ	۱۴۵
پس سیر انفسی ضروری ہے۔ اور سیر آفاقی اس کے ضمن میں میسر آجاتی ہے	۱۴۵
جاننا چاہیئے کہ انفس کے احوال کو جو آفاق کے شیشوں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی مثال	

مضمون	صفحہ
ایسے ہے جیسے کہ کوئی خواب یا واقعہ کے اندر عالم مثال میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے	۱۴۶
ثم پھر ثم۔ کہ سیر انفسی میں اسماء و صفات وہبی کا ظہور سالک کے آئینہ میں جو کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت وہ ظہور اسماء و صفات کا نہیں۔ بلکہ ظل کا ظہور ہے	۱۴۶
اس بیان سے لازم آیا کہ پیوستن لطیفۂ گسستن پر مقدم ہے۔ ہاں اس سے اتصال گسستن کے حصول کے بعد ہے۔ پس مشائخ میں سے جنہوں نے پیوستن کو مقدم رکھا ہے الخ	۱۴۷
شیخ ابوسعید خراز اس مقام میں متوقف ہے چنانچہ وہ کہتا ہے تو جب تک نہیں چھوٹے گا نہیں پائے گا۔ اور جب تک نہیں پائے گا چھوٹے گا نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں پہلے کیا ہے۔	۱۴۷
مکتوب نمبر ۴۳	
حضرت ایشاں کے قول میں کہ اس بارگاہ میں ذوق یافت ہے یافت نہیں اور اندراج النہایہ فی البدایہ کی تحقیق اور اس طریقہ کی دوسرے طریقوں پر افضلیت کا بیان	۱۴۸
سوال:۔ جب کہ منتہی کے لئے یافت مطلوب میسر آگئی تو ذوق یافت سے بے نصیب ہے۔ تو اس نے ذوق یافت کہاں سے پالیا۔ جواب:۔ دولت یافت ظاہر کے احوال باطن کے احوال کیساتھ اس طرح نسبت رکھتے ہیں۔ جس طرح چوں کی	۱۴۹

مضمون	صفحہ
نسبت بے چوں کے ساتھ	۱۴۹
یہ بزرگ ابتداء میں انتہاء کی چاشنی درج کر دیتے ہیں۔ اور نہایت کا کچھ پرتو مبتدی رشید کے باطن میں ڈال دیتے ہیں۔ اور قدم اوّل میں ہی جو کچھ وہ اپنے پاس رکھتے ہیں مرید کے حوصلہ کے مطابق اُسے عطا فرماتے ہیں	۱۵۰
اس طریق کے مبتدی کی دوسرے طریقوں کے منتہی حضرات کے ساتھ مساوات کے شبہ کا ازالہ	
اس طریقہ کے منتہی اور دوسرے طریقوں کے منتہی حضرات کے درمیان فرق کا بیان	۱۵۰
دوسرے سلاسل کے متعصب لوگوں کے قول کا جواب کہ ہماری نہایت حق کے ساتھ وصول ہے۔ اُسے تم اپنی بدایت کہتے ہو تو حق سے آگے کہاں جاؤ گے	۱۵۱
مکتوب نمبر ۴۴	
وحدت الوجود سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں اور اُسے علوم شرعیہ کے ساتھ مطابق کرنے اور اس قول کے معنی میں " اذا اَحَبَّ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَبْدًا لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ	۱۵۲
سوال :-	
صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اور علماء اُسے کفر اور زندقہ جانتے ہیں۔ اور دونوں فرقہ ناجیہ میں سے ہیں اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے۔	

مضمون	صفحہ
جواب محبت آثار الخ	۱۵۲
حسین بن منصور کے قول انا الحق کی مراد کا بیان	۱۵۲
پس اس تحقیق سے لازم آیا کہ صوفیہ کے نزدیک اشیاء ظہورات حق ہیں نہ عین حق	۱۵۳
پس اشیاء حق سے ہیں حق نہیں ہیں لہذا ہمہ اوست کا معنی ہمہ از اوست ہوگا	
سوال :- صوفیہ اشیاء کو ظہورات کہنے کے ساتھ ساتھ معدوم خارجی جانتے ہیں۔ اور خارج میں موجود صرف ایک ذات حق کو مانتے ہیں۔ اور علماء اشیاء کو موجود خارجی کہتے ہیں۔ پس دونوں کے درمیان نزاع معنوی ثابت ہوگئی جواب صوفیہ اگر عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں الخ	۱۵۴
مذہب صوفیہ اور مذہب صوفسطائیہ کے درمیان فرق کا بیان	۱۵۴
سوال :- صوفیہ کو جو وجود وہمی ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود ثابت و استقرار کے باوجود نفس الامری نہیں ہے۔ اس کا صرف وہم میں وجود ہے۔ اور خیالی نمود کے سوا اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور علماء اشیاء کو خارج میں موجود مانتے ہیں۔ وجود نفس امری کے ساتھ لہذا نزاع اب بھی باقی ہے۔ جواب وجود وہمی اور نمود خیالی الخ	۱۵۵
سوال :-	
جب تمام اشیاء کا وجود نفس الامری ہوا تو لازم آیا کہ نفس الامر میں متعدد موجودات ہوں اور نفس الامر	

مضمون	صفحہ
میں ایک موجود نہ ہو اور یہ قول وحدت وجود کے منافی ہے۔ جواب دونوں نفس امری ہیں وحدت وجود بھی اور تعدد وجود بھی الخ	۱۵۵
سوال:۔ جب وہم کا زوال تمام وہم کرنے والوں سے تسلیم کر لیا جائے۔ تو وجود وہمی کس طرح ثابت ہوگا۔ جواب:۔ یہ وہمی وجود محض انتزاع وہم سے حاصل نہیں ہوا الخ	۱۵۶
بلاد ہندوستان میں شعبدہ بازوں کا قصہ اور قاضی جلال الدین کا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے والد ماجد سے سوال کرنا کہ نفس الامر میں وحدت ہے یا کثرت	۱۵۶
بیان معنی۔ إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ الخ	۱۵۸
مکتوب نمبر ۴۵	
اس بیان میں کہ عالم تمام کا تمام اسماء و صفاتِ واجبی کی جلوہ گاہ ہے۔ بخلاف ممکن کی ذات کے کیونکہ وہ مکمل طور پر اس سے بے نصیب ہے اور تمام کا تمام عرض ہے۔	۱۵۹
سوال:۔ اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے ذات ممکن عین ذات واجب ہے۔ اور ممکن واجب کے ساتھ متحد ہے۔ اور یہ محال ہے۔ کیونکہ قلب حقائق کو مستلزم ہے جواب ذات ممکن الخ	۱۶۰
سوال:۔ جب کہ ہر ایک کا اشارہ لفظ انا سے اپنی ذات کی طرف ہوتا ہے۔ اور وہ ذات	

مضمون	صفحہ
واجب کی طرف راجع ہوتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ذات ممکن عین ذات واجب ہو۔ جواب ہاں ہر ایک کا اشارہ الخ	۱۶۱
سوال:۔ ممکن کا ذات واجب کیساتھ قیام مستلزم قیام حوادث کو ذات واجب کے ساتھ اور یہ امر ممتنع ہے۔ جواب واجب کے ساتھ قیام حوادث کا امتناع بمعنی حلول حوادث ہے۔ ذات واجب تعالیٰ میں اور یہ محال ہے	۱۶۱
سوال:۔ جب کہ ممکن مکمل طور پر عرض ہے تو اس کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے۔ جس کے ساتھ وہ قائم ہو۔ وہ محل کیا چیز ہے ذات واجب تو ہے نہیں۔ اسی طرح متبع بھی اس کا محل نہیں بن سکتا۔ اس کا جواب الخ	۱۶۱
ممکن کے واجب کیساتھ قیام کے سلسلے میں دو تمثیلیں۔ بغیر اس کے کہ واجب ممکن کا محل بنے۔ نظام معتزلی نے سارے عالم کو اعراض جانا ہے۔ اور جوہر سے خالی گمان کیا ہے۔ اور صاحب فتوحات مکیہ نے عالم کو اعراض مجتمعہ عین واحد میں جانا ہے۔ اور دو زمانوں میں اس کے عدم بقا کا حکم لگایا ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے وجودی نہیں۔	۱۶۳
تجدد امثال اور ان کے کئی گنا ہونے کا بیان	۱۶۳
مکتوب نمبر ۴۶	
کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت، حقیقت	۱۶۳

مضمون	صفحہ
اور شریعت کو متضمن ہے، اور اس بیان میں کہ ولایت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے سامنے کچھ حیثیت نہیں اور یہ کہ ولایت کو شریعت سے چارا نہیں۔ اور یہ کہ ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف رہتا ہے، اور باطن بھی اس معاملہ کا گرفتار	
ولایت کے کمالات اس کلمہ کے جزو اوّل کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کلمہ کا جزو اخیر شریعت کا محصل اور اسے مکمل کرنے والا ہے	۱۶۴
میں نے اس کلمہ کے جزو اخیر کو سمندر ناپیدا کنار پایا۔ کہ جزو اوّل اس کے سامنے ایک قطرہ دکھائی دیا۔ اور ایک جماعت نے کج بینی کے باعث ولایت کو نبوت سے افضل جانا ہے	۱۶۴
مخلوق کی طرف انبیاء کی توجہ سلامت اور ارشاد کی خاطر ہے نہ کہ نفس کیلئے۔ اور یہ توجہ اس توجہ سے بہت افضل ہے جو اپنے نفس کیلئے حق کی طرف ہو	۱۶۴
بعض اوقات ذکر نہ کرنا متضمن ہوتا ہے۔ اور ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ جس طرح بھی میسر آئے اوامر کا بجالانا اور نواہی شرعیہ سے بچنا سب ذکر میں داخل ہے اور بیان فرق اس ذکر کے درمیان جو اسم اور صفت سے واقع ہوتا ہے اور اس کے درمیان جو اوامر کی بجاآوری اور نواہی سے بچنے کی صورت میں ہوتا ہے	۱۶۵
حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ مولانا زین الدین	

مضمون	صفحہ
راہ علم سے خدا تک پہنچا ہے	۱۶۶
اس معاملے کا بیان جو طریقت، حقیقت اور شریعت سے وراء ہے	
سوال:۔ عین معارف سے لازم آتا ہے کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر بھی قدم رکھتا ہے اور اس کا جواب	۱۶۶
سوال:۔ اس بیان سے لازم آیا۔ کہ کمالات نبوت میں بھی باطن حق کے ساتھ اور ظاہر خلق کیساتھ ہوتا ہے اور تو نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے کہ مقام نبوت میں رُخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے اس کا جواب اس مقام کی تحقیق	۱۶۷
ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قریب اور محیط ہے اور عالم کے ساتھ ہے۔ لیکن ہم اس کے قرب احاطہ اور معیت کی کیفیت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے	۱۶۹
مکتوب نمبر ۴۷	
نصیحت اور تنبیہ میں	۱۶۹
مکتوب نمبر ۴۸	
ماتم پرسی اور مقام رضا کے حصول کی ترغیب میں	۱۷۰
مکتوب نمبر ۴۹	
اس بیان میں کہ ماسوا کو بھول جانا اس طریق کا قدم اوّل ہے	۱۷۱
مکتوب نمبر ۵۰	
اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے اور ابتدا سے لیکر انتہا تک شریعت	۱۷۲

مضمون	صفحہ
کے بغیر چارہ نہیں	
اور تمکین قلب، اطمینان نفس اور اجزائے قالب کے اعتدال کا بیان	
صورت شریعت کا معنی اور جو اس مقام میں متحقق ہے وہ ایمان اور اعمال کی صورت ہے نہ ان کی حقیقت اور اس امر کا بیان کہ جنت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اور صورت شریعت کے نتائج کا بیان۔ اور ولایت عامہ اور خاصہ کا بیان	۱۶۳
مقام طریقت، فنا و بقا اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کا بیان اور اطمینان نفس کا مقام اور اس کا کفر اور انکار سے واپس آنا اور اپنے مولا سے راضی ہونا اور قوم کے نزدیک جہاد اکبر سے مراد اور مجدد صاحب کے نزدیک اس کے مراد معنی	۱۶۴
قالب کے ساتھ ہمیشہ جہاد کرنے کا بیان اور اسے باقی رکھنے کے فوائد اور اسلام حقیقی کا مقام اور حقیقت اعمال	۱۶۶
جاننا چاہیئے کہ شریعت کی صورت و حقیقت میں فرق نفس کیوجہ سے ہے۔ اور جسم کی حیثیت	

مضمون	صفحہ
سے کمالات ولایت اور کمالات نبوت میں فرق	۱۶۶
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شیطان کے اسلام کا بیان اور اس امر کا بیان کہ جس طرح شیطان آفاق میں ہے انفس میں بھی ہے۔ اور یہ اطمینان اجزائے قالب میں اعتدال کے بعد ہوتا ہے	۱۶۶
سوال:۔ جب قالب کے اجزاء بھی حد اعتدال پر آجاتے ہیں۔ اور اطمینان و سرکشی سے باز آجاتے ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا صورت ہوتی ہے اور نفس مطمئنہ کی طرح ان سے جہاد مرتفع ہو جاتا ہے اس کا جواب	۱۶۶
یہاں کوئی شخص غلطی نہ کرے اور نہ کہے کہ اس مقام میں صورت شریعت اور اس کی حقیقت سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کے جواب میں ہم کہیں گے	۱۶۷

تمت فہرست مکتوبات ـــــ دفتر دوم حصہ اوّل
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد
وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم
الراحمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

اُردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ

دفتر دوم ـــــ حصہ اوّل

اللہ ہی کے لئے بے شمار ایسی حمد و تعریف جو طیب ہو۔ اور جس میں برکت اور جس پر برکت ہو اور ایسی حمد جو ہمارے رب تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہو۔ اور اکمل و اتم صلوٰۃ و سلام اس کے حبیب حضرت محمدؐ اور آپ کی آل، آپ کے اصحاب اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے کامل وارثوں اور تمام ہدایت کی پیروی کرنے والوں اور تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین پر جو ان کی بلندی شان اور مرتبہ کے لائق ہو

اَمَّا بَعْدُ : یہ وہ مکتوبات ہیں۔ جو علوم غریبہ، معارف عجیبہ، اسرار لطیفہ اور دقائق شریفہ پر مشتمل ہیں۔ عارفوں میں سے کوئی عارف بھی ایسے مضامین نہیں لکھ سکا۔ اور نہ ہی اولیاء میں سے کسی ولی نے ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہ علوم و معارف انوار نبوت کے سینہ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یہ بلند ہمت والے امام علماء راسخین کے پیشوا، پیغمبروں کی بزرگیوں سے مشرف، ولایت اصلی کے صاحب، اسرار الٰہی کے مخزن، قرآنی متشابہات کی باریکیوں کو جاننے والے، رحمانی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی مجدد الف ثانی، ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی کے مکتوبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ جہاں والوں کے سروں پر آپ کی سلامتی کو تا دیر قائم رکھے۔

جب مکتوبات کی جلدوں تین سو تیرہ مکتوب کے عدد کو پہنچی۔ تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ وسلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس جلد کو اسی عدد پر ختم کر دیں کہ یہ عدد پیغمبراں مرسل صلوات اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہم کے عدد کے موافق ہے۔ نیز اہل بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عدد کے موافق ہے۔ تبرکاً اور تیمناً اسی عدد پر جلد اول کو ختم کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے مکتوبات قدسی آیات جو صادر ہوئے۔ معارف آگاہ، حقائق دستگاہ، مظہر فیض الٰہی، مظہر اسرار لامتناہی، ظاہری و باطنی علوم کے جامع، حضرت مخدوم زادہ،

شیخ مجدالدین خواجہ محمد معصوم اللہ تعالےٰ انہیں سالم اور باقی رکھے اور انہیں اپنی تمناؤں کی نہایت تک پہنچائے اس بات کے باعث ہوئے کہ یہ بعد میں صادر ہونے والے مکتوبات بھی جمع ہوں۔ چنانچہ آپ کے اشارہ شریف کے موافق اس درگاہ کا کمترین خاکروب اللہ خالق کائنات کے بندوں میں سے کمترین بندہ عبدالحی بن خواجہ چاکر حصاری (اللہ تعالےٰ اس کے گناہوں کو بخشے اور اس کے عیوب کو چھپائے اور اس کے خاتمہ کو اچھا کرے) ان مکتوبات کے جمع کرنے کے درپے ہوا۔ اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا اور اسی پر بھروسہ ہے۔

مکتوب نمبر ۱

شیخ عبدالعزیز جونپوری کی طرف صادر فرمایا

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کے مذہب کی تحریر کے بیان ۔ نیز اس مسئلہ میں حضرت مجدد الف ثانی سلمہ اللہ تعالےٰ کے مسلک کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں۔ جس نے امکان کو وجود کا شیشہ بنایا اور عدم کو وجود کا مظہر قرار دیا۔ وجوب اور وجود اگرچہ اس ذات سبحانہ کے لئے دو صفت کمال ہیں تاہم وہ بلند ذات ان دونوں سے وراء ہے۔ بلکہ تمام اسماء اور صفات اور تمام شیون اور اعتبارات اور ظہور و بطون اور بروز (ظاہر ہونا) و کمون (پوشیدہ ہونا) تجلیات و ظہورات اور ہر ملی ہوئی اور چھپی چیز اور مشاہدات و مکاشفات سے اور ہر محسوس اور معقول چیز اور ہر موہوم اور متخیل سے بھی وراء ہے۔ پس وہ سبحانہ و تعالےٰ وراء الوراء ہے۔ پھر وراء الوراء، پھر وراء الوراء ہے۔ [1]

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ — کہ باعنقا بود ہم آشیانہ [2]

زعنقا بست نامے پیش مردم — زمرغ من بود آں نام ہم گم

تو کسی حمد کرنے والے کی حمد اس کی ذات قدس کی جناب تک نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ تمام حمدوں کی نہایت

---

[1] میں تجھے اس پرندے کا نشان کیا بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہو۔

[2] عنقا کا کم از کم لوگوں کو نام تو معلوم ہے۔ لیکن میرے پرندے کا نام بھی معلوم نہیں۔

اس کی عزت کے پردوں سے نیچے ہی رہتی ہے: تو وہ خود ہی اپنی ذات کی ثنا کر سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کی حمد خود اپنی ذات سے ہی کر سکتا ہے۔ پس وہ سبحانہٗ وتعالےٰ خود ہی حمد کرنے والا ہے اور حمد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا ماسوا با مقصد حمد کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔ کیوں عاجز نہ ہو۔ حالانکہ اس سبحانہٗ کی حمد سے وہ ہستی بھی عاجز رہی جو قیامت کے روز لواءُ الحمد کو اٹھائے گی۔ اور آدم اور سب لوگ اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ ہستی ظہور میں تمام مخلوق سے افضل اور اکمل ہے اور مرتبے میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور کمال میں سب سے زیادہ جامع اور جمال میں سب سے بڑھ کر اور حسن و جمال کا اور حسن و کمال کا چاند ہونے میں سب سے مکمل تر ہے اور قدر میں سب سے اونچی اور بزرگی اور شرف میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اور دین کے لحاظ سے سب سے مضبوط تر اور ملت کے اعتبار سے سب زیادہ عادل۔ حسب میں سب سے باعزت، نسب میں سب سے اشرف، خاندان میں سب سے مشہور تر، اگر وہ ہستی نہ ہوتی۔ تو اللہ سبحانہٗ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔ اور وہ ہستی اس وقت نبوت سے سرفراز ہو چکی تھی۔ جب آدم پانی اور مٹی کی شکل میں تھے۔ اور جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو وہ ہستی نبیوں کا امام اور خطیب اور صاحب شفاعت ہوگی وہ ہستی جس نے ارشاد فرمایا "ہم سب سے آخر ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہونگے۔ اور میں بغیر فخر کے یہ بات کہتا ہوں اور میں اللہ کا حبیب ہوں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں اور کوئی فخر نہیں اور جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا اور جب لوگ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا اور جب لوگوں پر خاموشی اور سکوت چھایا ہوگا۔ تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب لوگ روک لئے جائیں گے تو میں ان کی شفاعت کروں گا۔ اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری دوں گا۔ عزت اور بزرگی اور ہر چیز کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

لے در قافلہ کہ اوست دانم نرسم ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

اللہ سبحانہٗ کی رحمتیں اور اس کی تسلیمات اور بلند ذات کے فیض کے تحفے اور برکتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور آپ کے بھائیوں یعنی تمام انبیاء اور مرسلین اور تمام مقرب فرشتوں پر اور تمام اہل طاعت پر وہ صلوٰۃ وسلام اور وہ تحفے اور برکتیں جن کے آپ اہل ہیں۔ اور جن کے وہ اہل ہیں، نازل ہوتے رہیں جب تک آپ کا ذکر کرنے والے آپ کے ذکر میں مشغول رہیں اور جب تک غفلت والے آپ کے ذکر سے

لے میں جانتا ہوں کہ جس قافلے میں وہ ہے۔ میں اس میں نہیں پہنچ سکتا۔ یہی کافی ہے کہ دور سے گھنٹی کی آواز پہنچتی رہے۔

غافل رہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات و ارسال تحیات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جو اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اخوی، اعزی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا۔ اور خوش وقت کیا۔ یہ مکتوب چونکہ ارباب کشف و شہود کے حقائق و معارف پر مشتمل تھا۔ فرحت پر فرحت کا موجب ہوا۔ اللہ سبحانہٗ تمہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔

یہ فقیر بھی آپ کے صحیفے کی موافقت میں اس بلند گروہ کے ذوق و شوق کی باتیں درمیان میں لاتے ہوئے چند کلمے لکھ کر آپ کی دردِ سری کا باعث بنتا ہے۔

مخدوم محترم یہ بات آپ کے علم شریف میں ہے کہ وجود ہر چیز و کمال کا مبدأ ہے اور عدم ہر نقص و شرارت اور زوال کا منشا ہے۔ پس وجوب واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے لئے ثابت ہے۔ اور عدم ممکن کا حصہ۔ تاکہ ہر خیر و کمال واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اور ہر طرح کا شر و نقص ممکن سے منسوب ہو۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور خیر و کمال کو اس سے منسوب کرنا فی الحقیقت ممکن کو حق جلّ سلطانہٗ کی ملک اور مُلک میں شریک کرنا ہے۔ اور اسی طرح ممکن کو عین واجب تعالےٰ شانہٗ کہنا نیز ممکن کی صفات اور افعال کو اس بلند ذات کی صفات و افعال کا عین قرار دینا سوءِ ادب اور بے ہودی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات میں ایک کینے جارحیت کش کی جو نقص اور خبث ذاتی سے دانداں ہے۔ کہ مجال ہے کہ اپنے آپ کو سلطان عظیم الشان کا عین جانے جو خیرات و کمالات کا منشا ہے۔ اور اپنی بُری صفات اور افعال کو اس کی بہترین صفات اور افعال کا عین ہونے کا وہم کرے۔ علمائے ظواہر نے ممکن کے لئے وجود ثابت کیا ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے افراد میں سے شمار کیا ہے۔ غایۃ مافی الباب کلی مشکک کے طور پر واجب تعالیٰ کے وجود کو ممکنات کے وجود سے اولیٰ اور اقدم کہا ہے۔ اور یہ معنی ممکن کے واجب کے ان کمالات و فضائل میں جو اس کے وجود سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں شریک کرنا ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے بہت ہی بلند ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

"اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ" بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے[1]

اگر علمائے ظواہر اس باریکی سے آگاہ ہو جاتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود ثابت نہ مانتے۔ اور جو خیر و کمال خدائے جلّ و علا سے مخصوص ہے۔ وجود کی خصوصیت کے اعتبار سے ممکن کے لئے اس کا اثبات نہ کرتے۔

---

[1] مسلم شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔ حدیث کے باقی الفاظ یہ ہیں "فمن نازعنی واحداً منہما ادخلتہ النار" ترجمہ جو مجھ سے ان دونوں میں سے ایک کو بھی چھینے گا۔ میں اسکو آگ میں ڈالوں گا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا "اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر
"آیۃ الکریمہ" بیٹھیں تو ہمیں نہ پکڑنا"

اور اکثر صوفیہ خاص کر ان کے متاخرین ممکن کو عین واجب جانتے ہیں اور ممکن کی صفات و افعال کو واجب تعالےٰ کی صفات و افعال کا عین گمان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

ہمسایہ و ہمنشین ہمرہ ہمہ اوست — در رنگ گدا و اطلس شہ ہمہ اوست[1]
در انجمن فرق و نہان خانہ جمع — باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست[2]

اگرچہ ان بزرگوں نے وجود کو شریک کرنے سے گریز کیا ہے۔ اور دوئی سے دور بھاگے ہیں۔ لیکن غیر وجود کو وجود سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور نقائص کو کمالات کہہ دیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کسی بھی شئی کی ذات میں شرارت اور نقص نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف نسبی اور اضافی ہے۔ زہر قاتل بھی انسان کی نسبت سے زہر قاتل ہے۔ کہ اس کی زندگی ختم کرتا ہے۔ لیکن اس جاندار کی نسبت آب حیات ہے جس میں یہ زہر پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے تریاق نافع ہے۔

اس بارے میں ان بزرگوں کا مقتدا، اور پیشوا ان کا کشف و شہود ہے۔ ان بزرگوں پر جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہی ان کے علم میں آیا ہے۔ اے اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقتیں اس اصل حالت میں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔

اس باب میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے یہ فقیر اسے تفصیل سے ظاہر کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن عربی جو متاخرین صوفیہ کا امام اور پیشوا ہے۔ کا اس مسئلے میں مذہب بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ تحریر میں لاتا ہے۔ تاکہ دونوں مذہبوں کے درمیان مکمل طریقے سے فرق معلوم ہو جائے اور باریکی اور خفا کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔

شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار فرماتے ہیں۔ کہ باری تعالیٰ جل و علا کے اسماء و صفات ذات واجب تعالیٰ و تقدس کا بھی عین ہیں۔ ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ پس اس مقام میں کسی بھی اسم اور نشان کے اعتبار سے تعدد و تکثر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تمایز اور تباین ہے۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ ان اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں تمایز اور تباین اجمالاً اور تفصیلاً پیدا کیا ہے۔ اگر اجمالی تمیز ہے تو اسے تعین اول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر تفصیلی تمیز ہے تو اس کا نام تعین ثانی ہے۔ تعین اول کا نام

---

[1] ہمسایہ اور ہمنشین اور ساتھی سب وہی (خدا) ہے۔ گداگر کی گودڑی اور شاہی لباس میں بھی وہی (خدا) ہے۔
[2] فرق کی انجمن اور نہاں خانہ جمع سب میں اللہ کی قسم وہی ہے پھر اللہ کی قسم سب وہی ہے۔

وحدت رکھتے ہیں۔ اور اسے حقیقت محمدی جانتے ہیں۔ اور تعین ثانی کو واحدیت کہتے ہیں۔ اور تمام ممکنات کے حقائق گمان کرتے ہیں۔ اور ان حقائق ممکنات کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں۔ اور ان دو علمی تعینوں یعنی وحدت اور واحدیت کو مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں۔

یہ حضرات کہتے ہیں۔ کہ ان اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بُو بھی نہیں پائی۔ اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اور یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے۔ اعیان ثابتہ کا عکس ہے۔ جو ظاہر وجود جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں ہے کے شیشوں میں منعکس ہوا ہے۔ اور خیالی وجود پیدا کیا ہے۔ جس طرح ایک شخص کی صورت آئینے میں منعکس ہو۔ اور اس شیشے میں خیالی وجود پیدا کرے۔ اس عکس کا وجود صرف خیال میں ثابت ہے۔ اور آئینے میں کسی شئی نے حلول نہیں کیا ہے۔ اور اس شیشے میں کوئی چیز منتقش نہیں ہوئی۔ اگر انتقاش ہے تو صرف خیال میں ہے۔ جو شیشے کی سطح پر وہم میں آتا ہے۔ اور یہ خیالی اور وہمی شے خداوند جل سلطانہٗ کے فعل سے پیدا ہوئی۔ جو درست اور ٹھیک شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ وہم اور خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتی۔ آخرت کا دائمی اور ابدی ثواب و عذاب اسی پر مرتب ہوتا ہے یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے۔ تین قسم پر منقسم ہے۔ قسم اول تعین روحی ہے اور قسم دوم تعین مثالی اور قسم سوم تعین جسدی جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان تینوں تعینات کو تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلات خمسہ ان ہی پانچ تعینات سے عبارت ہے اور ان تنزلات خمسہ کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔

اور جب علم اور خارج میں سوائے ذات باری تعالیٰ اور سوائے واجب جل سلطانہٗ کی اسماء و صفات کے جو عین ذات تعالیٰ و تقدس ہیں۔ ان کے نزدیک اور کوئی چیز ثابت نہیں۔ اور انھوں نے صورت علمیہ کو ذی صورت کا عین گمان کیا ہے۔ شے کا شبیہ و مثال گمان نہیں کیا۔ نیز اسی طرح اعیان ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جو فی ظاہر وجود میں نمود پیدا کیا ہے۔ ان صورتوں کا عین تصور کیا ہے۔ نہ ان کا شبہ تو لازماً اتحاد کا حکم لگا دیا۔ اور ہمہ اوست کا نعرہ بلند کیا۔

یہ مسلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کا اجمالی بیان بھی علوم ہیں۔ اور اسی طرح کے دیگر علوم جنہیں شیخ موصوف خاتم الولایۃ کے ساتھ مخصوص جانتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خاتم النبوت یہ علوم خاتم الولایۃ سے اخذ کرتا ہے۔ اور فصوص[1] کے شارحین اس قول کی توجیہ میں تکلفات کرتے ہیں۔

---

[1] فصوص سے شیخ ابن العربی کی مشہور کتاب فصوص الحکم مراد ہے۔

مختصر یہ کہ شیخ موصوف سے پہلے اس گروہ صوفیہ میں سے کسی نے ان علوم و اسرار کیساتھ لب کشائی نہیں کی۔ اور اس بات کو اس طریقہ پر کسی نے بیان نہیں کیا۔ اگرچہ غلبات سکر میں ان سے توحید و اتحاد کی باتیں ظہور میں آئی ہیں۔ اور "انا الحق" اور "سبحانی" کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حضرات اتحاد کیوجہ سے معلوم نہیں کر سکے اور منشا کو نہیں پا سکے۔ پس شیخ اس گروہ کے متقدمین کی برہان اور اس گروہ کے متاخرین کی حجت اور دلیل بنے ہیں۔ تاہم ابھی تک اس مسئلہ کے بہت سے دقائق پوشیدہ ہیں اور نہ ہی اس باب میں مشکل رازہ ابھی تک منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ البتہ فقیر کو ان کے اظہار کی توفیق ملی ہے۔ اور انکی تحریر سے مبشر ہوا ہے۔ اللہ ہی حق کو حق ظاہر کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

مخدوم گرامی! واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات ثمانیہ جو اہل حق (اہلسنت) شکر اللہ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں۔ ضرور خارج میں ذات تعالیٰ و تقدس بے چونی اور بے چگونی کی صفت کیساتھ متمیز ہونگی نیز یہ صفات آپس میں بھی بے چونی کی صفت کیساتھ ایک دوسری سے متمیز اور جدا ہوں گی۔ بلکہ بے چون تمیز مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں بھی ثابت ہے۔ کیونکہ واجب تعالیٰ مجہول الکیفیہ وسعت کیساتھ واسع ہے۔ اور وہ تمیز جو ہمارے فہم و ادراک میں آسکتا ہے۔ اس جناب قدس سے مسلوب ہے۔ کیونکہ بعض ہونا اور جزء جزء ہونا وہاں متصور نہیں ہو سکتا اور تحلیل و ترکیب کو حضرت جل سلطانہٗ میں کچھ دخل نہیں اور محالیت (اس کا کسی میں سرایت کرنا) اور محاذیت (اس میں کسی کا سرایت کرنا) کی بھی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔

مختصر یہ کہ۔ ممکن کی صفات و اعراض میں سے ہے۔ اس جناب قدس سے مسلوب ہے۔ اس کی طرح کوئی اس کی مثل نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ اس بے چونی تمیز اور اس بے کیف وسعت کے باوجود واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات خانۂ علم میں بھی تفصیل و تمیز رکھتے ہیں اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر اسم و صفت متمیزہ کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور ایک نقیض ہے۔ مثلاً صفت علم کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور نقیض ہے۔ جو عدم علم ہے اور جسے جہل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور صفت قدرت کا ایک مقابل ہے یعنی عجز جو عدم قدرت کا نام ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور ان عدمات متقابلہ نے بھی علم واجبی جل شانہٗ میں تفصیل و تمیز پیدا کیا ہوا ہے۔ اور اپنی مقابل صفات و اسماء کا آئینہ بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے عکسوں کے ظہور کے شیشے بنے ہوئے ہیں۔

فقیر کے نزدیک وہ عدمات اسماء و صفات کے ان عکوس کیساتھ ممکنات کے مشابہ ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ وہ عدمات ان ماہیات کے لئے اصول اور مواد کی طرح ہیں۔ اور وہ عکوس ان مواد میں حلول کرنے والی صورتوں کی طرح ہیں۔ پس شیخ محی الدین کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں مرتبہ علم میں وہی متمیز اسماء

اور صفات ہیں۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں وہ عدمات ہیں۔ جو اسماء اور صفات کی نقیض ہیں۔ اسماء اور صفات کے ان عکسوں کے ساتھ جو ان عدمات کے آئینوں میں خانۂ علم میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اور قادر مختار جل سلطانہٗ نے جب چاہا کہ ان ملی ہوئی ماہیتوں میں سے وجود ظلی کے ساتھ جو حضرتِ وجود کا پرتو ہیں۔ متصف کرکے موجود خارجی بنا دیا۔ مختصر یہ کہ حضرت وجود سے اس ملی ہوئی ماہیت پر پرتو ڈال کر اسے خارجی آثار کا مبدأ بنا دیا۔ پس ممکن کا وجود علم میں اور خارج میں ممکن کی باقی صفات کی حضرت وجود کا پرتو اور اس کے کمالات کا تابع ہے۔ پس ممکن کا علم واجب تعالیٰ وتقدس کے علم کا پرتو اور ظل ہے۔ جو اپنے مقابل منعکس ہوا ہے۔ اور ممکن کی قدرت بھی ظل ہے کہ عجز میں جو اس کا مقابل ہے منعکس ہوا ہے۔ اور اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے۔ جو عدم کے آئینوں میں کہ اس کے مقابلے میں منعکس ہوا ہے۔

نیاوردم[1] از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز نیست

لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل اس کا عین نہیں ہے۔ بلکہ اس کا شبیہ اور مثال ہے اور ایک کا ثبوت دوسرے کیلئے ممتنع ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں ہے۔ اور ممکن اور واجب کا ایک دوسرے پر حمل کرنا ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے۔

اور اسماء وصفات کا جو عکس اس عدم میں منعکس ہوا ہے۔ ان اسماء وصفات کا شبیہ اور مثل ہے۔ نہ کہ ان صفات کا عین۔ لہٰذا ہمہ اوست کا مقولہ درست نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمہ از اوست (درست ہے)۔ کیونکہ جو چیز اپنی ذات میں ممکن ہے۔ وہ عدم ہے۔ اور شرارت، نقص اور خبث کا منشا ہے اور کمالات کی جنس سے جو کچھ ممکن سے پیدا ہوا ہے۔ جیسے وجود اور اس کے توابع۔ وہ سب کا سب اس حضرت ذات جل سلطانہٗ سے اُسے حاصل ہوا ہے۔ اور اس ذات سبحانہٗ کا پرتو ہے۔ اس لئے لازماً وہی ذات سبحانہٗ وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اور اس کے ماسوا سب ظلمت اور تاریکی ہے کیونکہ ظلمت اور تاریکی نہ ہو۔ حالانکہ عدم تمام ظلمتوں سے بڑھ کر ظلمت ہے۔ اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی کہ چاہیئے۔ اس مکتوب میں تلاش کریں۔ جو میں نے اپنے مرحوم ومغفور فرزند اعظم کے نام تحریر کیا ہے۔ جس میں وجود کی حقیقت کا بیان اور ماہیات ممکنات کی تحقیق سپرد قلم کی ہے۔

---

[1] میں اپنے گھر سے کوئی چیز لے کر نہیں آیا۔ تو نے ہی تمام چیزیں دی ہیں۔ اور میں خود تیری ایک چیز ہوں۔

پس عالم سارے کا سارا شیخ محی الدین کے نزدیک اسماء اور صفات سے عبارت ہے۔ جنہوں نے خانہ علم میں تمیز پیدا کیا ہے۔ اور خارج میں ظاہر وجود کے آئینے میں نمود اور ظہور حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک عالم علامات سے عبارت ہے۔ کہ واجب تعالےٰ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات خانۂ علم میں اس میں منعکس ہوئے ہیں۔ اور خارج میں حق سبحانہٗ کی ایجاد سے وہ علامات اس عکوس کے ساتھ وجود خلقی کے ساتھ موجود ہیں۔ پس عالم میں خبث ذاتی ثابت ہو گیا۔ اور طبعی شرارت ظاہر ہو گئی۔ اور خیر و کمال سب کا سب جناب قدس جل و علا کی طرف راجع ہو گیا۔ آیہ کریمہ

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ [1]

(اے بندے) تجھے جو بھلائی پہنچتی ہے وہ تو اللہ (تعالےٰ) کی طرف سے ہے۔ اور جو تجھے برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

اس معرفت کی مؤید ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

تو اس تحقیق سے معلوم ہو گیا۔ کہ عالم خارج میں موجود ہے۔ لیکن خلقی وجود کیساتھ۔ جس طرح حق سبحانہٗ خارج میں وجود اصلی کیساتھ موجود ہے۔ بلکہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے۔ کہ یہ خارج بھی وجود و صفات کی طرح اس خارج کا خلق ہے۔ لہٰذا عالم کو حق جل و علا سلطانہٗ کا عین نہیں کہہ سکتے۔ اور ایک کا حمل دوسرے پر جائز نہ ہوگا۔ خلق شخص کو عین شخص نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ خارج میں دونوں کے درمیان تغایر موجود ہے۔ کیونکہ دو چیزیں آپس میں متغائر ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص خلق شخص کو عین شخص کہے تو وہ بر سبیل تسامح (چشم پوشی) اور مجاز ہوگا۔ جس کا ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

کوئی شخص اگر یہ سوال کرے کہ شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار بھی عالم کو حق تعالیٰ کا خلق ہی مانتے ہیں تو پھر فرق کیا ہوا۔ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ وہ اس خلق کے وجود کو وہم میں ہی گمان کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں وجود خارجی کی بُو بھی جائز نہیں مانتے۔ مختصر یہ کہ کثرت موہوم کو وحدت موجودہ کے خلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور خارج میں صرف اس ایک ذات تعالےٰ کو ہی موجود جانتے ہیں۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس اصل پر خلق کے حمل کا منتفی اور اس حمل کا نہ ہونا خلق کے لئے وجود خارجی کا اثبات ہوا۔ اور اس وجود کا عدم اثبات وہ لوگ جب کہ خلق کے لئے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے۔ اس لئے لازماً اصل پر محمول

---

[1] سورۃ النساء پارہ ۵ و حٰمٓ السجدۃ۔

کرتے ہیں۔ اور یہ فقیر چونکہ خلق کو خارج میں موجود جانتا ہے۔ اس لئے حمل میں جلدی نہیں کرتا۔ خلق سے وجود اصلی کی نفی میں فقیر اور وہ شریک ہیں۔ اور وجود حقی کے اثبات میں بھی متفق ہیں۔ لیکن یہ فقیر وجود خلقی کو خارج میں ثابت تسلیم کرتا ہے۔ اور وہ وجود خلقی کو صرف وہم اور تخیل میں گمان کرتے ہیں۔ اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا موجود نہیں جانتے۔ اور صفات ثمانیہ کو بھی جن کا وجود اہل سنت وجماعت رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی آراء کے مطابق خارج میں ثابت ہو چکا ہے۔ صرف علم میں ثابت کرتے ہیں۔ ظاہری علماء اور وہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے میانہ روی کی دو طرفوں کو اختیار فرمایا ہے اور ان دونوں کے درمیان حق کا درمیانہ درجہ اس فقیر کو نصیب ہوا ہے۔ اور توفیق ملی ہے۔ اگر وہ لوگ بھی اس خارج کو اس خارج کا ظل پاتے۔ تو عالم کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور وہم اور تخیل پر کفایت نہ کرتے۔ اور واجب الوجود کی صفات کے وجود خارجی کا بھی انکار نہ کرتے۔ اور اگر ظاہری علماء بھی اس راز سے آگاہ ہو جاتے۔ تو ہرگز ممکن کے لئے وجود اصلی کا اثبات نہ کرتے۔ اور وجود ظلی پر اکتفا کرتے۔ اور وہ جو فقیر نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ ممکن پر وجود کا اطلاق بطریق حقیقت ہے۔ نہ بطریق مجاز۔ تو یہ بات اس تحقیق کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلی کے ساتھ بطریق حقیقت موجود ہے۔ نہ وہم اور تخیل کے طور پر۔ جیسا کہ ان کا گمان ہے۔

سوال صاحب فتوحات مکیہ نے اعیان ثابتہ (صور علمیہ) کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ کہا ہے۔ پس اس کے طور کے مطابق عدم بھی حقائق ممکنات میں داخل ہے۔ پس اس تحقیق اور اس ــــ قول کے درمیان کیا فرق ہوگا!

جواب برزخ اس اعتبار سے کہا کہ صور علمیہ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ثبوت علمی کے واسطہ سے وجود سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ایک جہت عدم خارجی کے واسطہ سے عدم سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اعیان نے اس کے نزدیک وجود خارجی کی بُو بھی نہیں سونگھی۔ اور وہ عدم جو اس تحقیق میں درج ہوا ہے۔ دوسری حقیقت رکھتا ہے۔ اور اسی طرح وہ جو بعض بزرگوں کی عبارتوں میں جن میں عدم کا اطلاق ممکن پر ہوا ہے۔ اس سے معدوم خارجی مراد ہے۔ نہ وہ عدم جس کی تحقیق مندرجہ بالا عبارت میں ہوئی ہے۔ اور وہ بلند ذات ان اسماء وصفات سے جنہوں نے علم میں تفصیل اور تمیز حاصل کیا ہے۔ اور علامات کے آئینوں میں منعکس ہو کر حقائق ممکنات قرار پائے ہیں "وراء الوراء" ہے۔ پس عالم کے ساتھ اس ذات سبحانہ کی کسی طرح بھی کوئی مناسبت نہیں۔ بے شک اللہ تعالےٰ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اس ذات سبحانہ کو عالم کے ساتھ عین اور متحد قرار دینا بلکہ منسوب کرنا اس فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے ؎

آں[1] ایشاں دمن چو نیم یارب

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

وَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ

مکتوب نمبر ۲

میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اس کی بلند ذات کا مرتبہ اور اس ذات سبحانہٗ کی صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے اوپر ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ آپ کا گرامی نامہ جو آپ نے محبت اور اخلاص کے ساتھ ارسال فرمایا تھا۔ پہنچا۔ اور بہت فرحت کا باعث ہوا۔ دینی بھائیوں کی کثرت آخرت میں بہت سی امیدوں کا ذریعہ ہے۔ "اے اللہ ہمارے دینی بھائیوں کو زیادہ کر اور ہمیں اور ان کو سید المرسلین علیہ وعلیہم من الصلوٰت افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت رکھ"

از ہر چہ رود سخن دوستت[2] خوشتر است

اے محبت کے نشانات والے! واجب تعالیٰ اور واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی سات یا آٹھ صفات مختلف آرا کے مطابق جو صفات حقیقہ ہیں۔ خارج میں موجود ہیں اور اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی ایک بھی واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کی صفات کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اہل حق میں سے متاخرین صوفیہ بھی وجود صفات کے منکر ہو گئے ہیں اور صفات کی زیادتی کو علم کی طرف لوٹاتے ہوئے کہتے ہیں۔

---

[1] یارب وہ تو وہ ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

[2] دوست کی بات جس طرف سے بھی سنائی دے۔ بہت اچھی لگتی ہے۔

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات[1] باذات تو از روئے تحقق ہمہ عین

اور حق یہ ہے کہ اہل حق کی بات ہی برحق ہے۔ اور نبوت کے سینے سے حاصل کی ہوئی چیز ہے۔ اور کشف و فراست کے نور سے اس کی تائید ہو چکی ہے۔ غایت مافی الباب، اتنی بات ہے کہ صفات کو موجود، ماننے کی صورت میں مخالفین جو اعتراض کرتے ہیں۔ وہ بڑا قوی ہے۔ کیونکہ صفات اگر موجود ہوں گی۔ تو خالی نہیں ہیں۔ یا ممکن ہوں گی یا واجب لذاتہ۔ امکان حدوث اور فنا کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے۔ اور بہت سے واجب لذاتہ تسلیم کرنا توحید کے منافی ہے۔ اور نیز امکان کی صورت میں صفات کا ذات تعالےٰ و تقدس سے جواز انفکاک لازم آتا ہے۔ اور یہ معنی واجب تعالےٰ و تقدس کے لئے جہل اور عجز کے جواز کا موجب ہے۔ اس اشکال کا حل جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا۔ یہ ہے۔ کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ نہ کہ وجود کے ساتھ۔ چاہے وجود عین ذات ہو یا ذات سے زائد۔ اور واجب تعالیٰ کی صفات اس کی بلند ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ نہ وجود کے ساتھ۔ کیوں کہ وجود کی اس مقام میں گنجائش نہیں۔

شیخ علاؤالدین نے اس مقام کی طرف اشارہ فرمایا۔ جہاں آپ نے فرمایا۔ کہ ملک وجود (ذات حق) کا عالم، عالم وجود سے اوپر ہے۔ لہٰذا امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ امکان اور وجوب ماہیت اور وجود کے درمیان نسبت کا نام ہے۔ تو جہاں وجود ہی نہ ہو۔ وہاں نہ امکان ہوگا اور نہ وجوب۔ یہ معرفت نظر و فکر کے مقام سے وراء ہے۔ عقل کی رسی میں بندھے ہوئے ہو۔ لوگ اس معرفت کو کیا پا سکتے ہیں۔ اور انکار کے سوا ان کے ہاتھ میں کیا آسکتا ہے۔ مگر جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ محفوظ رکھے۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ سیادت پناہ میر سید محب اللہ کچھ عرصہ تک یہاں رہے ہیں۔ اب آپ کی طرف آرہے ہیں۔ ان کی صحبت اور خدمت کو غنیمت جانیں

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَدَيْكُمْ

---

[1] تعقل اور علم کی رو سے تمام صفات ذات کا غیر ہیں اور تحقق کی رو سے سب عین ہیں۔

مکتوبات نمبر ۳

مخدوم زادہ، حقائق و معارف آگاہ، مظہرِ فیضِ الٰہی، خواجہ محمد سعید سلّمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ آفاق و انفس (یعنی انسان کی اندرونی اور بیرونی دنیا) کا معاملہ ظلال میں داخل ہے۔ اور ولایت صغریٰ و کبریٰ کا بیان اور کمالات نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت جس کے متعلق بعض صوفیہ کے نزدیک قرار پا چکا ہے کہ وہ ظل فعل حق کا ظل ہے۔ یعنی فعل صفات و ذات تعالیٰ تک اس کی کہاں رسائی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

جو کچھ آفاق اور انفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ داغ ظلیت سے داغدار ہے۔ اس لئے وہ نفی کرنے کے لائق ہے۔ تاکہ اصل کا اثبات کیا جا سکے۔ اور جب معاملہ آفاق اور انفس سے آگے گزر گیا۔ تو ظلیت کی قید سے چھوٹ گیا۔ اور تجلی فعل و صفت میں شروع ہونا میسر آگیا۔ اور معلوم ہو گیا۔ کہ اس سے قبل جس تجلی نے بھی ظہور کیا تھا۔ آفاقی اور انفسی سیر میں اگرچہ اُسے تجلی ذات ہی خیال کریں۔ سب فعل اور صفت کے ظلال سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ کہ نفس فعل و صفت کے ساتھ۔ ذات تعالےٰ و تقدس تک پہنچنا کب۔ اس لئے کہ ظلیت کا دائرہ انفس کی نہایت کے ساتھ منتہی ہو جاتا ہے۔ پس جو کچھ آفاق اور انفس میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس دائرے میں داخل ہے۔ اور صفات بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالےٰ و تقدس کے ظلال ہیں۔ تاہم دائرہ اصل میں داخل نہیں۔ اور اس مرتبے کی ولایت اصلی ہے بخلاف مرتبہ سابق کی ولایت کے۔ جو آفاق اور انفس سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ظلی ولایت ہے۔ دائرہ ظل کے منتہی لوگوں کیلئے تجلی برقی جو مرتبہ اصل سے پیدا ہوتی ہے حاصل ہے۔ جو ایک گھڑی بھر کیلئے آفاق اور انفس کی قید سے آزاد کر دیتی ہے۔ اور وہ جماعت جو دائرہ آفاق اور انفس سے آگے نکل گئی۔ اور ظل سے اصل تک پہنچ گئی۔ یہ تجلی برقی ان کے حق میں دائمی ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں کی جائے سکونت اور جائے پناہ دائرۂ اصل ہے۔ جس سے تجلی برقی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ان بزرگوں کا معاملہ تجلیات

اور ظہورات سے اوپر ہے ۔ اس لئے کہ ہر تجلی اور ظہور جس مرتبے سے بھی تعلق رکھتا ہے ۔ شائبہ ظلیت سے باہر نہیں ہے ۔ اور اصل الاصول کی گرفتاری نے ان کو ظل سے فارغ کر دیا ہے ۔ اور یہ لوگ نگاہ کی کجی سے چھوٹ گئے ہیں ۔ ولایت ظلی میں جو ولایت صغریٰ ہے ۔ نہایت کمال تجلی برقی کا حاصل ہوتا ہے ۔ اور یہ تجلی برقی ولایت کبریٰ میں پہلا قدم ہے ۔ جو ولایت انبیاء ہے ۔ (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور ولایت صغریٰ ولایت اولیاء ہے ۔ (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) یہاں سے ولایت اولیاء اور ولایت انبیاء صلوات اللہ تعالےٰ وتسلیماتہ سبحانہ علیہم کے درمیان فرق ، معلوم کرنا چاہیئے ۔ کہ اس ولایت کی نہایت اس ولایت کی ابتدا ہے ۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نبوت کے کمالات کے بارے میں کیا لب کشائی کرے ۔ جب کہ نبوت کی ابتدا ولایت کی انتہا ہے ۔ شاید حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کی ولایت سے حصہ پایا تھا اسی بناء پر آپ نے فرمایا کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں ۔ یہ فقیر اس قدر جانتا ہے ۔ کہ نقشبندی نسبت اور حضور جب کمال کو پہنچتا ہے ۔ تو ولایت کبریٰ سے مل جاتا ہے ۔ اور اس ولایت کے کمالات سے وافر حصہ حاصل کر لیتا ہے ۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ان کے کمال کی نہایت تجلی برقی تک ہے ۔

جاننا چاہیئے ۔ کہ جو سیر آفاق اور انفس کی سیر کے بعد میسر آتی ہے ۔ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اقربیت میں سیر ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ اس بلند ذات کا فعل ہم سے ہمارے زیادہ نزدیک ہے ۔ اسی طرح اس بلند ذات کی صفت ہم سے اور اس بلند ذات کے فعل سے ہمارے زیادہ نزدیک ہے ۔ اور اس کی بلند ذات ہم سے اور اس ذات سبحانہٗ کا فعل اور اس کی صفت ہمارے زیادہ نزدیک ہے ۔ ان مراتب میں سیر اقربیت میں سیر ہے ۔ تجلی فعل ، تجلی صفت اور تجلی ذات کی حقیقت اسی مقام میں ثابت ہوتی ہے ۔ اور وہم کی سلطنت اور دائرہ خیال سے اسی جگہ آکر نجات حاصل ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ وہم وخیال کی سلطنت کے لئے آفاق وانفس کے دائرہ سے باہر حکومت اور تصرف میسر نہیں ہے ۔ وہم کی نہایت ظل کی نہایت تک ہے ۔ جس جگہ ظل نہیں ہوگا ۔ وہاں وہم بھی نہیں ہوگا ۔

پس ناچار ولایت ظلی میں وہم سے خلاصی اور نجات موت کے بعد میسر آتی ہے ۔ کیونکہ وہم عدم کی طرف رُخ کر لیتا ہے ۔ اور ولایت اصلی میں جو ولایت کبریٰ ہے ، وہم وخیال کی قید سے اسی دنیا میں نجات حاصل ہو جاتی ہے ۔ اور وہم کے ہوتے ہوئے بندہ اس کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے ۔ جو کچھ پہلے گروہ کو دار آخرت میں حاصل ہوگا ۔ اس دوسرے گروہ کو اسی جگہ حاصل ہو جاتا ہے ۔ ولایت ظلی

میں اس دنیا کے اندر اپنے وہم وخیال سے تراشی ہوئی باتوں کے سوا مطلوب کا حصول نہیں ہوتا۔ اور ولایت اصلی میں مطلوب وہم کی تراش کے نقص سے منزہ اور مبرا ہے۔

شاید مولینا روم قدس سرہٗ حیطہ وہم اور قید خیال سے تنگ آکر موت کی آرزو کرتا ہے۔ تاکہ مطلوب کو وہم وخیال کے لباس میں سے بالکل برہنہ اپنی آغوش میں کھینچ سکے۔

اور موت کے بارے میں کسی کو اپنے متعلق دعا عافیت سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں [1]

من شوم عریاں زتن و از خیال تا خرامم در نہایات الوصال

یہ بات سنو۔ کہ وہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ آفاق وانفس میں افعال اور صفات کے ظلال کی تجلیات ہیں۔ نہ نفس افعال وصفات کی تجلیات۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ تکوین صفات حقیقیہ میں سے ہے جیسا کہ علماء ماتریدیہ کا مذہب ہے۔ (شکر اللہ تعالیٰ سعیہم) صفات اضافیہ میں سے نہیں جیسا کہ اشاعرہ کا گمان ہے۔ اس صفت میں دوسری صفت کی نسبت چونکہ رنگ اضافت غالب ہے۔ اس بناء پر انہوں نے اسے صفات اضافیہ میں سے گمان کر لیا۔ لیکن حقیقۃً بات یہ نہیں۔ بلکہ یہ صفت صفات حقیقہ میں سے ہے۔ جس کے ساتھ رنگ اضافت کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اور یہ صفت تکوین جو سب سے نچلی صفت ہے۔ صفات عالیہ کا رنگ رکھتی ہے۔ مثلاً کچھ حصہ علم اور حیات سے رکھتی ہے۔ اور کچھ قدرت و ارادہ سے بھی رکھتی ہے۔ اور اس صفت تکوین کی جزئیات ہیں۔ جو فی الحقیقت اس کے ظلال ہیں۔ جیسے، تخلیق، ترزیق، احیاء و اماتت، انعام اور ایلام وغیرہ اور یہ جزئیات افعال میں داخل ہیں۔ جو حقیقۃً اس صفت کے ظلال ہیں۔ اور صفات حقیقہ کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اور اس فعل کے دو رُخ ہیں ایک رُخ فاعل سے متعلق ہے۔ اور دوسرا مفعول سے۔ اور یہ دونوں جہتیں نظر کشفی میں ایک دوسری سے امتیاز رکھتی ہیں۔ پہلی جہت بلند ہے اور دوسری پست۔ نیز جہت اوّل دیکھنے میں اصل کی طرح ہے۔ اور دوسری جہت اس اصل کے لئے ظل کی طرح دکھائی دیتی ہے۔

نیز پہلی جہت وجوب کا رنگ رکھتی ہے۔ اور دوسری جہت امکان کا رنگ۔ یہ دوسری جہت غیر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات یعنی اولیاء کرام اور ساری مخلوق کے تعینات کے مبادی ہیں۔

حق جل سلطانہ کا یہ فعل چونکہ دو جہتوں کے اعتبار سے وجوب کا رنگ بھی رکھتا ہے۔ اور امکان کا رنگ بھی اس لئے بہر صورت ممکن ہوگا۔ کیونکہ واجب اور ممکن سے ترکیب پانے والی شئی ممکن ہوتی ہے

---

[1] میں تن اور خیال سے برہنہ ہو جاؤں۔ تو پھر ہی وصال کی نہایتوں میں ٹہل سکتا ہوں۔

اور نیز یہ فعل جب کہ جہت فوقانی کے اعتبار سے قدم کی طرف رُخ رکھتا ہے - اور جہت تحتانی کے اعتبار سے حدوث میں بھی قدم رکھتا ہے - لہٰذا لازماً حادث ہوگا - کیونکہ قدیم اور حادث سے مرکب حادث ہوتا ہے - اور وہ جماعت جس نے حق جل شانہٗ کے فعل کو قدیم کہا ہے - وہ جہت اولیٰ کی رُو سے ہے - اور جس دوسری جماعت نے اُسے حادث جانا ہے - ان کا یہ خیال دوسری جہت کے اعتبار سے ہے - پہلے گروہ کی نظر بلند ہے - اور دوسرے گروہ کی پست - اگرچہ دونوں گروہ اس بارے میں حق سے ہٹ کر دو طرفوں میں ہو گئے ہیں - اور حق متوسط وہ ہے - جس کے ساتھ اس فقیر کو ممتاز کیا گیا ہے -

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اسی طرح کی تحقیق صفات حقیقہ کے متعلق بعض مکاتیب میں بیان ہو چکی ہے - وہاں سے مطالعہ کر لیں - جاننا چاہیئے - کہ فعل میں جہت ثانی خلقِ خاص سے عبارت ہے - جس نے زید سے تعلق پکڑا ہوا ہے - اور یہ زید کا پیدا کرنا مطلق جزئیاتِ خلق کی گویا ایک جزئی ہے - اور یہ خلق خاص جو زید سے متعلق ہے - اس کی بھی بہت سی جزئیات ہیں - جیسے ذاتِ زید کی پیدائش - صفاتِ زید اور افعالِ زید کی پیدائش - اور خلقِ زید کی یہ جزئیاتِ مطلق ذاتِ زید کی جو گویا کلی ہے - ظلال ہیں - اور فعل زید کی خلق کیلئے بھی ایک ظل اور مظہر ہے - اور وہ کسبِ زید ہے جس نے فعل سے تعلق پکڑا ہے - زید اس کسب کو اپنے باپ کے گھر سے نہیں لایا - بلکہ اس کا کسب خلقِ حق جل وعلا کا پرتو ہے - پس ان معارف سے معلوم ہو گیا کہ ظل کا فعل تکوین ہے - اور فعل کی جہت ثانی جہت اُولیٰ کا ظل ہے - جیسا کہ تحقیق کی جا چکی ہے - اور جہت ثانی کا بھی ایک ظل ہے - جسے خلقِ زید کہتے ہیں - اور خلقِ زید کا پھر ایک ظل ہے - جو خلقِ فعل زید ہے - اور اس ظل کا پھر ایک ظل ہے - جو کسبِ زید ہے - جب یہ علوم تو نے جان لئے تو یہ بھی جان لے - کہ سلوک کے وقت سالکوں کی نظر میں منشأ کسبِ زید کی نسبت جب زید سے منتفی ہو جاتی ہے - اور اس کی اضافت زید سے زائل ہو جاتی ہے - تو سالک حضرات نا چار اس فعل کا فاعل حق تعالےٰ وتقدس کو جانتے ہیں - بلکہ مخلوق کے افعال متکثرہ متبائنہ کو ایک فاعل کا فعل پاتے ہیں - اور اس معنی کے ظہور کو تبتلِ افعال گمان کرتے ہیں -

انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ تبتل، فعل حق تعالےٰ شانہٗ کی تجلی ہے - یا اس فعل کے ظلال میں سے کسی ظل کی تجلی ہے - جس نے کئی مراتب تنزّل کر کے ظلیت کا اسم پایا ہے - فعل کی تجلی پر دوسری تجلیات (ذات وصفات کی تجلیات) کو قیاس کرنا چاہیئے - کہ ظلال میں سے ایک ظل پر کفایت

کرتے ہوئے اصل اصل گمان کر لیا ہے۔ اور لوگ اخروٹ و منقا (حقیر چیزوں) کے ساتھ آرام پکڑ چکے ہیں جاننا چاہیئے کہ وجوب وجود چونکہ ایک نسبت و اضافت ہے۔ اس لئے اس کا وجود لازماً مرتبہ فعل میں ہی ہوگا۔ اور جب کہ یہ نسبت عالم کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ بلکہ صانع عالم تعالیٰ و تقدس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے فعل کی ایجاد و تی کے ساتھ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ مناسب ہے۔

اگر کہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ وجوب مرتبہ ذات و صفات تعالیٰ و تقدس میں ثابت نہ ہو۔ اور اس بلند اور پاک ہستی کی ذات و صفات کو واجب نہ کہا جائے۔ پس حضرت ذات اور اس کی صفات سے وجود مسلوب ہوگا۔ جس طرح کہ امکان اور امتناع اس بلند ذات سے مسلوب ہے لہٰذا ایک چوتھی قسم وجوب، امکان اور امتناع کے سوا پیدا ہو گئی۔ حالانکہ ان مذکورہ تین اقسام میں حصر عقلی ثابت ہو چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ انحصار ماہیت کے لئے اس کے وجود کی نسبت سے ہے۔ تو جب ماہیت کی وجود کی طرف نسبت ثابت نہیں۔ تو انحصار بھی ثابت نہ ہوا۔ جس طرح کہ ذات واجب تعالیٰ اور اس پاک ذات کی صفات میں ہے۔ اس لئے کہ اس کی بلند ذات بذاتہٖ موجودہ ہے۔ وجود کے ساتھ موجود نہیں وجود کو عین ذات کہیں یا زائد علی الذات۔ اور اس کی صفات بھی اس کی ذات سبحانہٗ کے ساتھ موجود ہیں۔ بغیر اس بات کے کہ ان میں وجود دخل انداز ہو۔ تو اس سبحانہٗ و تعالےٰ کی ذات اور صفات ان تینوں منحصرہ اقسام سے بلند و بالا ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ جب اس کی بلند ذات اور اس پاک ہستی کی صفات کا مختلف وجوہ اور اعتبارات سے تصور اور تعقل کیا جائے۔ کہ اس کی نفس حقیقت کے تصور کا کوئی راستہ نہیں۔ تو اس کی ذات سبحانہٗ کے لئے وجود تصور خلقی میں وجوب عارض ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کی بے نیاز ذات کے لئے وہی مناسب اور لائق ہے۔ اور اس سبحانہٗ کی صفات کو وجود ذہنی میں امکان عارض ہوتا ہے۔ جیسا کہ اُن کے لئے مناسب ہے۔ کیونکہ وہ ذات کی طرف محتاج ہیں۔ تو اس بلند ہستی کی ذات اور اس کی صفات اپنی حدِ ذات میں مرتبہ وجوب اور امکان سے بلکہ مرتبہ وجوب سے بھی اوپر ہیں۔ اور وجود تصوری خلقی کے اعتبار سے وجوب اس کی بلند ذات کے لئے مناسب ہے۔ اور امکان اس ذات تعالیٰ و تقدس کی صفات کے مناسب۔ تو اس کی بلند صفات وجود خلقی کی حیثیت سے نہ واجب ہیں اور نہ ممکن۔ بلکہ وہ وجوب اور امکان سے اوپر ہیں۔ اور وجود ذہنی کے اعتبار سے ممکن ہیں۔ لیکن اس امکان سے حدوث لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ امکان ان کی ذوات کے لئے نہیں

جیسا کہ ممکنات کے لئے ہے۔ بلکہ صفات کے وجودات ظلیہ کے لئے ہے۔

اور اس معرفت کے مناسب ہے۔ وہ بات جو ارباب معقول نے کہی ہے۔ اور کلیت اور جزئیت ماہیت کو وجود ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے عارض ہوتی ہے۔ لہٰذا وجود خارجی کی حالت میں ماہیت کو ان دونوں کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ پس زید جو خارج میں مثلاً تعقل سے پہلے موجود ہے۔ جزئی نہیں ہے۔ جس طرح وہ کلی بھی نہیں ہے۔ بلکہ جزئیت اُسے وجود ذہنی ظلی کے بعد عارض ہوئی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ تمام نسبتیں، اضافتیں احکام اور اعتبارات جو اس کی بلند ذات پر عمول ہوتے ہیں جیسے اُلوہیت، رَبوبیت، اَوّلیت، اور اَزلیت یعنی وہ تمام چیزیں جو آٹھ موجود صفات کے علاوہ ہیں۔ وہ اس ذات سُبحانہٗ پر تصور اور تعقل کے اعتبار سے صادق آتی ہیں۔ ورنہ ذات بحت خیثُ ذات کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں۔ اور نہ کسی اسم کے ساتھ موسوم ہے۔ اور نہ کسی حکم کی محکوم ہے۔ پس صاحبِ شرع نے اس کی ذات پر جن اسماء اور احکام کا اطلاق کیا ہے۔ وہ تناسب اور تشابہ کے اعتبار سے ہے۔ تاکہ مخلوق کے افہام کے قریب ہو جائے۔ اور ان کی عقل کے مطابق ان کے ساتھ گفتگو ہو۔ جس طرح زید کے لئے جو خارج میں موجود ہے۔ بغیر ذہن میں وجود ملاحظہ کرنے کے بیشک وہ تشبیہ اور تنظیر کے لحاظ سے جزئی ہے۔ اور ان کا زید کے لئے جزئیت کا حکم کرنا ان کے حکم کے ساتھ بہت مناسب اور بہت مشابہ ہے۔ کہ وہ کلی ہے۔ تو اسی طرح غنی اور بلند ذات پر وجوب کا حکم کرنا۔ امکان اور امتناع سے بہت اولیٰ اور مناسب ہے۔ ورنہ اس کی جناب قدس کی طرف نہ وجوب پہنچ سکتا ہے اور نہ وجود۔ جس طرح کہ اس کی بلند اور منزّہ ذات کے لئے امکان اور امتناع بھی لائق نہیں اس شریف اور پاک معرفت کو سمجھ لے۔

کیونکہ اس کی بلند و پاکیزہ ذات و صفات کے علم کا خلاصہ ہے۔ اور عظیم اور بڑے لوگوں میں سے کسی نے بھی یہ باتیں بیان نہیں کیں۔ اس معرفت کے ساتھ اللہ سُبحانہٗ نے اسی بندے کو برگزیدہ فرمایا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

مکتوب نمبر ۴

سیادت مآب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ علم الیقین ، عین الیقین ، حق الیقین ، جسے بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے ۔ یہ تینوں ، اقسام فی الحقیقت علم الیقین کے تین اجزاء کے دو جزو ہیں ۔ اور علم الیقین کا ایک جزو ابھی تک باقی ہے ۔ تو عین الیقین اور حق الیقین تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے ۔ اور اس امر کا بیان کہ ان علوم کا اس ہزار سال کا مجدد ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مدت ہوئی ہے ۔ کہ آپ نے اپنے حالات خیر مآل سے مطلع نہیں فرمایا ۔ اللہ تعالےٰ سے تمہاری سلامتی اور استقامت کی دعا ہے ۔

یہ بات جان لیں ۔ کہ علم الیقین علاماتِ قدرت کے مشاہدہ سے عبارت ہے ۔ جن سے یقین علمی کا فائدہ پہنچتا ہے ۔ یہ شہود فی الحقیقت استدلال ہے اثر سے مؤثر کی طرف ۔ پس آفاق و انفس کے آئینوں میں جو کچھ بھی تجلیات اور ظہورات دکھائی دیتے ہیں ۔ سب اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کے قبیل سے ہیں ۔ اگرچہ ان تجلیات کا تجلیات ذاتیہ نام رکھ لیں ۔ اور ان ظہورات کو بے کیف کہیں ۔ اس لئے کہ شے کا کسی آئینے میں ظہور اس شئی کے آثار میں سے کسی اثر کا ظہور ہے ۔ نہ کہ عین اس شے کا حصول ۔ اس لئے پوری کی پوری سیر آفاقی اور انفسی علم الیقین کے دائرہ سے قدم باہر نہیں نکال سکتی ۔ اور اس کا حصہ صرف اثر سے مؤثر کی طرف استدلال ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ط (آیۃ الکریمہ)[1]

عنقریب ہم انہیں آفاق اور ان کے انفس میں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے ۔ تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے ۔

دوسرے صوفیہ نے سیر آفاقی کو علم الیقین سے بیان کیا ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو سیر انفسی میں میں ثابت کیا ہے ۔ اور انفس سے باہر کسی سیر کا ذکر نہیں کیا ۔

آں ایشانند من چنینم یار ب[2]

(میر محمد نعمان صاحب) یہ جان لیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ خود بندے سے بھی بندے کے زیادہ نزدیک ہے ۔ پس بندے سے حق جل و علا تک جانب اقربیت میں ایک اور سیر درکار ہے ۔ کہ وصول اس سیر کے طے کرنے کے

---

[1] پارہ سَنُرِیْھِمْ ، سورہ حٰمٓ سجدہ ۔

[2] یارب وہ تو اس طرح ہیں ۔ لیکن میں تو اس طرح بھی نہیں ۔

ساتھ وابستہ ہے۔ یہ تیسری سیر بھی فی الحقیقت علم الیقین کو ثابت کرتی ہے۔ یہ اگرچہ دائرہ ظلیت سے باہر ہے۔ تاہم شائبہ ظلیت سے پاک اور منزّہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسماء و صفات واجب جل سلطانہٗ فی الحقیقت حضرت ذات تعالت و تقدست کے ظلال ہیں۔ اور جس جگہ بھی ظلیت کی ملاوٹ ہو وہ آثار و آیات میں داخل ہے۔

پس انہوں نے علم الیقین کی تین سیروں میں سے صرف ایک سیر کو علم الیقین کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس کی سیر دوم کو عین الیقین اور حق الیقین کا حاصل کرنے والا قرار دیا ہے۔ اور تیسری سیر کے بارے میں لب کشائی نہیں کی۔ تاکہ علم الیقین کا دائرہ مکمل ہو۔ عین الیقین اور حق الیقین ابھی درپیش ہیں۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار[1]

(اور یہ فقیر) عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے۔ اور کچھ عرض کرے بھی تو اُسے کون سمجھے گا۔ اور کون پائے گا اور کیا پائے گا۔ یہ معارف دائرۂ ولایت سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت علماء ظواہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت علی ارباہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سینہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جو دوسرے ہزار کے آغاز کے بعد تبعیت اور وراثت کے طور تازہ ہوئے۔ اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف والا اس ہزار سال کا مجدّد ہے۔ جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے۔ اور جو جوال، مواجید، تجلیات، اور ظہورات سے متعلق ہیں، دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تو صاحب نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور علوم علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں۔ بلکہ ان کے علوم ان علوم کی نسبت چھلکا ہیں۔ اور وہ معارف اس چھلکے کا مغز ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

اور جان لیں۔ کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے۔ لیکن سو سال کا مجدد اور ہے۔ اور ہزار سال کا مجدد اور جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے۔ ان دونوں مجددوں میں بھی اسی طرح فرق ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ۔ اور مجدد وہ ہوتا ہے۔ کہ فیوض و برکات میں سے جو کچھ اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے۔ اس کے واسطے سے پہنچتا ہے۔ اگرچہ اس وقت کے قطب اور اوتاد ہوں۔ اور ابدال و نجبا ہوں۔

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را[2]

---

[1] میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کرلو

[2] مصلحت عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خاص کرلیتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ
الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعِبَادِ
اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ
اَجْمَعِیْنَ

مکتوب نمبر ۵

میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اس بلند ذات کی صفات کے دو اعتبار ہیں ۔ اعتبار اوّل ان کا حصول فی الفصلہ ہے ۔ اور دوسرا ان کا ذات کے ساتھ قیام ہے ۔ اور دونوں اعتبار خارج میں متمیز ہیں ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مخدوم و محترم ! واجب تعالےٰ جلّ سلطانہٗ کی صفات جو موجود ہیں ۔ اور اس بلند اور پاک ذات کے ساتھ قائم ہیں ۔ دو اعتبار رکھتی ہیں ۔ اعتبار اوّل یہ کہ وہ اپنی ذات کی حد میں موجود ہیں ۔ اور دوسرا اعتبار یہ کہ واجب تعالےٰ و تقدّس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں ۔ اعتبار اوّل سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں ۔ اور تعینات کے مبادی ہیں ۔ اور دوسرے اعتبار سے عالم سے بے نیاز ہیں ۔ اور عالم اور عالم والوں کی طرف ان کی کچھ توجہ نہیں ۔

نیز نظر کشفی میں اعتبار اوّل کے لحاظ سے ذات تعالیٰ و تقدّس سے جدا دکھائی دیتی ہیں ۔ اور ذات تعالیٰ و تقدّس کا اثبات ان کے سوا دکھائی دیتا ہے اور دوسرے اعتبار اس طرح نہیں ہیں اور نہ ذات سے ان کا الگ ہونا متصور ہو سکتا ہے ۔

اور نیز اعتبار اوّل کے لحاظ سے صفات ذات تعالیٰ و تقدّس کا حجاب ہیں ۔ اور دوسرے اعتبار سے اُنکے حجاب ہونے کی حیثیت نہیں پائی جاتی ۔ جس طرح سفیدی جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے ۔ کپڑے کے لئے ، حجاب نہیں ہے ۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے ۔ کہ سفیدی حصول نفسی اور حصول قیامی دونوں اعتبار سے

کپڑے کی ذات کے لئے حجاب نہیں ہے۔ اگرچہ محسوس سفیدی ہوتی ہے۔ لیکن حجاب ہونے کی صفت نہیں پائی جاتی بخلاف واجب تعالیٰ وتقدس کی صفات کے۔ کہ وہ پہلے اعتبار سے حجاب ہوتی ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے حجاب نہیں بنتیں۔ اور ان دونوں اعتباروں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اُسے تھوڑا خیال نہ کریں۔ اس فقیر نے جذب قوی اور تیز سیر کے باوجود ان دونوں اعتباروں کے درمیان کی مسافت کو تقریباً پندرہ سال کے عرصے میں طے کیا علمائے متقدمین نے ان دونوں اعتباروں کے درمیان فرق کا راستہ نہیں پایا۔ اور کہا ہے۔ کہ عرض کا فی نفسہٖ حصول وہی ہے۔ جو جوہر کے ساتھ اس کے قیام کا حصول ہے۔ اور علمائے متاخرین میں سے بعض ان دو دو اعتباروں کے فرق پر مطلع ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے تحقیق کی ہے۔ کہ عرض کا حصول نفسی اور چیز ہے اور حصول قیامی امر دیگر۔ اس لئے کہ عرض کے حق میں کہا جاتا ہے۔ کہ بیشک وہ پایا گیا۔ اور قائم ہوا۔ تو وجود قیام کا غیر ہے۔

متاخرین کی یہ تحقیق جو انہوں نے عرض کے متعلق کی ہے۔ گویا ضرورت مند کے عروج کے لئے ایک زینے اور حاجت کی معرفت کے لئے ایک ذریعے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سیر و سلوک میں بہت سی کلامی اور فلسفی تحقیقات نے مدد کی ہے۔ اور معارف الٰہی جل شانہٗ کا واسطہ بنی ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَتَمُّهَا وَالتَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ط

مکتوب نمبر ۶

علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع، مخدوم زادہ، مجد الدین، خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

بعض مخفی اسرار کے بیان میں۔ اور یہیں سے اس کی وجہ بھی سمجھ آتی ہے۔ کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہا الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی پیروی کا حکم کیوں دیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی

میرا گمان ہے۔ کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی، ولایت ابراہیمی علیہما الصلوٰت والتحیات

کے رنگ سے رنگین ہو جائے۔ اور اس ولایت کا حسن ملاحت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے حدیث شریف میں وارد ہے کہ "میرے بھائی یوسف صبیح ہیں اور میں ملیح ہوں" اور اس رنگ اور ملاحت کے ساتھ محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ علیا تک پہنچ جائے۔ شاید کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی اتباع کا حکم اسی دولت عظمیٰ کا حصول ہے۔ اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوات اور برکات کے برابر صلوات اور برکات کی طلب اسی غرض کیلئے ہے۔ ملاحت اور صباحت دونوں صفات کی ملاوٹ کے بغیر اس بلند ذات کے حسن سے آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن حسن صفات اور حسن افعال آثار سب کا سب کثیر البرکۃ حسن صباحت سے حاصل کیا گیا ہے۔ حسن ملاحت حضرت اجمال کے زیادہ مناسب ہے۔ گو ملاحت حسن مطلق کا مرکز ہے۔ اور صباحت اس مرکز کا دائرہ۔ اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں جس طرح وحدت محضہ ہے۔ فراخی اور کشادگی بھی ہے۔ لیکن وہ وحدت محضہ اور وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آسکتی ہے اور نہ ہی وہ اجمال وتفصیل ہمارے ادراک میں آسکتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ[1]	آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ اور وہ لطیف اور خبیر ہے۔

بساطت وسعت جو حضرت ذات تعالیٰ میں ہم ثابت کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ ایک کا عین نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔ لیکن ان دونوں کے درمیان فرق وامتیاز جو ان کے اندر اس مرتبہ میں ثابت ہے۔ ہمارے احاطہ ادراک سے خارج۔ اور ہمارے افہام کے دائرہ سے باہر ہے۔ پس ملاحت اور صباحت بھی مرتبہ ذات میں متمیز ہیں۔ اور احکام میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اور کمالات جو ان سے متعلق ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ اور میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہے۔ میرے علم میں پورا ہو گیا ہے۔ اور ہزار سالہ تجدید کی دُعا مقبول ہو گئی ہے۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں۔ جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا۔ ہر حال میں بہت کامل حمد۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام وعلیٰ اخوانہ الکرام من الانبیاء والملائکۃ علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور جب کہ صباحت بھی ملاحت کے رنگ کے ساتھ رنگین ہو چکی ہے۔ اس بناء پر لازماً خلت ابراہیمی کے مقام نے بھی وسعت پیدا کر لی ہے۔ اور محیط نے بھی مرکز کا حکم اختیار کر لیا ہے۔

---

[1] سورۃ الانعام پارہ ۷ رکوع نمبر ۱۳

جاننا چاہیئے کہ محبت کا مقام مرتبہ ملاحت سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور مقام خلت مرتبہ صباحت سے۔ محبت میں محبوبیت صرف، صرف حضرت خاتم المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔ اور محبیت خالص حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دوستی اور ہمنشینی کی نسبت رکھتے ہیں۔ محب اور محبوب اور ہوتا ہے۔ اور یار و ہمنشین اور۔ ہر ایک الگ نسبت رکھتا ہے۔

اور یہ فقیر چونکہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ دونوں کا پروردہ ہے۔ اس مقام ملاحت میں اقامت اور سکونت رکھتا ہے۔ اور ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے محبوبیت کی نسبت غالب ہے۔ اور محبیت کی نسبت مغلوب و مستور۔

اے فرزند! اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے۔ ایک اور عظیم کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ مجھے پیری مریدی کے لئے (دنیا میں) نہیں لایا گیا۔ میری پیدائش سے مقصود مخلوق کی تکمیل وارشاد نہیں۔ ایک دوسرا کام اور معاملہ ہے۔ جو شخص مجھ سے مناسبت رکھتا ہوگا۔ وہ اس دوسرے کام کے ضمن میں فیض حاصل کریگا۔ اگر مناسبت نہ رکھتا ہوگا تو فیض نہ پا سکے گا۔

اس عظیم کام کی نسبت ارشاد و تکمیل کا کام اس طرح معمولی ہے۔ جس طرح راستے میں پڑی ہوئی چیز (جیسے تنکا وغیرہ) انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی دعوت ان کے باطنی معاملات کی نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے۔ لیکن تبعیت و وراثت کے طور پر نبوت کے کمالات و خصائص سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے ان کے کامل پیروکاروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔

مکتوب نمبر ۷

مکتوبات شریف کی اس جلد ثانی کے جامع فقیر حقیر عبدالحی کی طرف صادر فرمایا

مراتب پنجگانہ محبوبیت، محبیت، محبت، حُبّ، اور رضا، اور ان سے اوپر مرتبہ کے بیان میں۔ نیز ان میں سے ہر ایک کی ایک پیغمبر کے ساتھ خصوصیت اور ان کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ حمد و ثنا اس اللہ کے لئے جس نے ہم پر انعام فرمایا

ہمیں دین اسلام کی ہدایت عطا فرمائی۔ اور ہم کو اپنے حبیب پاک حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا۔

جان لے۔ (اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت عطا کرے) کہ محبت ذاتی کے جس کے ساتھ خداوند تعالیٰ وتقدس اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔ تین اعتبار ہیں۔ محبوبیت، محبیت، اور محبت۔ محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے مسلّم ہے۔ غایت مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ جانب محبوبیت میں دو کمال ہیں۔ فعلی اور انفعالی۔ فعل اصل ہے اور انفعال اس کے تابع۔ لیکن انفعال فعل کے لئے علت غائی ہے۔ کیونکہ انفعال اگرچہ وجود میں مؤخر ہے تاہم تصور میں مقدم ہے۔

اور کمالات محبیت کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔

اور تیسرا اعتبار کہ نفس محبت ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اولاً اس مقام میں مشہود ہوئے دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مقام پر مشہود ہوئے۔ تیسرے نمبر پر حضرت نوح بھی اسی مقام میں اسی اعتبار سے دکھائی دیئے۔ حقیقت حال اللہ سبحانہٗ کو معلوم ہے۔

اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس جس طرح اپنی ذات کو دوست رکھتی ہے۔ اپنے کمالات اسمائی، وصفاتی اور افعال کو بھی دوست رکھتی ہے۔

اور اسماء وصفات کے ساتھ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی محبت کا ظہور حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں بروجہ اتم ہے۔ اور اسمائی وصفاتی اور افعالی محبوبیت کا ظہور دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات میں متحقق اور موجود ہے۔ جس طرح ان اسماء وصفات وغیرہ کی محبیت کا ان میں ظہور ہے۔ اور جب اسماء وصفات اور افعال کے لئے ظلال بھی ہیں۔ تو ان ظلال کی محبوبیت کا ظہور ان کے اصول کے واسطہ سے مراد اور محبوب اولیاء کا حصہ ہے۔ جس طرح ان ظلال محبیت کو مریدین اور محبین اولیاء کا حصہ ہے۔ اور محبت ذاتیہ کے مقام سے اوپر حُبّ کا مقام ہے۔ جو تینوں اعتبارات کا جامع اور ان کا اجمال ہے۔ اور رضا کا مقام مقام محبت وحب سے بھی اوپر ہے۔ کیونکہ رضا کا مرتبہ محبت کے مرتبہ سے اوپر ہے۔ کیونکہ محبت میں اجمالاً اور تفصیلاً نسبت کا وجود ہے۔ اور مقام رضا میں جو حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے مناسب ہے نسبت حذف ہے۔ اور مقام رضا سے آگے کسی کا قدم نہیں بڑھ سکتا۔ مگر خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا۔ شاید اسی

مقام سے خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ

"حدیث قدسی"

مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت نصیب ہوتا ہے کہ اس وقت میرے ساتھ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی مرسل نبی گنجائش نہیں رکھتا۔

اور ایک حدیث قدسی میں شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وارد ہوا ہے۔

یَا مُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوَاکَ خَلَقْتُ لِاَجْلِکَ فَقَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَمَا اَنَا وَمَا سِوَاکَ تَرَکْتُ لِاَجْلِکَ

"حدیث قدسی"

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اور تو، اور جو کچھ تیرے سوا ہے تیرے لئے پیدا کیا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی۔ اے اللہ تو ہی ہے اور میں نہیں ہوں۔ اور جو کچھ تیرے سوا ہے۔ میں نے سب تیرے لئے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا میں لوگ کیا پا سکتے ہیں۔ اور آپ کی عظمت و بزرگی کو اس جہان میں کیا پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ اس دار ابتلاء میں سچا اور جھوٹا باہم ملا ہوا ہے۔ (امتیاز نہیں ہوتا) اور حق باطل کے ساتھ مخلوط ہے۔ قیامت کے روز آپ کی عظمت و بزرگی معلوم ہوگی۔ جب آپ پیغمبروں کے امام بنیں گے۔ اور ان کے صاحب شفاعت ہوں گے۔ آدم اور آدم کی ساری اولاد سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا

جائز ہے۔ کہ اس خاص مقام میں کہ مقام رضا سے اوپر ہے۔ خادموں پس خوردہ کھانے والے) میں سے کسی خادم کو وراثت اور تبعیت کے طور پر جگہ دے دیں اور طفیلی کی حیثیت سے اس بارگاہ کا محرم کر دیں۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست[2]

یہ معنی غیر انبیاء کی انبیاء پر فضیلت کو مستلزم نہیں۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔ کیونکہ خادم کی مخدوم کے ہم پلہ لوگوں کے ساتھ مساوات کیسے ہو سکتی ہے۔ اور تابع کی متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت۔ اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور تابع طفیلی زیادہ سے زیادہ فضیلت جزئی تک نوبت پہنچتی ہے

---

[1] تاریخ الخمیس، للعلامہ البکری۔

[2] کریم لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔

اور اُس میں کوئی استعمالہ نہیں۔ کیونکہ ہر بافندہ اور حجام اپنے پیشے اور حرفت کے لحاظ سے صاحب ہنر دانشمند پر فضیلت رکھتا ہے۔ لیکن اس فضیلت کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہمارا کلام اشارات در موز اور بشارت و خبر نہیں۔ اکثر لوگوں کے لئے ان اشارات وغیرہ سے کچھ حصہ نہیں۔ مگر یہ کہ حُسنِ ظن سے ان کی تصدیق کریں۔ تو ان کی یہ تصدیق ایسے ثمرات ان کے سامنے رکھ دے۔ جو انھیں نفع دیں۔ واللہ سبحانہٗ الموفق

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی جَمِيْعِ
اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ
مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ؕ

مکتوب نمبر ۸

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا

اخص خواص، عوام اور متوسط لوگوں کے ایمان بالغیب میں فرق کے بیان میں ——

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی

لہ از ہر چہ بے رود سخن دوست خوشتر است،

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ — جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے دریافت کریں تو میں قریب ہوں

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ — نہیں ہوتی تین افراد کی سرگوشی مگر چوتھا ان کا خدا ہوتا ہے اور نہ پانچ افراد کی سرگوشی مگر چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے کم اور زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں

لہ دوست کی بات جس طرف سے جاری ہو اچھی لگتی ہے لہ سورۃ البقرہ پارہ دوم لہ سورۃ مجادلہ پارہ قد سمع اللہ

اس بلند ذات کی معیت اور اس کا قرب اس سبحانہ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے۔ اس لئے کہ چوں کے لئے بے چون تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ لہذا قرب و معیت کا جو معنی بھی ہمارے عقل و فہم میں آئے یا ہمارے کشف و شہود سے معلوم ہو۔ وہ بلند ذات اس سے منزہ و مبرا ہے۔ کیونکہ یہ فرقہ مجسمہ میں قدم رکھنے والی بات ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بلند ذات ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ہم قرب و معیت کا معنی نہیں جانتے کہ کیا ہے

اس عالم دنیا میں کاملین کا بھی انتہائی حصہ اس بلند ہستی کی ذات و صفات کے ساتھ ایمان بالغیب ہے۔

دُور ہیناں بارگاہِ اُلست[1] بیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

اخص خواص کا ایمان بالغیب عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں۔ کیونکہ عوام نے سماع یا استدلال سے ایمان حاصل کیا ہوتا ہے۔ اور اخص خواص غیب الغیب کے جمال و جلال کے ظلال کے پردوں اور تجلیات و ظہورات کے پردوں کے اندر مطالعہ کرکے ایمان بالغیب حاصل کرتے ہیں۔ اور متوسط لوگ ظلال کو اصل گمان کرتے ہوئے اور تجلیات کو عین متجلیات جانتے ہوئے ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں۔ اور ان کے حق میں ایمان بالغیب شہودی کا حصہ ہے۔

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

تکلیف دینے کا ایک سبب یہ ہے۔ کہ مولانا عبدالغفور و مولانا حاجی محمد خاص دوستوں میں سے ہیں۔ ان دونوں پر آپ کی طرف سے جو احسان بھی ہوگا۔ وہ دراصل فقیر پر احسان ہوگا۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست[2]

والسلام

مکتوب نمبر ۹

ملا فرخ قندھار حقی کی طرف صادر فرمایا

---

[1] بارگاہِ اُلست کے دور بین اس سے زیادہ کچھ سراغ نہیں لگا سکے کہ وہ ہے۔

[2] ہر وہ چیز جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے، [2] کریم لوگوں پر کوئی کام دشوار نہیں،

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے فضائل اور مقام تنزیہہ کی تحقیق، اور اس امر کے
کے بیان میں کہ ایمان بالغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ معاملہ قربیت تک
پہنچ جائے۔ کیونکہ وہ معاملہ وہم و خیال سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مولانا محمد عارف ختنی کو چاہیئے کہ پہلے باطل آلہوں کی نفی کرتے ہوئے معبود بحق جل سلطانہٗ کا اثبات کرے۔ اور جو کچھ چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ اُسے لاکے نیچے لاکر خدائے بے چوں جل شانہٗ پر ایمان لائے۔

غیر کی نفی اور حق تعالیٰ کے اثبات میں کامل اور جامع ترین عبارت کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، کہ سب سے افضل ذکر کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے اللہ سبحانہٗ کی طرف نقل کرتے ہوئے فرمایا۔

لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَھُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وَضِعْنَ فِیْ کَفَّۃٍ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ کَفَّۃٍ لَمَالَتْ بِھِنَّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا ان کو آباد کرنے والی ہر چیز اور ساتوں زمین ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوسرے پلڑے میں، تو کلمہ طیبہ والا پلڑا بھاری ہو جائیگا

کلمہ طیبہ کا پلڑا کیوں افضل اور راجح نہ ہو۔ جب کہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوا کی نفی کرتا ہے۔ چاہے آسمانوں یا زمین، عرش ہو یا کرسی، لوح ہو یا قلم، عالم ہو یا آدم اور دوسرا کلمہ معبود بحق جل برہانہٗ کو ثابت کرتا ہے۔ کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ اور حق جل و علا کے ماسوا آفاق و انفس میں سے جو کچھ ہے۔ سب کا سب چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ پس جو کچھ بھی آفاق و انفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہوگا۔ بطریق اولیٰ چونی و چندی سے داغدار ہوگا۔ جو نفی کرنے کے لائق ہے۔ لہٰذا ہمارا معلوم، موہوم، اور ہمارا مشہود و محسوس سب چونی اور چگونی کے ساتھ موصوف اور حدوث و امکان کے عیب کے ساتھ معیوب ہے۔ کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا تراشا ہوا اور ہمارا کسب کیا ہوا ہے۔ وہ تنزیہہ جس کے ساتھ ہمارا علم تعلق رکھتا ہے۔ عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے اندازہ فہم میں آتا ہے عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر متجلی اور مکشوف و مشہود ہوتا ہے۔ سب غیر حق سبحانہٗ ہے۔ اور وہ

لہ شرح سنۃ

بلند ذات وراءُ الوراء ہے۔ حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ[1]

کیا ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جنہیں تم نے خود تراشا ہے اور اللہ نے تمہیں بھی اور تمہارے اعمال بھی پیدا کیا ہے

ہمارا تراشا ہوا خواہ ہم نے اُسے ہاتھ سے تراشا ہو یا عقل و وہم سے سب حق سبحانہٗ کا مخلوق ہے۔ اور الٰہی حادث ہیں۔ عبادت کے لائق وہ خدائے تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے۔ جس کے دامن ادراک سے ہمارے عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے۔ اور چار سے کشف اور شہود کی آنکھ اس سبحانہٗ کی عظمت و جلال کے مشاہدہ سے شرمندہ و بدحال ہے۔ لہٰذا اس طرح کے خدائے بے چون و بے چگون جل شانہٗ کے ساتھ ایمان میسر نہیں آسکتا مگر بطریق غیب کیونکہ شہودی ایمان اس بلند ذات کے ساتھ ایمان نہیں۔ بلکہ اپنی تراشی ہوئی چیز کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ جو اس کی بلند ذات کی مخلوقات سے بلکہ اس کے غیر کے ساتھ ایمان کو اس کے ساتھ ایمان میں شریک کرنا ہے بلکہ سراسر غیر پر ایمان ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اس سے بچائے۔

ایمان بالغیب اس وقت میسر آتا ہے۔ جب کہ تیز رفتار وہم کے لئے وہاں گھومنے کی گنجائش نہ رہے اور اس کی کوئی چیز بھی قوت خیالیہ میں منقش نہ ہو۔ اور یہ معنی اس کی اقربیت میں متحقق ہوتا ہے۔ جو دائرہ وہم و خیال سے باہر ہے۔ کیونکہ شے جس قدر دور ہوگی۔ وہم کی گردش وہاں زیادہ ہوگی۔ اور سلطنت خیال میں بہت جلد داخل ہوگی۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ایمان بالغیب ان بزرگوں علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے۔ اور تبعیت و وراثت کے طور پر ان کے علاوہ جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمادیں۔

اور وہ ایمان بالغیب جو عام مومنوں کو حاصل ہے۔ دائرہ وہم سے خارج ہے۔ کیونکہ وراءُ الوراء عوام کے نزدیک بہت دور ہے۔ جو وہم کی جولانگاہ ہے۔ اور ان بزرگوں علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے نزدیک وراءُ الوراء جانب قرب میں ہے کہ وہم کی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے اور بندہ مومن دنیا کی زندگی میں موجود ہے۔ ایمان بالغیب سے چھٹکارا نہیں۔ کیونکہ ایمان شہودی یہاں پر غیر معقول ہے۔ اور جب آخرت کی زندگی پر تو انداز ہوگی اور وہم و خیال کی تیزی کو توڑ دے گی۔ تو ایمان شہودی مقبول ہو جائیگا۔ اور بنانے اور تراشنے کے نقص سے مبرا ہو جائیگا۔

---

[1] سورۃ والصافات۔ پارہ ۲۳ ع ۴

میرا گمان ہے ۔ کہ جب محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم دنیا میں رویت خداوندی سے مشرف ہوئے ۔ اگر ایمان شہودی آپ کے حق میں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات یہاں ثابت کریں تو اچھی بات ہے ۔ اور یہ بانے اور تراشنے کے نقص سے آزاد ہے ۔ کیونکہ جس چیز کا دوسروں کے لئے کل قیامت کو ملنے کا وعدہ ہے ۔ آپ کے لئے وہ سب کچھ یہیں دنیا میں حاصل ہے ۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

جاننا چاہیئے ۔ کہ کلمہ نفی کو حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکمل کر دیا ۔ اور شرک کے دروازوں سے کوئی دروازہ ایسا نہ چھوڑا جس کو آپ نے بند نہ کیا ہو ۔ اس لئے آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام قرار پائے ۔ اور ان کے پیش رو ہوئے ۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات ۔ کیونکہ اس دنیا میں نہایت کمال اس نفی کے پورا کرنے کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اس لئے کہ کلمہ طیبہ کی جزو اثبات کے کمالات آخرت کی زندگی پر موقوف ہیں ۔

غایت مافی الباب اتنی بات ہے ۔ کہ جب خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اسی دنیا میں حق تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوئے ۔ تو کلمہ طیبہ کی جزو اثبات سے بھی اسی دنیا میں آپ نے وافر حصہ پالیا ۔ کہا جاسکتا ہے ۔ کہ کلمہ اثبات اس جہان کے اندازے کے مطابق آپ کی تشریف آوری سے مکمل ہوگیا ۔ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ۔ ہوسکتا ہے کہ اسی معنی کی خاطر پر تجلی ذات آپ کے حق میں اسی دنیا میں ثابت کرتے ہیں ۔ اور دوسروں کے لئے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَالتَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ۝

مکتوب نمبر ۱۰

حضرت مجدد قدس سرہ نے برادر حقیقی حقائق آگاہ میاں محمد مودود کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ ظہور عرشی کے علاوہ کوئی ظہور بھی شائبہ نقطیت سے خالی نہیں ۔ اور جب قلب اپنی نہایت کو پہنچتا ہے تو عرش کے انوار سے کچھ روشنی اخذ کرتا ہے اور اسکے مناسب ہو کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے۔ عارف کے دل کے ایک کونے میں رکھ دیں۔ تو بھی عارف کو دل کی فراخی کے باعث اس کا کچھ احساس نہ ہوگا۔ شیخ جنید اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ اور اُسے دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ حادث جب قدیم سے مل جاتا ہے۔ اور اس کا کچھ اثر نہیں رہتا۔ یعنی عرش اور جو کچھ اس میں ہے۔ سب حادث ہے۔ عارف کا دل جو انوارِ قدم کے ظہور کا محل ہے۔ جب اس حادث کا اس دل کے ساتھ اتصال واقع ہوتا ہے۔ تو وہ حادث مضمحل و فانی ہو جاتا ہے۔ تو محسوس کیسے ہو۔

اکابر صوفیہ پر چاہے۔ وہ سلطان العارفین اور سید الطائفہ ہی ہوں۔ ہزار بار تعجب ہے۔ کہ جب یہ اس طرح کہتے ہیں۔ اور عرشِ مجید کو قلبِ عارف کے سامنے کچھ حیثیت نہیں دیتے۔ اور عرش کو انوارِ قدم کے ظہورات سے خالی جانتے ہوئے حادث کہتے ہیں۔ اور قلب کو انوارِ قدم کے ظہور کے واسطے سے قدیم کا نام دیتے ہیں۔ تو دوسروں کے متعلق کیا کہے اور کیا لکھے۔

اس فقیر کے نزدیک جو جذباتِ الٰہی جل سلطانہٗ کا پروردہ ہے۔ یہ کہ قلبِ عارف جب اپنی استعدادِ خاص کے تقاضا سے نہایۃ النہایۃ کو پہنچتا ہے۔ اور کمال حاصل کرتا ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی کمال متصور نہیں ہو سکتا تو اس کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ کہ انوارِ عرشی کے بے نہایت انوار میں سے کسی نور کا ظہور اس پر فائض ہو۔ اور یہ نور ان انوار کی نسبت قطرہ ہے۔ دریائے محیط کے مقابلے میں بلکہ اس سے بھی کم۔ عرش وہ ہے۔ جس کو حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ عظیم فرماتا ہے۔ اور استوا کے راز کو اس جگہ ثابت فرماتا ہے عارف کے دل کو جامعیت کی وجہ سے تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہہ دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح عرشِ مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان واسطہ اور خلق اور امر کے دونوں طرف کا جامع ہے۔ اسی طرح عالم صغیر میں قلب بھی عالم خلق اور عالم امر میں برزخ اور واسطہ ہے۔ اور عالم صغیر کی دونوں طرفوں خلق اور امر کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی بر سبیلِ تشبیہ عرش کہا جا سکتا ہے۔ سُنو اور پھر سُنو! انوارِ قدم کے ظہور کی وہ قابلیت جو شائبہ خلقیت سے منزہ و مبرا ہے۔ عرشِ مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی چیز بھی عالم خلق اور عالم امر اور عالم کبیر اور عالم صغیر میں سے اس کی قابلیت نہیں رکھتی۔ ایسے ظہور کی قابلیت صرف عرش میں ہے۔

اور عارف کامل کا قلب جامعیت اور برزخیت کے علاقہ کے واسطے سے ان انوار سے کچھ نہ کچھ روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور سمندر سے ایک چلو اُٹھا لیتا ہے۔ عرش اور عارف تام المعرفت کے سوا جہاں بھی ظہور ہے۔

داغ ظلیت سے داغدار ہے۔ اور اصل سے اس نے کوئی بو نہیں پائی۔ بایزید شکر کی وجہ سے اگر ایسا ہے۔ تو اس کے لئے گنجائش ہے۔ لیکن جنید سے جو صحو کا مدعی ہے۔ یہ بات زیب نہیں دیتی۔ یہ حضرات کیا کریں۔ کیونکہ حقیقت معاملہ سے آگاہ نہیں ہیں۔ اور دریائے ظلیت کے گرداب سے ساحل کی طرف نہیں آسکے۔ یہ بات اگرچہ آج اکثر لوگوں کی نگاہ میں بعید دکھائی دیتی ہے۔ لیکن آج کے لئے کل کا دن نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں۔ اللہ کا حکم آرہا ہے۔ تو جلدی نہ کرو۔ وہ سبحانہ و تعالیٰ پاک ہے۔ ان سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّالِحِيْنَ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَجْمَعِيْنَ ۔

مکتوب نمبر ۱۱

حقائق و معارف آگاہ، مظہر فیض الٰہی، مخدوم زادہ، بہاء الدین، خواجہ محمد معصوم سرہندی کی طرف صادر فرمایا

فوق عرش ظہور کے بعض خصائص کے بیان میں۔ اور آیہ کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، الی آخرہ کے معنی تاویلی اور انسان کے بعض خاص کمالات اور جزو ارضی کے فضائل اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِيِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْكِرَامِ

عالم کبیر وسعت اور تفصیل کے باوجود چونکہ بیئت وحدانی نہیں رکھتا۔ اس لئے بسیط حقیقی کے ظہور کی جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی اور تفصیل اور شیون و صفات سے معرا ہے، قابلیت نہیں رکھتا۔

عالم کبیر کی اجزاء میں سے سب سے اعلیٰ حضرت رحمان کا عرش ہے۔ جو ذات جامع الصفات جل سلطانہ کے انوار کا محل ہے۔ اور عرش کے ماسوا عالم کبیر میں جس قدر بھی ظہورات ہیں۔ شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہیں۔ اس لئے رب العلمین نے عالم کبیر کے اجزاء میں سے راز استوا کیلئے عرش مجید کو مخصوص فرمایا۔ جو عالم کبیر کے اجزاء میں سے افضل جزء ہے۔ اس لئے کہ ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور فی الحقیقت اس بلند ذات کا ظہور نہیں ہے۔ تاکہ اسے عبارت استوا سے

تعبیر کیا جائے۔ نیز جو ظہور عرش مجید میں ہے۔ اس کو پوشیدگی لاحق نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ دائمی ہے اگرچہ آسمانوں اور زمین کا نور وہی حق تعالیٰ ہے۔ لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے۔ ظلیت کے واسطہ کے بغیر ظہور نہیں فرمایا ہے۔ اور یہ سب حاصل کردہ ظہورات ظہور عرشی کے انوار ہیں۔ جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں چھپ کر ظہور فرمایا ہے۔ جس طرح دریائے محیط سے برتنوں کے ذریعے پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ اور جس طرح بڑی مشعل سے چھوٹے چھوٹے چراغ جلاتے ہیں۔ اور ان چھوٹے چھوٹے چراغوں سے اطراف واکناف کو روشن کرتے ہیں۔ شاہد کہ آیۃ کریمہ:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ	اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کا حال ایک طاق کی طرح ہے۔ جس میں ایک چراغ ہو۔ چراغ شیشہ میں ہو۔ شیشہ گویا ایک چمکنے والا ستارہ ہے۔ جو بابرکت درخت سے روشن کیا گیا۔ جس کو زیتون کہتے ہیں۔ وہ نہ جانب مشرق میں اور نہ جانب مغرب میں۔ قریب ہے اس کا تیل روشنی دے اگرچہ اس تک آگ نہ پہنچی ہو۔ روشنی پر روشنی

سورۃ النور پارہ ۱۸

میں انہیں معارف کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ آیت مذکورہ میں تمثیل اس بناء پر اختیار کی گئی تاکہ آسمانوں اور زمین میں اس نور کے ظہور کو بے واسطہ نہ سمجھ لیں اور ظل کو اصل کے ساتھ مشتبہ نہ کریں۔ اور نور ظل کو نور اصل سے لیا ہوا اور روشن کیا ہوا جانیں۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ	اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے۔ اور ہم اپنے مکاشفے کے مطابق اس کی تاویل کرتے ہیں۔ تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی مدد اور اس کے حسن توفیق سے کہتے ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

نور اسے کہتے ہیں۔ جس سے اشیاء روشن ہوں۔ تمام آسمان اور زمین اسی بلند ذات کے ساتھ روشن ہیں کیونکہ اس سبحانہٗ نے ان کو عدم کی تاریکیوں سے باہر نکالا ہے۔ اور وجود اور توابع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف

کرکے منور کیا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو کردہ جس نور سے روشن ہوئے ہیں۔ ایک بڑے طاق کی طرح تصور کرنا چاہیئے۔ اور اس نور کو چراغ کی طرح جاننا چاہیئے۔ جو اس طاق میں بطور امانت رکھا گیا۔ اور مشکوٰۃ پر کانچ تمثیل کا داخل ہونا اس بناء پر ہے۔ کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے۔ اور شیشے سے اسماء اور صفات کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نور اسماء و صفات سے ملا ہوا ہے۔ شیون و اعتبارات سے معرا نہیں ہے۔ اور صفات عز سلطانہا کا شیشہ حسن وجوب اور جمال قدم کے ساتھ ایک درخشاں ستارے کی طرح ہے۔ اور چراغ جو اس طاق میں رکھا ہوا ہے۔ وہ زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے۔ اور یہ جامع ظہور عرشی سے کنایہ ہے۔ کہ استواء اس ظہور سے رمز و اشارہ ہے۔ اس لئے کہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ظہور جامع کے لئے اجزاء کی مانند ہیں۔ اور جب وہ ظہور جامع لامکانی اور بے جہت ہے۔ انہیں لاشرقیہ اور لاغربیہ کہا جاسکتا ہے۔ اور یکاد زیتھا یضیئ ولو لم تمسسہ نار اس شجرہ مبارکہ کی صفت مادحہ ہے۔ اور اس درخت مشبہ بہ کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے۔ نور علی نور یعنی شیشے کا پردہ صفائی اور درخشندگی کی جہت سے نور میں اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ صفات کے کمالات ذات تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں۔ اور صفات کا حسن ذات تعالیٰ کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے۔ کئی گنا زیادہ نور اور کمال ظہور کے باوجود یہدی اللہ لنورہ من یشاء اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اں — ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور جسے اللہ روشنی عطا نہ کرے اس کے لئے کچھ روشنی اور نور نہیں۔

یہ جامع ظہور جو عرش سے متعلق ہے۔ تمام مشاہدات، معانیات اور مکاشفات کا منتہی ہے اور تجلی ذات اور تجلی صفات، غرض ہر طرح کی تجلیات و ظہورات کی نہایت ہے۔ اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ قرار پذیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا حصہ فقیر انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریگا۔ اور جامع ظہور اگرچہ ذات کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لیکن صفات اس مقام میں ذات کیلئے حجاب نہیں ہیں۔ صفات کا ذات تعالیٰ و تقدس کیلئے حجاب بننا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں۔ اور اصل کا ظہور مقام عین میں ہے۔ اور صفات درجہ علم میں حجاب ہیں نہ درجہ ذات میں تم نہیں دیکھتے کہ زید کا مرتبہ علم میں جب تعقل و تصور کرتے ہو تو علم میں اس کا ظہور صفات کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً یہ کہ وہ دراز قد ہے یا کوتاہ قامت ہے۔ عالم ہے یا جاہل ہے چھوٹا ہے یا بڑا ہے۔ شاعر ہے یا نثر نگار ہے۔ یہ تمام صفات جن کا تم تعقل و تصور کرو گے۔ زید کی ذات کا حجاب بنیں گی۔ اور یہ تمام تقییدات کلیہ

اس کے تشخص کا فائدہ نہیں دیں گی۔ اور وہی زید جب علم سے عین کی طرف سامان باندھتا ہے اور صفات کے باوجود مشہود ہوتا ہے۔ اور معاملہ ظلیت سے اصالت میں قرار پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ زید کی صورت علمی خارج میں موجود زید کا ظل ہے جو اس کا اصل ہے۔ یہاں اس کی صفات اس کی ذات کے لئے حجاب نہیں بنیں گی۔ اور محسوس ایک جامع الصفات شخص ہوگا۔ اور اسی طرح صفات کی حضرت ذات تعالےٰ و تقدس سے مفارقت مراتب ظلال اور مثال کی تصویروں میں ہے۔ اور جب اصل کے ساتھ وصول میسر آگیا۔ تو صفات ذات تعالےٰ سے جدا نہیں ہوں گی اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے جدا نہیں ہوگا۔ صفات کی تجلی کو ذات کی تجلی سے جو الگ کہا گیا ہے۔ اور تجلی افعال کو جو علیحدہ خیال کیا گیا ہے۔ سب مقامات ظلال میں ہے۔ اصل کے ساتھ وصول کے بعد صرف ایک تجلی ہے۔ جو تینوں تجلیوں کو شامل ہے۔ مثلاً زید کو جب کوئی دیکھے تو اس ذات کا شہود اس کی صفات سے الگ نہیں ہے۔ بلکہ اسی وقت جب کہ دیکھنے والا زید کو دیکھتا ہے عین اسی وقت اُسے عالم اور فاضل بھی پاتا ہے۔ علم و فضل جس طرح اس کے دیدار کے لئے حجاب نہیں ہیں۔ ہاں اگر زید کا تصور کریں۔ اور ظلی صورتوں کے ساتھ اس کا ادراک کریں۔ تو صفات کو ذات سے الگ پائیں گے اور صفات اس کی ذات کیلئے حجاب بنیں گی جیسا کہ پیچھے گزرا۔

تم نہیں دیکھتے کہ آخرت میں ذات جامع الصفات تعالیٰ و تقدس کا دیدار ہوگا۔ نہ کہ اسماء اور صفات سے خالی ذات کا۔ جو محض اعتبار ہے۔ اس لئے کہ ذات صفات سے ہرگز خالی نہیں ہو سکتی۔ اور صفات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتیں۔ تجرد اس اعتبار سے کہتے ہیں۔ کہ عارف کامل پر جب ذات تعالیٰ و تقدس کی گرفتاری غالب آتی ہے۔ تو اسماء و صفات کا ملاحظہ اس کی نظر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور احدیت تعالیٰ کے سوا اُسے کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ لہٰذا ذات تعالیٰ و تقدس کا صفات سے خالی ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہوا۔ نہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کی تحقیق آئے گی۔

اور نیز یہ جامع ظہور مثالی تصویروں کا منتہیٰ ہے۔ جو کمال ظہور عرشی کے بعد سامنے آتا ہے۔ وہ تصویر کی مثال کے آئینے میں نہیں پایا جا سکتا۔ کیونکہ مثال میں ایک چیز کو ایسی تصویر میں سامنے لاتے ہیں۔ جو خارج کے ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھتی ہو۔ اگرچہ وہ اسم میں ہی مشابہت ہو۔ اور وہ چیز جو کسی چیز کے ساتھ کسی طریقے سے بھی خارج میں مشابہت نہ رکھتی ہو۔ اس کی تصویر مثال میں محال ہے۔ اور ظہور عرشی سے اوپر کے کمالات اسی قبیل سے ہیں۔ کہ کوئی چیز بھی کسی طریقہ سے ان کے مشابہ نہیں

ہے۔ تاکہ مثال میں اس کی تصویر سامنے لائی سکے۔

یہیں سے ہے یہ بات کہ اس مقام میں ہمہ وقت جہالت دامن گیر رہتی ہے۔ اور ادراک کا نشانہ عدم ادراک ہوتا ہے۔ اس دنیا میں اگرچہ اس مقام سے علم یافت کے جہل سے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہے۔ لیکن امید ہے۔ کہ آخرت میں ایسی قوت اور ایسا دل دیں گے۔ جو نور کے پرتو اور غلبہ سے لاشے نہیں ہوگا۔ اور حقیقت معاملہ سے آگاہ ہو جائیگا۔

تو مرا دل دہ و دلبری بین رو بہ خویش خواں و شیری بین[1]

آگاہ ہو کہ عرش کے اوپر کا ظہور اس وہم میں مبتلا نہ کرے۔ کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ عرش سے اوپر قرار پذیر ہے۔ اور مقام اور جہت اس کے لئے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اور ہر ایسی شے سے جو اس کی جناب قدس تعالیٰ کے لائق نہیں۔ پاک اور منزہ ہے۔ زید کی صورت کا شیشے میں ظہور شیشے میں قرار پذیر ہونے کو مستلزم نہیں۔ اگرچہ بے عقل لوگ وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اللہ ہی کے لئے بلند صفت ہے۔

صاحب ایمان لوگ آخرت میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے۔ حالانکہ بہشت اور غیر بہشت حضرت حق سبحانہٗ کی نسبت برابر ہے۔ اور اس بلند ذات کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی جو کوہ طور پر پڑی تھی۔ حالیت اور محلیت کا شائبہ تک نہیں رکھتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے۔ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں۔ اور بعض دوسری جگہوں کے لئے یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ صورتوں کے ظہور کی قابلیت شیشہ رکھتا ہے۔ گھوڑوں کے نعل اسکی قابلیت نہیں رکھتے۔ حالانکہ دونوں لوہے سے بنے ہیں۔ پس فرق مظہر میں ہے۔ ظاہر میں نہیں۔ اور ظاہر کی نسبت سب مظاہر برابر ہیں۔ قابل ہوں یا ناقابل۔ اور اسی طرح وہ الفاظ جو کلیت اور جزئیت کا وہم ڈالتے ہیں۔ یا حالیت اور محلیت ان سے سمجھ آتی ہے۔ ظاہر سے پھیرے ہوئے ہیں۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کے لائق نہیں ہیں۔ تنگی عبارت کی وجہ سے یہ الفاظ اختیار کئے گئے ہیں[2]

ایں قاعدہ یاد دار کآنجا کہ خدا است نے جزو نہ کل و نہ ظرف نے مظروف است

---

[1] تو مجھے دل عطا کر۔ پھر میری دلبری دیکھ۔ اور مجھے اپنی طرف بلا کر پھر میرا شیر ہونا دیکھ

[2] یہ قاعدہ یاد رکھ کہ جہاں خدا ہے۔ وہاں نہ جزو ہے نہ کل۔ اور نہ برتن ہے اور نہ برتن میں پڑنے والی چیز۔

اور جب انسان کا دل عالمِ صغیر کا عرش ہے۔ اور عالمِ کبیر کے عرش کے مشابہ ہے۔ تو وہ تجلّی جو وہاں ہے۔ نورِ ظلیت کے شائبے کے بغیر ہے۔ اسی طرح کی تجلّی ظلیت کے شائبہ کے بغیر دل کا بھی حصّہ ہے۔ اگرچہ آسمانوں اور زمین میں بھی وہی تجلّی پہنچتی ہے۔ لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں ہے۔ مگر دل جو عرش کی طرح ہے۔ شائبہ ظلیت سے مبرّا ہے۔ اگرچہ چھوٹے اور بڑے ظہور کے اعتبار سے فرق ہے۔

بقدر آئینہ حسن تو مینماید رُو[1]

پس عرش مجید کے بعد ظلیت کے شائبہ کے بغیر تجلّی کامل انسانوں کے دل کا حصّہ ہے اور دوسروں کو ظلیت دامن گیر ہے۔

جاننا چاہیے۔ کہ ظہورِ عرشی اگرچہ شائبہ ظلیت سے مبرّا ہے۔ لیکن وہاں صفات ذات تعالیٰ تقدّس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور شیون اور اعتبارات اس بلند ذات میں ثابت ہیں۔ اگرچہ اس مرتبہ میں صفات اور شیونات ذات کے لئے حجاب نہیں ہیں۔ لیکن دید و دانش میں شریک ہیں۔ اور محبت و گرفتاری میں بھی شریک ہیں۔ احدیت مجرّدہ تعالت و تقدّست کے گرفتارانِ محبت کسی امر کی شرکت سے راضی نہیں ہیں۔ اور مطابق آیۂ کریمہ

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط — سُن لو! کہ دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے

دین خالص کے خواہاں ہیں۔

صفات کی عدمِ شرکت درجات کے فرق کے مطابق انسان کی ہیئت وحدانی کا حصّہ ہے۔ اور ہیئت وحدانی کا حصّہ انسان کا دل ہے۔ اور جزو ارضی کا حصّہ انسان ہے۔ اور ان سب سے اوپر انسان کی وہ ہیئت وحدانی ہے۔ جو اس کی جزو ارضی کی صورت میں سامنے آئی ہے اور اس کا رنگ پکڑا ہے۔ مختصر یہ کہ اس معاملہ کا عمدہ حصّہ جزو ارضی ہے۔ دوسرے امور تحسینات زائدہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں۔ جو عرش میں اور عالمِ کبیر کے لئے بھی ان دو چیزوں سے کوئی حصّہ نہیں۔ انسان میں ایک تو جزو ارضی ہے۔ جو عرش میں نہیں ہے۔ اور ایک ہیئت وحدانی ہے۔ جو عالمِ کبیر میں نہیں ہے۔ اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے۔ انوارِ علیٰ نور ہے۔ جو عالمِ اصغر (قلب) کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک اعجوبہ ہے۔ جس

---

[1] بقدر آئینہ تیرا حُسن دکھائی دیتا ہے۔

نے خلافت کی لیاقت پیدا کی ہے اور امانت کے بوجھ کو اٹھایا ہے۔

انسان کے نادر اور عجیب خصائص کے متعلق ہیں۔ کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے۔ کہ حضرتِ احدیت مجردہ کا آئینہ ہونے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ اور صفات و شیونات کے اقتران و اتصال کے بغیر ہی ذات احد تعالیٰ شانہٗ کا مظہر بن جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہر وقت اپنی صفات و شیونات کی جامع ہے۔ ذات تعالیٰ کے لئے کسی وقت بھی صفات و شیونات سے علیحدگی نہیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ انسان کامل جب ذات احدیت تعالیٰ و تقدس کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تو ذات احد جل سلطانہٗ کے ساتھ گرفتاری پیدا کر لیتا ہے۔ اور صفات و شیونات میں کچھ بھی اس کا ملحوظ، منظور، مقصود، اور مطلوب نہیں ہوتا۔ مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ "انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس سے اس کو محبت ہو" اس کے لئے حضرت احدیت مجردہ کیساتھ ایک مجہول الکیفیۃ اتصال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ گرفتاری جو اُسے ذاتِ احد جل سلطانہٗ کے ساتھ حاصل ہوئی تھی۔ ایک بے چون قرب کی نسبت بے چون ذات کے ساتھ اس میں ثابت کر دیتی ہے۔ اس وقت انسان کامل ذات احد کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ انسان کامل میں صفات و شیونات میں سے کوئی چیز بھی اس میں مشہود اور دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ اس میں احدیت مجردہ تعالت و تقدست ظاہر اور جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ "سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم"

وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی تھی۔ انسان کامل کے شیشہ میں تجرد کی حیثیت سے ظاہر اور جلوہ گر ہو گئی۔ اور حسنِ ذاتی، حسنِ صفاتی سے متمیز اور جدا ہو گیا۔ اس طرح کی آئینہ داری اور مظہریت انسان کامل کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس، صفات و شیونات کے بغیر انسان کے سوا کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوا۔

عرشِ مجید عالمِ کبیر میں حضرت ذات جامع الصفات تعالیٰ و تقدس کا مظہر ہے۔ اور انسان کامل عالمِ صغیر میں حضرت ذاتِ احد کا جو صرف اعتبارات سے ہے، مظہر ہے۔ یہ آئینہ داری انسان کے تجلیات میں سے ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ عطا کرنے والا ہے۔ جو وہ عطا کرے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو اللہ روک لے۔ اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّحِیَّاتُ الْعُلٰی ؕ

مکتوب نمبر ۱۲

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے برادر حقیقی معارف آگاہ میاں غلام محمدؒ کی

طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ فرشتہ اگرچہ اصل کو دیکھتا ہے۔ اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس دولت شہود کو انسان میں کالجزء کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُسے بقا بخشی گئی ہے۔ اور اس کے مناسب عبور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اصل کی طرف متوجہ اور اصل کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں۔ اور ظلیت کا شائبہ ان کے حق میں مفقود ہے۔ اس دنیا میں کم ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان بیچارہ دائرہ ظلیت سے باہر قدم رکھتا ہو۔ اور آفاق وانفس کے آئینوں کے بغیر شہود دائمی پیدا کرتا ہے۔ اصل کے ساتھ وصول کے بعد انوار اصل کے غلبہ کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے اسے عالم کی طرف واپس کر دیتے ہیں۔ اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس رجوع میں اس کی بھی تربیت ہے۔ اور دوسروں کی بھی۔ کیونکہ انوار اصل کا پرتو جو انسان میں جزء کی حیثیت رکھتا ہے۔ مدت رجوع میں دوسری اجزاء کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اپنے رنگ سے رنگین بنا لیتا ہے۔ جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال کی طرف لاتا ہے۔ اور غیب سے شہود کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور جب دعوت اور رجوع کی مدت مکمل ہو جاتی ہے۔ اور تحریر اپنی میعادِ معین کو پہنچ جاتی ہے۔ تو اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور رفیق اعلیٰ کی ندا اس کی طبیعت سے بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور پراگندہ تعلقات سے نجات حاصل کرتے ہوئے سامانِ غیب سے شہادت کی طرف اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اور معاملے کو گوش سے آغوش تک لے آتا ہے۔ اور "موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے" یہاں صادق آتا ہے۔۔

جاننا چاہیئے۔ کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن شہود کی اس دولت کو اس میں جزء کی طرح رکھا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ بقا بخشی گئی ہے اور اس کے ساتھ متحقق کیا گیا ہے۔ بخلاف فرشتہ کے کہ اس میں یہ دولت جزء کی طرح نہیں رکھی گئی۔

وہ باہر سے نظارہ کرتا ہے۔ اور اُسے اس کے ساتھ بقا اور تحقق حاصل نہیں ہوتا۔ اصل کے ساتھ رنگین ہونا جو انسان کو میسر ہوا ہے فرشتہ کو میسر نہیں۔ اور وہ اختصاص جو خاکیوں کو نصیب ہوا ہے۔ قدسیوں کو حاصل نہیں ہو سکا۔ اس لئے کہ اندر رہنے اور باہر رہنے میں بڑا فرق ہے۔ اگرچہ اندرونی دولت جزو کی طرح ہے۔ اور بیرونی کل کی طرح۔ لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر۔ ہمارا کلام اشارہ اور بشارت ہے۔ اس لئے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہیں۔ اور خواص ملک کے ہوتے ہوئے انہوں نے ہی خلافت کا استحقاق پیدا کیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

زمین زادہ بر آسمان تافتہ زمین و زمان را پس انداختہ[1]

انسان کو یہ دولت جزو ارضی کے واسطہ سے میسر ہوئی ہے۔ اور قلب جو عرش اللہ بنا ہے۔ اسی عنصر خاص کی وجہ سے بنا ہے۔ جو کل کا جامعہ اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ ہاں زمین نے پستی اور کمزوری کی وجہ سے ہی یہ سب بلندی اور رفعت پیدا کی ہے۔ اور عاجزی نے اس کے سر کو بلند کیا ہے۔ کیونکہ "جو اپنے آپ کو اللہ سبحانہ کے لئے نیچے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بلند کرتا ہے"۔

اور جب انسان کامل دعوت اور رجوع کی مدت کے مکمل ہونے کے بعد اور اصل کے رنگ سے رنگین ہونے کے بعد اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور جناب قدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اُسے ایک رابطہ اور انبساط میسر آتا ہے۔ یقین ہے کہ دوسرے کو میسر نہیں آسکتا۔ اور جو قرب و مرتبہ اُسے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اصل میں فانی ہو چکا ہے۔ اور اصل کے ساتھ بقا پیدا کر لی ہے اور اصل کے رنگ کے ساتھ رنگین ہو گیا ہے۔ دوسرے کو کیا مجال کہ اس کے ساتھ برابر ہو سکے۔ اسلئے کہ دوسروں کا رنگین ہونا تجرد و تنزہ کے اعتبار سے اگرچہ اکمل اور اتم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ باہر سے آیا ہے اس لئے عارضی شے کا حکم رکھتا ہے۔ اور انسان کا رنگین ہونا چونکہ اندر سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ذاتی کا حکم رکھتا ہے۔ اور دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہ کمال انبیاء و صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ کہ خواص بشر سے یہی حضرات مراد ہیں۔ اور وراثت و تبعیت کے طور پر جس کو چاہیں۔ اس دولت عظمیٰ کے ساتھ مشرف فرمادیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰت التحیات کے اصحاب میں یہ دولت ان کی صحبت کی برکت سے پائی جاتی تھی۔ اور غیر اصحاب کرام میں سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں

---

[1] زمین سے پیدا شدہ انسان آسمان پر چلا گیا۔ زمین و زمان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے۔

اگرچہ تھوڑے بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

اگر بادشاہ[1] بر در پیر زن ، بیاید تو اے خواجہ سُبلت مکن

اے پروردگار بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات اکملہا واتمہا، ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما۔ اور ہمیں بخش دے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر ۱۳

مرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا

اس کے خط کے جواب میں۔ اور اس بیان میں کہ علمائے ظواہر کا حصہ کیا چیز ہے اور بلند گروہ صوفیہ کا حصہ کیا۔ اور علمائے راسخین کا جو انبیاء کے وارث ہیں۔ کیا حصہ ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات۔ فقیر کہتا ہے۔ کہ آپ کا صحیفہ شریف جو آپ نے از روئے کرم صادر فرمایا ہے۔ اخوی اعزی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا۔ اور خوش وقت کیا۔ اس میں درج تھا۔ کہ زمانہ ملاقات کے حاصل ہونے تک ان مکتوبات سے مشرف اور یاد فرمائیں۔ جو نصیحت کی باتوں پر مشتمل ہوں۔ میرے مخدوم و مکرم " اَلنَّصِیْحَۃُ ہِیَ الدِّیْنُ وَمُتَابَعَتُہٗ " سید المرسلین علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا۔ یعنی نصیحت یہی ہے کہ دین پر چلو اور حضور سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی اختیار کرو۔

تصحیح عقائد کے بعد دین و متابعت سے علمائے ظواہر کا حصہ شرائع و احکام کا علم اور اس علم کے تقاضا کے مطابق عمل ہے۔ بلند گروہ صوفیا جو کچھ علم رکھتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ احوال و مواجید اور علوم و معارف سے بھی حصہ پاتے ہیں۔ اور علمائے راسخین کا حصہ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں۔ علمائے ظواہر کے علم و عمل اور صوفیا کے احوال و مواجید کے علاوہ اسرار و دقائق بھی ہیں۔ جو متشابہات

---

[1] اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آئے تو اے خواجہ توجہ سے اپنی مونچھیں نہ اکھیڑ۔

قرآنی میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن کی طرف رمز و اشارہ ہو چکا۔ اور بر سبیل تاویل انہیں درج کیا جا چکا ہے پس یہ علمائے راسخین ہی متابعت میں کامل اور وراثت کے ساتھ موصوف ہیں۔ یہ حضرات تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دولت خاص میں شریک ہیں۔ اور بارگاہ کے محرم راز ہیں۔ اس لئے " عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ " یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں" کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں۔ تو تم پر علماً، عملاً، حالاً اور وجداً سید المرسلین اور حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین واہل الطاعۃ اجمعین الصلوات والتحیات کی متابعت ضروری ہے۔ تاکہ حصولِ وراثت کا وسیلہ بنے۔ جو درجات سعادت کی انتہا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۴

مولانا احمد برکی، کی طرف صادر فرمایا

ان کے اس استفسار میں۔ کہ صاحبِ منصب ولی اپنے منصب کا علم رکھتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا استفسار کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اس وقت تک نصیب نہیں ہوا۔ اور اپنے احوال کی عدم اطلاع کے متعلق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ کے دو خط یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ ہمارے مصائب پر ماتم پرسی کے متعلق آپ نے لکھا تھا۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" یاروں اور دوستوں کو فرمائیں کہ ستر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر فرزند مرحوم خواجہ محمد صادق اور اس کی ہمشیرہ مرحومہ اُمِّ کلثوم، کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کو بخشیں اور دوسرے ستر ہزار بار کا ثواب دوسرے کی روح کو بخشیں۔ دوستوں سے دُعا اور فاتحہ کی درخواست ہے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ مکتوبات میں درج ہے کہ صاحبِ منصب اپنے منصب کا علم رکھتا ہے میرے مخدوم، قطب الاقطاب صاحبِ علم ہوتا ہے۔ اور مختلف جگہوں کے قطب اس کے اجزاء کی طرح ہیں۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ بعض کو اپنے قطب مدار ہونے کا علم ہوتا ہے۔

اور بعض کو نہیں۔ آپ نے لکھا تھا۔ کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی۔ کیا کیا جائے آپ صحبت میں بہت کم رہے ہیں۔ اور اتنی دیر بھی نہیں ٹھہرے کہ تمہیں تمہارے بعض احوال کے حاصل ہونے کی اطلاع دی جاتی۔ میں اب ہندوستان میں بیٹھا ہوا تمہاری فنا اور بقا کو دیکھ رہا ہوں۔ اور یہ وہ کمال جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ میں تمہارے اندر اُن کا احساس کر رہا ہوں۔ اور تم اس معنی کا انکار کرتے ہو۔ درمیان میں بڑا فاصلہ حائل ہے۔ جب تک ظاہری ملاقات میسر نہ ہو۔ مخفی احوال پر مطلع کرنا دشوار ہے۔

مشائخ نے فنا اور بقا میں گفتگو کی ہے۔ جو سب رمز و اشارہ کے طور پر ہے۔ اپنے آپ کے متعلق کیا پا سکتا ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہر ایک کو احوال کا علم عطا نہیں فرماتا۔ بلکہ ایک شخص کو احوال کا علم و ادراک کے پیشوا بنا دیتا ہے۔ اور پھر ایک گروہ کو اس کے ساتھ وابستہ کر کے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتا ہے۔

خاص کند[1] بندہ مصلحت عام را

کاش کہ شیخ حسن کو چند روز اور نگاہ رکھ کر اس کے بعض احوال پر اطلاع کر کے تمہاری خدمت میں ہم بھیج سکتے۔ تمہارا آنا مشکل ہے۔ تمہارے سمجھ دار اور قابل دوستوں میں سے اگر کوئی آتا۔ اور چند روز یہاں ٹھہرتا اور بات بھی سمجھتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ تاکہ ضروری چیزیں اُسے بتا دی جاتیں۔ مقصود یہ ہے۔ کہ احوال حاصل ہوں۔ احوال پر اطلاع ایک دوسری چیز ہے۔ باقی بوقت ملاقات انشاء اللہ تعالیٰ والسلام

ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ علوم کے درس و تدریس سے اپنے آپ کو کبھی معاف نہ رکھنا۔ بلکہ تمہارا تمام وقت درس میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیئے۔ ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں۔ رات کی گھڑیاں ذکر و فکر کے لئے بہت ہیں۔ شیخ حسن کو بھی سبق دیتے رہیں۔ اور بیکار نہ چھوڑیں۔ اور جب کہ وہ علاقے علم سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں۔ تو وہاں علوم شرعیہ کو زندہ کریں۔ زیادہ بار بار کیا تاکید کروں۔

خواجہ دلیس کے مکشوفات کے اوراق موصول ہوئے۔ اکثر جگہیں نظر سے گزریں۔ یہ دراصل حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ہیں۔ اُمیدوار رہیں تاکہ یہ باتیں قوت سے فعل میں آجائیں

---

[1] مصلحت عام کی خاطر اللہ تعالیٰ ایک بندے کو چن لیتا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۵

قصبہ سامانہ کے سادات عظام، اور اس قصبہ کے باشندگان

اور نامور بزرگوں کے نام صادر فرمایا

اُس خطیب کی مذمت میں جس نے عید قربان میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر ترک کر دیا اور اس کے مناسب

اُمور کے بیان میں

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى "

بلدہ سامانہ کے سادات عظام اور وہاں کے باشندگان اور نامور بزرگوں کے باعزت خادموں کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے۔ کہ سننے میں آیا ہے۔ کہ اس شہر کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ترک کیا ہے۔ اور ان کے متبرک اسماء گرامی نہیں لئے۔ اور یہ بھی سننے میں آیا ہے۔ کہ جب کچھ لوگوں نے اس بارے میں اس سے دریافت کیا تو وہ بھول اور نسیان کا عذر کرنے کی بجائے سرکشی سے پیش آیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کیا ہو گیا اگر خلفاء راشدین کے نام مذکور نہیں ہوئے نیز یہ بھی سننے میں آیا ہے۔ کہ وہاں کے اکابر اور باشندگان نے اس بارے میں سستی کی ہے۔ اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی اور درشتی کے ساتھ پیش نہیں آئے۔

وائے[1] نہ یکبار کہ صد بار وائے

خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر پاک اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے۔ لیکن اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ مسعیٰہم کے شعائر میں سے ضرور ہے۔ ان کے ذکر مبارک کو قصداً اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کریگا۔ جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا۔ تاہم " مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ " (جس نے کسی قوم سے مشابہت پیدا کی وہ انھیں میں شمار ہوگا) کی وعید کا کیا جواب ہوگا اور تہمت کی جگہ سے کیسے خلاصی ملیگی۔ حالانکہ فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے " اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ " تہمت کی جگہ سے بچو۔ اور اگر یہ شخص حضرات شیخین کی تقدیم و تفضیل میں توقف کرتا ہے۔ تو اہل سنت کے طریقے کا تارک

---

[1] افسوس صد افسوس

ہے۔ اور حضرات ختنین (حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہم) کی محبت میں شک رکھتا ہے۔ تو بھی اہل حق سے خارج اور دُور ہے۔ اور بعید نہیں کہ اس بے حقیقت خلیے نے جو کشمیری ہونے کے ساتھ منسوب ہے۔ اس خبث و پلیدی کو کشمیر کے بدعتیوں، رافضیوں سے اخذ کیا ہو۔ اُسے سمجھانا چاہیئے کہ حضرات شیخین کی افضلیت اجماع صحابہ اور تابعین کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس اجماع کو اکابر آئمہ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ ان ائمہ میں سے ایک حضرت امام شافعی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

شیخ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ تَفْضِيلَ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ عَلَى بَقِيَّةِ الْأُمَّةِ قَطْعِيٌّ

بیشک ابوبکر پھر عمر کا باقی امت پر افضل ہونا قطعی ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

وَقَدْ تَوَاتَرَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي خِلَافَتِهِ وَكُرْسِيِّ مَمْلَكَتِهِ وَبَيْنَ الْجَمِّ الْغَفِيرِ مِنْ شِيعَتِهِ اَنَّ اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَفْضَلُ اُمَّةٍ ثُمَّ قَالَ وَرَوَاهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَيِّفٌ وَثَمَانُونَ نَفْسًا وَعَدَّ مِنْهُمْ جَمَاعَةً ثُمَّ قَالَ فَقَبَّحَ اللّٰهُ الرَّافِضَةَ مَا اَجْهَلَهُمْ ؕ

بیشک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت اور کرسی سلطنت میں اور بہت بڑے مجمع کے سامنے اور آپ کے ماننے والوں کے روبرو تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ بے شک حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام اُمت سے افضل ہیں اور اس بات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی سے کچھ اوپر افراد نے نقل کیا ہے۔ اور ان میں سے ایک جماعت کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رافضیوں کو ذلیل کرے۔ کتنے جاہل ہیں یہ لوگ

اور روایت کیا ہے امام بخاری نے جن کی کتاب اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہے۔ کہ نبی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہتر ابوبکر ہیں۔ پھر عمر۔ پھر ایک اور آدمی۔ تو ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا پھر آپ ہونگے۔ تو حضرت علی نے فرمایا۔ سوائے اس کے نہیں کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ اور تابعین سے اس قسم کی بہت اور مشہور روایات موجود ہیں۔ جن کا انکار نہیں

کریگا سگر جاہل یا ضدی۔

اور اس بے انصاف خطیب سے کہنا چاہیئے۔ کہ ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ کرام کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے۔ اور ان سے بُغض رکھنا اور انہیں تکلیف دینا ممنوع ہے۔ آپ کے دونوں داماد (حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اکابر صحابہ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے رشتہ داروں میں سے ہیں۔ اس لئے محبت اور دوستی کے بہت حقدار ہیں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى

آپ فرمادیں۔ میں نہیں مانگتا ہوں تم سے اس پر اُجرت مگر دوستی قریبیوں کے ساتھ

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِىْ اَصْحَابِىْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِىْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّىْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِىْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِىْ وَمَنْ اٰذَانِىْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ

ترمذی شریف

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو میرے بعد لعن وتشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔ تو جس نے ان سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی بناء پر ان سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی تو اس نے میرے ساتھ دشمنی کی بناء پر ان سے دشمنی کی۔ اور جس نے انہیں تکلیف دی بیشک اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اس قسم کا بدبُودار پھول ابتدا سے لیکر اسوقت معلوم نہیں۔ کہ ہندوستان میں کھلا ہو۔ قریب ہے کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو متہم کردے بلکہ ہندوستان پر سے اعتماد اُٹھ جائے۔ بادشاہ وقت (اللہ سبحانہٗ اُسے دشمنانِ اسلام پر فتح و نصرت عطا کرے) اہلسنت سے ہے۔ اور حنفی مذہب ہے۔ اس کے دور حکومت میں اس طرح کی بدعت کا مرتکب ہونا بڑی دلیری ہے۔ بلکہ فی الحقیقت بادشاہ کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اور اولی الامر کی اطاعت سے نکلنے والی بات ہے۔ اس کے باوجود تعجب ہے۔ کہ وہاں کے مخدومانِ عظام اس واقعہ میں اپنے آپ کو بے قصور خیال کرتے ہیں اور سُستی کرتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ط	کیوں نہیں روکتے ان کو رب والے اور عالم گناہ کی بات کرنے اور حرام کھانے سے۔ البتہ بہت ہی بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ط	یہ لوگ برائی کرنے والوں کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔ البتہ بہت ہی بُرا کام کرتے تھے

" سورۃ المائدہ پ ۶ "

اس قسم کے واقعات کے رونما ہونے کے باوجود غفلت برتنا بدعقیدہ لوگوں کو دلیر کرنے والی بات ہے۔ کہ دین میں رخنہ انداز ہونے کے مترادف ہے۔ یہ بات بھی سُستیوں میں شمار ہوتی ہے۔ کہ مہدی کی جماعت وہاں کھلے بندوں اہل حق کو اپنے باطل مسلک کی طرف دعوت دیتی اور تھوڑی مدت میں ایک دو افراد کو بھیڑیوں کی طرح ریوڑ سے اٹھا لیتے ہیں۔ زیادہ کیا تکلیف دے جبکہ یہ وحشت انگیز خبر سننے میں آئی۔ اور اس نے شورش پیدا کی اور میری رگِ فاروقی کو حرکت دی تو یہ کلمات لکھ دیئے۔ امید ہے کہ معذور قرار دیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ

مکتوب نمبر ۱۶

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا

اس کے استفسارات کے جواب میں اور برزخ صغریٰ کے عجائب و غرائب کے بیان میں

اور مرگِ طاعون اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى "

آپ کا صحیفہ شریف موصول ہوا۔ اس میں درج تھا کہ اس علاقہ میں دو بڑے زبردست حادثے رونما ہوئے ہیں۔ ایک طاعون کا حادثہ اور دوسرا قحط کا۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اور تم کو ان بلیات سے بچائے رکھے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ ان فتنوں کے باوجود دن رات عبادت و مراقبہ میں گزرتے ہیں۔ اور باطن معمور اور آباد ہے۔ اس حال پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے۔ جو سوالات آپ کے مکتوب میں درج تھے۔ ان کا جواب حسبِ ذیل ہے۔ سنتوں میں اکثر اوقات چار قل[1] کی تلاوت کرنی چاہیئے۔ اور مردوں کیلئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ دستار قدرِ مسنون سے زائد ہے۔ ہم قدرِ مسنون پر کفائت کرتے ہیں۔ اور ہم عہد نامہ[2] نہیں لکھتے۔ کیونکہ پلیدیوں کے ساتھ آلودہ ہونے کا احتمال ہے۔ اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں۔ اور علماءِ ماوراء النہر کا عمل بھی نہیں۔ اور مشائخ سے تبرک کے طور پر حاصل شدہ پیراہن کو اگر کفن میں قمیص کی جگہ استعمال میں لائیں تو اس کی گنجائش ہے شہدائے کرام کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی۔ کہ

"مجھے میرے ان دو کپڑوں میں ہی کفن دینا"

برزخ صغریٰ (قبر) جبکہ ایک جہت سے مقاماتِ دنیوی میں سے ہے۔ اس لئے ترقی کا احتمال رکھتی ہے۔ اور عالم قبر کے احوال اشخاص کے تفاوت سے آپس میں بڑا فرق رکھتے ہیں۔

اَلْاَنْبِیَاءُ یُصَلُّوْنَ فِی الْقُبُوْرِ ۔ انبیاءِ کرام قبور میں نماز ادا فرماتے ہیں

یہ حدیث آپ نے سنی ہوگی

اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام شبِ معراج جب حضرت کلیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے نزدیک سے گزرے تو دیکھا کہ آپ قبر میں نماز ادا فرما رہے ہیں۔ اور اسی لحظہ میں، جب آپ آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم کو وہاں پایا۔ اس جگہ کا معاملہ بڑے عجائب و غرائب رکھتا ہے:

ان ایام میں جب کہ میرے فرزند اعظم مرحوم کی وفات واقع ہونے کے باعث اس عالم قبر کی طرف توجہ اور نظر کرنے کا اتفاق زیادہ ہوتا ہے۔ اس بناء پر بہت سے اسرار غریبہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ کہ

---

[1] یعنی قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۱ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۲ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۳ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۴

[2] لیکن دُرِّ مختار میں ہے۔ اگر میت کی پیشانی یا اس کے عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے۔ تو امید ہے کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا۔

اگر ان کا تھوڑا سا حصہ بھی بیان کرے تو کئی فتنوں کا باعث بن جائے۔

اگرچہ عرش مجید جنت کی چھت ہے۔ تاہم قبر بھی جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اگرچہ عقل کوتاہ اندیش اس کا تصور کرنے سے عاجز ہے۔ وہ دوسری آنکھ ہے۔ جو ان عجائبات کا تماشا کرتی ہے۔ جس طرح کہ طرح کرکے۔ اگرچہ صرف ایمان بھی موجبِ نجات ہے۔ لیکن کلمہ طیبہ کی قبولیت اور بلندی عمل صالح کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور موت وبا سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ جس طرح کفار سے جنگ کے دن مورچے سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور جو شخص وبا کی زمین میں صبر کے ساتھ رہے۔ اور وہیں مرجائے۔ شہداء میں سے ہے۔ اور فتنہ قبر سے محفوظ ہے۔ اور اگر صبر کرے اور نہ مرے تو غازیوں میں سے ہے۔

اِنْ قَالَ لِی مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَةً وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَھْلًا وَّسَھْلًا[1]

چند روز سے بلغم اور کھانسی نے نڈھال کر رکھا ہے۔ جسمانی ضعف لاحق ہے۔ اس مجبوری کے تحت صرف جوابات پر ہی کفایت کی ہے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۷

مرزا صمام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

"اس بیان میں کہ اس عالم کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر زخم لگاتی ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ترقیات کا باعث اور مرہم ہیں۔ اور مرض طاعون کی فضیلت اور اس کے مناسب امور کے بیان میں"

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ فقیر رنج دینے کا باعث بن رہا ہے۔ کہ آپ کا مکتوب شریف جو آپ نے دربارہ ماتم پرسی ہمراہ شیخ مصطفےٰ ارسال کیا تھا۔ فقیر اس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ مصیبتیں بظاہر زخم ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بعنایت اللہ سبحانہٗ ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ نتائج و ثمرات جو اس دنیا میں ان پر مرتب ہوتے ہیں۔ ان ثمرات و نتائج

---

[1] جب اگر کہتا ہے کہ مرجا تو بخوشی مرجاتا ہوں اور داعی موت کا اَہْلًا وَسَہْلًا کہتے ہوئے استقبال کرتا ہوں۔

کا سوواں حصہ ہیں۔ جن کی حق تعالیٰ کی عنایات سے آخرت میں توقع اور امید ہے۔

پس فرزندوں کا ہونا عین رحمت ہے۔ ان کی زندگی میں منافع اور فوائد ہیں اور ان کی موت پر بھی نتائج و ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

امام اجل محی السنۃ حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ خلافت میں تین دفعہ طاعون پڑا۔ اور اس طاعون میں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تراسی لڑکے فوت ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے حق میں دعا برکت کی تھی۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چالیس لڑکے فوت ہو گئے۔ جب کہ حضرت خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں۔ تو ہم گناہ گار کس حساب اور شمار و قطار میں ہیں۔

حدیث میں وارد ہے۔ کہ پہلی امتوں کے لئے طاعون عذاب تھا۔ اور اس امت کیلئے شہادت کا ذریعہ ہے۔ بلاشبہ اس بلا میں بہت سے لوگ مرتے ہیں۔ بڑے حضور دل اور توجہ الی الآخرت کی حالت میں مرتے ہیں۔ خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ کوئی دوسرا بھی اس بلا والی جماعت سے لاحق ہو جائے۔ اور دنیا سے آخرت کی طرف سامان اُٹھالے جائے۔ یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے۔ لیکن باطن میں رحمت ہے۔

میاں شیخ طاہر نے نقل کیا تھا۔ کہ لاہور طاعون کے ایام میں ایک شخص دیکھا گیا۔ کہ جس کو ملائکہ کہتے ہیں۔ جو ان ایام میں نہیں مریگا۔ حسرت اور افسوس کرے گا۔ ہاں جب بھی ان طاعون سے فوت ہونے والوں کے حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدے میں آتے ہیں شاید شہدائے فی سبیل اللہ انھیں خصوصیات سے ممتاز ہوتے ہیں۔

میرے مخدوم! میرے فرزند عزیز خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کی وفات اعظم مصائب میں سے ہے۔ معلوم نہیں کہ کوئی شخص کس طرح کی مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہو۔ لیکن اس مصیبت میں جو صبر و شکر حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس قلب ضعیف کو عطا کیا گیا وہ بڑی نعمتوں اور اعظم انعامات میں سے ہے۔ یہ ناچیز حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزاء آخرت کیلئے تیار رکھے۔ اور دنیا میں اس کی کچھ بھی جزاء ظاہر نہ ہو۔ اگرچہ فقیر جانتا ہے۔ کہ یہ سوال بھی تنگی سینہ کے باعث ہے۔ ورنہ وہ تعالیٰ واسع المغفرہ ہے۔ اور اللہ ہی کے قبضہ میں دنیا و آخرت ہے۔ اور دوستوں سے بھی درخواست ہے۔ کہ وہ امداد، اعانت، سلامتی خاتمہ کی دعا کرتے رہیں اور انسانیت کو لازم لغزشوں اور بشریت کی وجہ سے پیدا ہونے والی کوتاہیوں سے درگذر کریں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش۔ اور ہمارے

کاموں میں ہماری زیادتیوں کو بھی بخش اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافر قوم پر ہماری مدد و نصرت فرما۔
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

مکتوب نمبر ۱۸

شیخ جمال ناگوری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ علماء راسخین کا کیا حصہ ہے۔ اور علماء ظواہر کا کیا۔ اور صوفیہ کا کیا حصہ ہے اور اُس کے التماس کا جواب جو اُس نے کہا تھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہی علماء عظام کی مدح و ثنا کے لئے کافی ہے۔ علم وراثت علم شریعت ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا باقیماندہ ہے۔ اور علم شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورت وہ ہے جو ظاہری علماء کا حصہ ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ اور محکمات کتاب و سنت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کی حقیقت وہ ہے۔ جو علماء راسخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حصہ ہے۔ جو کتاب و سنت کے متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔ محکمات اگرچہ اُمّہات کتاب ہیں۔ لیکن ان کے نتائج و ثمرات متشابہات ہیں۔ جو کتاب کے مقاصد ہیں۔ امّہات حصول نتائج کے لئے وسائل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ پس کتاب کا لُبّ (مغز) متشابہات ہیں۔ اور محکمات ان کا چھلکا ہیں۔ متشابہات ہی ہیں۔ جو رمز اور اشارہ کے طور پر اصل کو بیان کرتی ہیں۔ اور اس معاملہ کی حقیقت کا نشان بتاتی ہیں۔ علماء راسخین نے چھلکے کو مغز کے ساتھ جمع کر لیا ہے۔ اور شریعت کی صورت و حقیقت کے مجموعے کو پا لیا ہے۔ اور ان بزرگوں نے شریعت کو اس شخص کی طرح تصور کیا ہے۔ جس کا پوست اور مغز صورت اور حقیقت ہو۔ شرائع اور احکام کے علم کو انہوں نے صورت شریعت جانا ہے۔ اور حقائق اور اسرار کے علم کو حقیقتِ شریعت کہا ہے۔ اور ایک جماعت

لہ احمد، ترمذی، ابو داؤد بروایت ابو الدرداء

نے صورت شریعت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنا پیر اور مقتدا ہدایہ اور بزدوی کے کسی چیز کو قرار نہیں دیا۔ اور ایک دوسری جماعت اگرچہ حقیقت شریعت میں گرفتار ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس کو شریعت کی حقیقت نہیں جانا۔ بلکہ شریعت کو صورت میں منحصر رکھا ہے۔ اور اُسے پوست خیال کیا ہے۔ اور لُب و مغز کو اس کے ماسوا میں تصوّر کیا ہے۔ تو ناچار اس وجہ سے اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اور متشابہات سے کچھ حصہ نہ پا سکے۔ تو علماء راسخین ہی درحقیقت وارث ہیں۔ اللہ سُبحانہٗ ہمیں اور تمہیں ان کے محبین اور ان کے نشانات پر چلنے والوں میں سے کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اخوی میاں شیخ نور محمد نے آپ کی طرف سے ظاہر کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ ہمیں دوسرے سلاسل کے مشائخ سے اجازتیں ہیں۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کی جانب سے بھی میں اجازت چاہتا ہوں۔

مخدوم و مکرّم! پیری و مریدی طریقہ نقشبندیہ میں طریقہ کے سکھانے اور سیکھنے سے ہے۔ کلاہ اور شجرہ سے نہیں۔ جس طرح کہ دوسرے سلاسل میں متعارف ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ صحبت ہے اور ان کی تربیت اکسیر کا سی ہے۔ اس بناء پر ان کی ہدایت میں دوسروں کی نہایت درج ہے اور اُن کا راستہ بالکل قریب ہے۔ ان کی نظر امراضِ قلبیہ کو شفا دیتی ہے۔ اور اُن کی توجہ باطنی بیماریوں کو دفع کرتی ہے۔

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار اند[1] کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

اُمید ہے کہ معذور جانیں گے۔ نیک لوگ عذر قبول کرتے ہیں۔

والسّلام

مکتوب نمبر ۱۹

میر محبّ اللہ کی طرف صادر فرمایا

---

[1] نقشبندی عجیب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

روشن سنت کی اتباع، ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب، اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات۔ سیادت پناہ اخوی و اعزی میر محب اللہ کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ ان حدود کے فقراء کے حالات و کوائف تعریف کے لائق نہیں۔ اللہ سبحانہ سے درخواست ہے کہ وہ تمہیں سلامتی، ثابت قدمی اور استقامت عطا کرے۔

اس مدت میں آپ نے اپنے علاقہ کے حالات کی کیفیت سے مطلع نہیں کیا۔ بُعد مسافت رکاوٹوں میں سے ہے۔

نعمت بس یہی ہے کہ دینی احکام کا التزام ہو۔ اور حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اختیار کی جائے۔ اور سنت سنیہ کا بجالانا اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب اختیار کیا جائے۔ اگرچہ بدعت صبح کی روشنی کی طرح دکھائی دیتی ہو۔ کیونکہ بدعت میں فی الحقیقت کوئی نور اور ضیا نہیں۔ اور بیمار کے لئے اس میں کوئی شفا نہیں۔ اور نہ کسی مرض کے لئے اس میں علاج ہے۔ یہ خوبیاں بدعت میں کیسے پائی جا سکتی ہیں۔ بدعت یا تو رافع سنت ہے یا اس سے خاموش اور بدعت ساکتہ ضروری ہے۔ کہ سنت پر زائد ہو۔ تو اس طرح وہ بھی فی الحقیقت سنت کی رافع ہے۔ کیونکہ نفس پر زیادتی نفس کا نسخ ہے۔ لہٰذا جو بدعت بھی ہو وہ ضرور سنت کو مٹاتی ہے۔ اور اس کے مخالف ہوتی ہے۔ لہٰذا بدعت میں کوئی خیر اور حسن نہیں۔ اور کاش کہ میں جان لیتا کہ دین کامل میں پیدا شدہ بدعت کو حسن کہنے والوں نے کیسے اسے حسن کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ دین کامل ہو چکا۔ اور پسندیدہ اسلام کی نعمت مکمل ہو چکی۔ اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ دین کے اکمال و اتمام کے بعد اس میں بدعت کا اجراء اور اس سے رضائے الٰہی کا حاصل ہونا درستی سے دور ہے۔ تو حق کے بعد نہیں مگر گمراہی اگر وہ جانتے کہ دین کامل میں کسی محدث (بدعت) کو حسن کہنا اور اس کے عدم کمال کو مستلزم ہے۔ اور نعمت کے نامکمل ہونے سے خبر دیتا ہے۔ تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ اے اللہ! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَّدَيْكُمْ

مکتوب نمبر ۲۰

مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

نماز کے فضائل میں اور اس امر کی ترغیب میں کہ اس کے ارکان، شرائط، آداب اور تعدیلِ ارکان کما حقہٗ بجالانے چاہئیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔

آپ کا وہ مکتوب شریف جو آپ نے جونپور کی طرف سے لکھا تھا موصول ہوا۔ چونکہ وہ کمزوری بدن کی خبر پر مشتمل تھا۔ اس لئے بے آرامی کا باعث ہوا۔ فقیر تندرستی کی اطلاع کا منتظر ہے۔ کسی آنے والے کے ذریعے اطلاع کرنا اور اپنے احوال کی کیفیات تحریر کرنا۔

اے محبت کے اطوار والے! جب کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اور دارِ جزاء دارِ آخرت ہے۔ اسلئے اعمال صالحہ کے بجالانے میں کوشش اور سعی کرنی چاہیئے۔ بہترین اعمال اور فاضلترین عبادات نماز کا قائم کرنا ہے۔ کیونکہ یہ دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ اس لئے اس کے ادا کرنے میں پورا پورا اہتمام کرنا چاہیئے اور احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس کے ارکان، شرائط، سُنّتیں، مستحبات پورے پورے ادا ہوں۔ نماز میں اطمینان اور تعدیلِ ارکان کی تکرار کے ساتھ بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ اس کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں نے نماز کو ضائع کر رکھا ہے۔ اور تعدیلِ ارکان کو درہم برہم کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے بہت وعیدیں اور ڈانٹ کے الفاظ وارد ہیں۔ جب نماز درست گئی تو بڑی امید ہے کہ نجات میسر آجائے کیونکہ دین قائم ہوگیا۔ اور عروج کا معراج اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

بر شکر غلطید اے صفرائیاں[1] از برائے کور ہی سودائیاں

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی

مکتوب نمبر ۲۱

[1] اے صفراء کے مریضو! شکر پر ٹوٹ پڑو ہو جاؤ۔ کیونکہ سودا کے مریض تو آنکھوں سے نابینا ہیں (ان کا حصہ بھی تم ہی لو)

خواجہ محمد صدیق ملقب بہ ہدایہ کو صادر فرمایا

اس بیان میں کہ حدیث قدسی لا یسعنی ارضی الخ میں قلب سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے نہ کہ حقیقت جامعہ جس کی وسعت سے بعض مشائخ نے خبر دی ہے۔ لیکن گوشت کا وہ ٹکڑا مراد ہے۔ جس نے سلوک و تہذیب، تصفیہ و تزکیہ اور تمکین قلب اور اطمینان نفس کے بعد اجزاء و عشرہ سے ترکیب پائی ہے۔ اور ہیت وحدانی پیدا کی ہے۔ اور گوشت کے اس ٹکڑے کی فضیلت حقیقت جامعہ پر چند وجہ سے ہے۔ اور اس بیان میں یہ تمام کمالات جو اس پارہ گوشت کے لئے ثابت ہیں۔ مقام قاب قوسین میں ہیں۔ اور اَوْ اَدْنٰی کا معاملہ اس سے بھی ورا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

آپ نے پوچھا تھا کہ تو نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے۔ ظہور قلبی ظہور عرشی کا معدہ ہے۔ اور فضیلت کلی صرف ظہور عرشی کیلئے ہے اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَّسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ ط	نہیں وسعت رکھتے میری، نہ میری زمین اور نہ میرا آسمان۔ بلکہ میری وسعت میرے بندہ مومن کا دل رکھتا ہے۔

اس حدیث سے لازم آتا ہے۔ کہ ظہور قلبی اتم ہے۔ اور فضیلت بھی اسی کے لئے ثابت ہے۔ محبت کے نشانات والے اس سوال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ ارباب ولایت قلب بول کر اس سے انسان کی حقیقت جامعہ مراد لیتے ہیں۔ جو عالم امر سے ہے۔ اور بزبان نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ قلب اس پارہ گوشت سے عبارت ہے۔ جس کی درستی کے ساتھ بدن کی درستی اور اس کے فساد سے بدن کا فساد وابستہ ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی علیہ وعلی الہ الصلوات والتسلیمات میں وارد ہے۔ کہ

اِنَّ فِيْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ط	بیشک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے۔ تو سارا بدن درست ہوتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا بدن خراب ہوتا ہے۔ سن لو کہ وہ قلب ہے
بخاری شریف	

وسعتِ قلب اطلاقِ اوّل کو لازم ہے۔ یہیں سے ہے کہ جنید و بایزید قدس سرہما نے وسعت قلب سے خبر دی ہے۔ اور عرش و مافیہ کو عظمتِ قلب کے سامنے حقیر گمان کیا ہے۔ اور دل کی تنگی اطلاقِ ثانی کو لازم ہے۔ اس مقام میں قلب اس قدر تنگ ہے کہ جزء لایتجزّیٰ کی بھی جو تمام اشیاء سے اصغر اور حقیر چیز ہے۔ اس میں گنجائش نہیں۔ بعض اوقات جب تنگیِ قلب کو جزء لایتجزّیٰ کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے۔ تو وہ حقیر جزء (جزء یتجزّیٰ) قلب کے مقابلے میں آسمانوں اور زمینوں کے طبقات کی طرح عظیم دکھائی دیتا ہے۔ یہ معاملہ عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسے ذہن میں رکھو۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا۔ تو جان لو کہ وہ ظہور جو حقیقت جامعہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ شک نہیں۔ کہ ظہورِ تام عرشی کی نسبت صرف ایک پرتو ہے۔ اس مقام میں فضیلت کلّی صرف عرش کے لئے ہے۔ اور شیخ بایزید اور شیخ جنید جنہوں نے قلب کو سب سے کشادہ اور فراخ کہا ہے۔ اور عرش و مافیہ کو جامعیت قلب کے سامنے حقیر جانا ہے۔ یہ شئی کے نمونے کے شئی کے ساتھ مشتبہ ہونے کے قبیلے سے ہے۔ اور اس اشتباہ کے منشا کو فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بار بار لکھا ہے۔ اور وہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے۔ وہ لسانِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے موافق ہے۔ اور اس قلب سے مراد یہی پارہ گوشت ہے۔ اور شک نہیں کہ ظہورِ اتم یہاں ہے۔ اور اس کی بلند ذات کی احدیت مجرّدہ کا آئینہ بننا اس کے لئے مُسلّم ہے۔ عرش کے لئے اگرچہ ظہورِ تام سے جو ظہورِ اصل ہے۔ حصہ وافر حاصل ہے۔ لیکن اس مقام میں صفات کی آمیزش ہے۔ اور جبکہ صفات فی الحقیقت حضرت ذات تعالیٰ و تقدّس کے ظلال ہیں اس بنا پر وہ ظہور ظلیت کی ملاوٹ سے پاک اور مبرّا نہیں ہوتا۔ یہیں سے ہے کہ عرش کو ظہورِ انسانی سے جو اصل صرف سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اور اس معاملے کا مرکز بھی انسان ہے۔

سوال۔ حدیث قدسی سے تو اس قلب کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ اور تو اُسے تنگ کہہ رہا ہے؟

جواب۔ اس کی تنگی ماسوائے حق کی اس میں گنجائش نہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور اس کی وسعت انوارِ قدم کے ظہور کے اعتبار سے ہے۔ "بہت تنگ بہت وسیع۔ بسیط بہت ہی بسیط۔ بہت چھوٹا بہت زیادہ"

سوال۔ فضیلت کے لائق تو حقیقت جامعہ ہے جو عالم امر سے ہے۔ پارہ گوشت نے جو عالم خلق سے ہے۔ اور عناصر سے مرکب ہے۔ یہ فضیلت کہاں سے پالی؟

جواب۔ عالم خلق کو عالم امر پر فضیلت ہے۔ لیکن اس فضیلت کے ادراک سے عوام کیا اکثر خواص بھی قاصر ہیں۔ اس معنی کو اس فقیر نے اپنے اس مکتوب میں جو اپنے بڑے فرزند مرحوم کے

نام بیان طریقہ میں لکھا ہے۔ واضح کیا ہے۔ اگر تردد اور شک باقی رہ جائے۔ تو وہاں سے تسکین کریں۔

اس پارۂ گوشت کی حقیقت (مجھ سے) سُن۔ عوام کا یہ پارۂ گوشت تو عناصر اربعہ کی ترکیب سے بنا ہے اور خواص بلکہ اخص خواص کا یہ پارہ گوشت وہ ہے۔ کہ سلوک و جذبہ، تصفیہ و تزکیہ اور تمکین قلب اور اطمینان نفس کے بعد بلکہ محض فضل خداوندی جل سلطانہٗ سے اجزائے عشرہ سے ترکیب پاکر صورت اختیار کی ہے۔ چار جزو تو عناصر اربعہ ہیں۔ ایک جزو نفس مطمئنہ اور پانچ عالم امر سے ہیں۔ ان دس اجزاء کی آپس میں تضاد و تباین کے باوجود قدرت کاملہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس سے ان کے تضاد و تباین کی صورت زائل ہو چکی ہے۔ اور یہ آپس میں جمع ہو چکے ہیں۔ اور ایک ہیئت وحدانی پیدا کر لی ہے۔ اور اس طرح انہوں نے ایک اعجوبہ حاصل کیا ہے۔ اس معاملہ میں جزوِ اعظم عنصر خاک ہے۔ یہ وحدانی ہیئت بھی جزوِ ارضی کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور خاک کیساتھ قرار پکڑا ہے [1]

خاک شو خاک تا بروید گل — کہ بجز خاک نیست مظہر گل

اے برادر! ارباب ولائت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ یہ سینۂ انوارِ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے حاصل کئے گئے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط

اور وہ دل جس کے لئے اطمینان کا سوال خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین و علی الملائکۃ المقربین الصلوٰۃ والسلام اتمہا واکملہا نے کیا تھا یہی پارۂ گوشت ہے نہ کہ اس کی حقیقت جامعہ حضرت خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تمکین سے پیوستہ اور اطمینان نفس تک پہنچ چکے تھے۔ اس لئے کہ یہ تمکین اور یہ اطمینان مرتبہ ولائیت میں جو زینۂ نبوت ہے، حاصل ہو جاتا ہے۔ علی الانبیاء الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ شانِ نبوت کے مناسب پارۂ گوشت میں تغیر و تبدل ہے نہ کہ حقیقت جامعہ۔ کیونکہ وہ تو عوام کا حصہ ہے۔ اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے جو ثبات قلب طلب کیا ہے اور کہا [2]

اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ

اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے۔ میرے دل کو اپنی طاعت پر ثبات اور مضبوطی عطا فرما۔

---

[1] خاک بن خاک۔ تاکہ پھول اگیں۔ کیونکہ پھولوں کا مظہر خاک کے سوا اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔

[2] ترمذی و ابن ماجہ بروایت انس رضی اللہ عنہ۔ مشکوٰۃ

تو اس سے مقصود اس پارہ گوشت کا ثبات ہے۔

اور بعض احادیث میں جو قلب کے تغیر و تبدّل کے متعلق وارد ہوا ہے، امتیوں کے حالات پر نظر کرتے ہوئے وہاں قلب سے معنی عام بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جو پارہ گوشت اور حقیقت جامعہ دونوں کو شامل ہے۔

سوال۔ یہ پارہ گوشت جبکہ یعنی قلب عبدی المؤمن کے شرف سے مشرف ہو گیا ہو۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینہ بننے کے لائق ہو چکا ہو۔ تو پھر اس میں تقلب و اضطراب کیوں ہوتا ہے۔ اور وہ مزید اطمینان کا کیوں محتاج ہوتا ہے۔

جواب۔ ظہور اگرچہ اتمیت پیدا کر دیتا ہے۔ اور شیون اور صفات کے شائبہ سے آزاد کر دیتا ہے۔ لیکن جہل و حیرت زیادہ پیدا کرتا ہے۔ اور ناشناسی اور عدم وصول زیادہ تر حاصل کرتا ہے۔ اس لئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس ظہور اور اس گنجائش کے باوجود کمال جہل و حیرت سے وجود صانع پر، دلیل طلب کرتا ہے۔ اور عوام کی طرح استدلال یا تقلید کے بغیر صانع تعالیٰ کے وجود کا یقین پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا تقلب و اضطراب اس کے حال کے مناسب ہوتا ہے۔ نیز طلب اطمینان ضروری ہوتا ہے۔ اور اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ صاحب یقین عارف کو رجوع کے بعد استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس مقام میں معلوم ہوا کہ ہمیں حصول و وصول کے وقت بھی دلیل کی حاجت ہوتی ہے۔ یہ مقام مرتبہ نبوت کے کمالات کے حال کے مناسب ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ اور وہ مقام مرتبہ ولایت کے حالات کے مناسب ہے۔ اور جب اس قلب والے کو دعوت کی طرف رجوع واقع ہوتا ہے۔ تو بے قراری و اضطراب، دل کا تغیر و تبدّل اُسے زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ جبکہ عین وصول اور حصول کے وقت جہل و حیرت کیوجہ سے دلیل کا محتاج ہے۔ تو زمانہ فرقت میں استدلال کا بطریق اولیٰ زیادہ، محتاج ہوگا۔ تاکہ استدلال کے ذریعہ کچھ نہ کچھ اطمینان حاصل کرے۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ دولت چند روز کے لئے اس سے پوشیدہ کر لی گئی ہو اور اس کی داغ جدائی کے ساتھ داغدار ہو چکا ہے۔ وہ اس کے لائق ہے۔ کہ ہمیشہ بے قراری اور اضطراب میں رہے۔ اور ہمیشہ غم و حزن کی حالت میں رہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ

لہ شمائل ترمذی

متواصل الحزن دائم الفکر ۔ غمناک اور متفکر رہتے تھے ۔

اب فقیر بعض وجوہ کو بتاتا ہے ۔ جو قلب کے ان دو اطلاق میں فرق کرتی ہیں ۔ گوش ہوش سے سنیں ۔ حقیقت جامعہ جو کہ عالم امر سے ہے ۔ تصفیہ اور تزکیہ کے بعد اُسے تمکین تام میسر آجاتی ہے بخلاف پارۂ گوشت کے کہ اس کا اطمینان ادراک حواس سے وابستہ ہے ۔ جب تک کسی شے کو حواس سے ادراک نہ کرے بے قراری سے باہر نہیں آسکتا ۔ اسی لئے حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملئکۃ المقربین نے اپنے قلب کے اطمینان کا سوال کیا اور عرض کیا ۔

رَبِّ[1] اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اے میرے رب ! مجھے دکھا کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا ۔

فرق کرنے والی دوسری وجہ یہ ہے ۔ کہ حقیقت جامعہ ذکر کا اثر قبول کرتی ہے ۔ اور جب ذکر تک پہنچتی ہے ۔ تو ذکر کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے ۔ اور ذکر کے ساتھ ہی قائم ہو جاتی ہے ۔ اور اس مقام کو صاحب عوارف قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے روشن تر مقام کہا ہے ۔ اور قلب کے اس قیام کو ذکر ذات تعالیٰ سے تعبیر کیا ہے بخلاف پارۂ گوشت کے ۔ کہ ذکر کے لئے اس کی طرف کوئی راہ نہیں ۔ اس کا اثر پذیر ہونا کجا اور ذکر کے ساتھ قیام کجا ۔ وہاں بالاصالۃ مذکور کا ظہور ہے ۔ نہ کہ ظلیت کے ساتھ ۔ ذکر کے عروج کی نہایت مذکور کی دہلیز تک ہے ۔

تیسرا فرق یہ ہے ۔ کہ حقیقت جامعہ جب نہایۃ النہایۃ تک پہنچتی ہے ۔ اور ولایت خاصہ سے حصہ وافر حاصل کر لیتی ہے ۔ اگر مطلوب کی آئینہ دار بن جائے ۔ تو ظاہر اس میں ظل مطلوب ہوگا نہ عین مطلوب ۔ جس طرح ظاہری شیشہ میں کہ اس شخص کی مثال ظاہر ہوتی ہے نہ کہ عین شخص ۔ بخلاف پارۂ گوشت کے برعکس اس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے ۔ عین مطلوب ہے نہ کہ اس کا ظل ۔ اسی لئے حدیث قدسی فرمایا ہے ۔

یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سماتا ہوں

یہ معاملہ بھی نظر و فکر سے بلند ہے ۔ اس سے ہرگز حلول اور مکان نہ سمجھ لینا کیونکہ یہ کفر و زندقہ ہے ۔ اگر عقل معاش یقین نہیں کر سکتی کہ ایک شئی کا عین دوسری شئی میں ظاہر ہو ۔ لیکن وہاں حلول اور ٹھہرنا نہ ہو ۔ یہ عقل کی نارسائی کے باعث ہے ۔ اور غائب کا حاضر پر قیاس ہے ۔ اس لئے تو کوتاہ بین لوگوں سے نہ ہو ۔

---

[1] پارہ تلک الرسل ، سورۃ البقرہ ،

چوتھا فرق یہ ہے۔ کہ حقیقت جامعہ عالم امر سے ہے۔ اور پارۂ گوشت عالم خلق سے۔ بلکہ عالم خلق وامر دونوں اس کے اجزاء ہیں۔ اور خلق اس کا جزو اعظم ہے اور امر اس کا چھوٹا جزو۔ ان دونوں جزو کے اجتماع سے اس کی ہیئت وحدانی ایجاد ہوئی ہے۔ جو عجوبہ روزگار بن کر سامنے آئی ہے۔ یہ عجوبہ اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے ایک الگ شے ہے۔ اور کسی شے کیساتھ کسی طرح بھی اپنی ہیئت ترکیبی میں مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی۔ لیکن شمار عالم خلق میں ہوتی ہے۔ اس لئے جزو خاکی اس معاملہ میں ایک عمدہ شے ہے اور خاک کی پستی اس کی رفعت کا باعث بن گئی ہے۔

ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے۔ کہ حقیقت جامعہ کی وسعت اشیاء کی صورتوں کے اس میں ظہور کے اعتبار سے ہے اور پارۂ گوشت کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد سامنے آتی ہے۔ مطلوب کی گنجائش کے اعتبار سے ہے۔ جو نامحدود اور غیر متناہی ہے۔ اور وہ تنگی اس کی تنگ دہلیز ہے کہ ماسوا کے گھسنے سے رکاوٹ ہے۔ حتیٰ کہ ذکر کو بھی نہیں چھوڑتی کہ مذکور کے پردوں میں داخل ہو۔ اور شائبہ ظلیت کو بھی باقی نہیں رہنے دیتی کہ اس خانۂ مقدس کے گرد گھومے۔

اور نیز اوّل (حقیقت جامعہ) کی فراخی جبکہ چوں کا شائبہ رکھتی ہے۔ اس لئے ہے چون ذات کے لائق نہیں اور دوسرے کی فراخی نے چونی سے بھی حصہ پایا ہے۔ اس لئے چون کی اس میں گنجائش نہیں۔ عجائب کار دیدار ہے۔ کہ اسی دل کو دعوت کی طرف رجوع کے بعد ظلمت اور سیاہی طاری ہو جاتی ہے۔ یہیں سے ہے کہ حضرت سید البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات نے فرمایا ہے۔

لہ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ بیشک میرے دل میں بھی پردہ چھا جاتا ہے۔

کہاں تک فرق بیان کرے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اے برادر! اس پارۂ گوشت کو معمولی شے خیال نہ کرنا۔ بلکہ یہ نہایت قیمتی جوہر ہے۔ جس میں عالم خلق کے خزانے اور اسرار ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور عالم امر کے دفینے اور مخفی امور بھی اس میں مدفون ہیں۔ علاوہ ازیں وہ شے بھی ہے۔ جو عالم خلق اور عالم امر میں الگ الگ موجود نہیں۔ اور وہ اس کے معاملات خاصہ ہیں۔ جو اس کی ہیئت وحدانی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پہلے دس اجزاء کو تصفیہ، تزکیہ، جذب وسلوک اور فنا وبقا کے ساتھ پاک اور طاہر کرتے ہیں۔ اور ماسوا کے تعلقات کی میل سے صاف کرتے ہیں۔ مثلاً دل کو بیقراری سے گذار کر تمکین واطمینان تک پہنچاتے ہیں۔ اور نفس کو بھی امارگی سے

لہ "مسلم وابوداؤد"۔

اطمینان کی طرف لاتے ہیں۔ اور ناری جزو کو سرکشی اور نافرمانی سے روکتے ہیں۔ اور خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلندی عطا کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تمام اجزاء کو افراط اور تفریط سے حد اعتدال و توسط میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد محض فضل خداوندی سے ان اجزاء کو ترکیب دیکر شخص معین کو بنایا۔ اور انسان کامل کی تشکیل کی ہے۔ اس شخص کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کا مرکز ہے مضغہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ہے مضغہ (پارہ گوشت) کی حقیقت جو باندازہ عبارت بیان کی جا سکتی ہے۔ اور اصل اختیار اللہ سبحانہٗ کے قبضہ میں ہے۔

اگر کوئی ناقص کہے کہ ہر انسان انہی دس اجزاء سے مرکب ہے اور انہی کی ترکیب سے ہیئت وحدانی رکھتا ہے۔ تو اس کا جواب میں یہ دوں گا۔ کہ ہاں ہر انسان انہی اجزاء سے مرکب ہے۔ لیکن وہ اجزاء پاک اور مطہر نہیں ہوئے ہیں۔ اور جذبہ و سلوک کے ذریعہ ماسوا کے تعلقات کی میل سے صاف نہیں ہوئے ہیں۔ بخلاف انسان کامل کے اجزاء کے، کہ وہ فنا اور بقا کے ذریعہ پاک اور پاکیزہ ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ ابھی گذرا ہے۔ کہ ہر انسان میں چونکہ یہ اجزاء متبائن اور متمایز ہیں۔ اور ہر چیز کے بھی احکام و احوال، متمایز ہیں۔ اس بناء پر وہ ہرگز ہیئت وحدانی سے حصہ نہیں رکھتا۔ اور اگر ہیئت وحدانی رکھتا بھی ہے تو وہ محض اعتباری ہے۔ نہ کہ حقیقی۔ بخلاف انسان کامل کے اجزاء کے کہ وہ تبائن و تمایز سے نکل کر آپس میں خلط ملط ہو چکے ہیں۔ اور اسکے متمایز احوال و احکام زائل ہو کر ایک شے کا حکم اختیار کر چکے ہیں۔ پس لازماً اس میں ہیئت وحدانی حقیقی ہوگی نہ اعتباری۔ جس طرح ایک معجون کو مختلف ادویہ سے تیار کرتے ہیں۔ اور رگڑ رگڑ کر تمام اجزاء کو ایک دوسری کے ساتھ ملا کر ہیئت وحدانی ثابت کرتے ہیں۔ اور متبائن احکام سے نکال کر ایک حکم کی طرف لاتے ہیں۔ اس نکتے کو سمجھ لو۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

اے برادر! یہ تمام کمالات جو پارہ گوشت کے لئے ثابت ہیں۔ مقام قاب قوسین میں ہیں۔ کہ ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں ظاہر اصل ہے۔ نہ کہ اس کا ظل جو صورت ہے۔ لیکن ظاہر کا شخص آئینہ داری کے رنگ سے پاک اور مبرا نہیں۔ پس قوسین ثابت ہوں گے۔ اس مقام سے اوپر اَوْ اَدْنیٰ کا مقام ہے۔ کہ ظاہر نے مظہر کا رنگ نہیں پکڑا ہے۔ اور کوئی امر زائد بھی اس میں تخیل میں نہیں آتا۔ پس قوسین وہاں مفقود ہوں گے۔ اور ایک رنگ کے سوا اس جگہ اور کچھ متصور نہ ہوگا۔ جو اَوْ اَدْنیٰ کے مقام کے مناسب ہو۔ اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے۔ بہت زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔ تب جا کر قوسین سے اَوْ اَدْنیٰ تک وصول میسر آسکتا ہے۔ اور ہمارا کلام اشارات و رموز اور بشارات اور خزانے ہیں۔

، واللہ سبحانہٗ اللھم وصل اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وصحبہ وسلم وبارک ،

مکتوب نمبر ۲۲

مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طفیل شہر سرہند کی اکثر شہروں پر فضیلت کے بیان میں۔ اور اپنی رہائش گاہ میں ایک نور کا مشاہدہ کرنا۔ کہ اس کی شان وصفت کی کسی کو بو تک نصیب نہیں ہوئی۔ اور وہ زمین کچھ عرصہ بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کا روضہ مقدسہ بن گئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت اور بصدقہ اس کے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ والبرکۃ ، بلدۂ سرہند گویا میرے زندہ کرنے کا مقام ہے۔ کہ میرے لئے ایک گہرے کنوئیں کو پُر کرکے ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے۔ اور اُسے اکثر بلاد اور جگہوں پر بلندی اور رفعت عطا کی ہے۔ اور ایک نور اس زمین میں امانت رکھا گیا ہے۔ جو بے صفتی اور بے کیفی کے نور سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس طرح بیت اللہ کی مقدس زمین سے نور روشن و درخشاں ہے۔

میرے بڑے فرزند کی وفات کے چند ماہ بعد ایک بلند روشن نور دیکھا گیا۔ کہ کسی صفت وشان نے اس کی بُو کی طرف بھی راستہ نہیں پایا۔ اور وہ کیفیات سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ مجھے یہ آرزو پیدا ہوئی کہ وُہ زمین میرا مدفن بنے۔ اور وہ نور میری قبر پر روشن ہو۔ اس بات کو میں نے اپنے فرزند اعظم کے سامنے جو صاحبِ راز تھا، ظاہر کیا۔ اور اس نور اور اس آرزو سے مطلع کیا۔ اتفاق سے میرا بڑا فرزند ہی اس دولت کے ساتھ سبقت لے گیا۔ اور پردۂ خاک میں اس نور سے دریا میں غرق ہو گیا۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

لہ نعمت والوں کو نعمتیں گوارا ہوں۔ اور عاشق مسکین کے لئے وہی ہے جو وہ درد وغم کے گھونٹ پی رہا ہے۔

یہ بات بھی اس بلدہ معظمہ کی فضیلت میں سے ہے۔ کہ میرے سب سے بڑے صاحبزادہ جو اکابر اولیاء اللہ میں سے ہے۔ یہاں آسودہ خاک ہے۔ اور ایک مدت کے بعد ظاہر ہوا۔ کہ اس جگہ امانت رکھا ہوا نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کے نور کا لمعہ ہے۔ جسے یہاں سے لیکر اس زمین میں روشن کیا ہے جس طرح ایک چراغ بڑی مشعل سے روشن کرتے ہیں۔

"آپ فرمادیں سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مکتوب نمبر ۲۳

مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ (اللہ اُسے سالم اور باقی رکھے اور اُسے اُسکی آرزو کی انتہا تک پہنچائے) کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ عمدہ کام روشن سنت کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب ہے اور اس امر کے بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کو دوسرے طریقوں پر فضیلت صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور اس بلند طریقہ نقشبندیہ کی مدح وثنا، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں،

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی" جو نصیحت فرزند عزیز اللہ سبحانہ اُسے نامناسب کاموں سے محفوظ رکھے۔ اور دوسرے تمام دوستوں کو، کی جاتی ہے۔ وہ روشن سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب ہے۔ اسلام اس زمانہ میں غریب ہوچکا ہے۔ اور مسلمان غریب ہو چکے ہیں۔ اور روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ آجائیگا۔ کہ زمین پر اللہ کا نام لینے والا نہ رہے۔ "اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی"

سعادت مند وہ ہے۔ جو اس غریب اسلام کے زمانہ میں چھوڑی ہوئی سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ بدعات میں سے کسی بدعت کو مارے اور ختم کرے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت

خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ایک ہزار برس گذر چکا ہے ۔ اور قیامت کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو چکی ہیں ۔ اور زمانہ نبوت کے دور ہونے کے باعث سنت پوشیدہ ہو چکی ہے ۔ اور کذب اور جھوٹ کے عام ہونے کے باعث بدعت جلوہ گر ہو چکی ہے ۔ کسی شہباز کی ضرورت ہے ۔ جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے ۔ بدعت کا مروج ہونا دین کی ویرانی کا موجب ہے ۔ اور بدعتی کی تعظیم اسلام کو مٹانے کا باعث ہے ۔ حدیث

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ — جس نے بدعتی کی تعظیم کی ۔ اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی ۔

سُنی ہوگی ۔ پوری ہمت اور پورے ارادے کیساتھ سنتوں میں سے کسی سُنت کو رواج دینے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے ۔

ہر وقت خصوصاً آج کل کہ ضعفِ اسلام کا زمانہ ہے ۔ نشانات اسلام کا قائم کرنا ، سُنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب سے وابستہ ہے ۔ گذشتہ لوگوں نے بدعت میں حُسن دیکھا ہوگا ۔ تب ہی تو انہوں نے بدعت کے بعض افراد کو مستحسن کہا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں کہتا ۔ اور اس میں ظلمت و کدورت کے سوا کچھ احساس نہیں کرتا ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ[1] — ہر بدعت گمراہی ہے ۔

اور یہ فقیر یہ پاتا ہے ۔ کہ اسلام کی سلامتی سنت کے بجالانے کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اور اس کی خرابی اور ویرانی بدعت کے ارتکاب میں ہے ۔ چاہے جو بدعت بھی ہو ۔ یہ فقیر بدعت کو کہی کی طرح جانتا ہے ۔ جو اسلام کی بنیاد کو گراتی ہے ۔ اور سنت کو روشن تارے کیطرح پاتا ہوں جو تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے ۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کے ارتکاب کا فتویٰ نہ دیں ۔ اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں سپیدہ صبح کی طرح دکھائی دے کیونکہ شیطانی آرائشوں کو غیر سنت میں غلبہ عظیم حاصل ہے ۔ گذشتہ زمانوں میں جب کہ اسلام قوی تھا ۔ بدعت کی تاریکیوں کو برداشت کر سکتا تھا ۔ اور شاید کہ نور اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو بعض تاریکیاں نورانی محسوس ہوئی

---

[1] بیہقی فی شعب الایمان ،

[2] مسلم شریف ،

ہوں۔ اور اس وجہ سے اُن کے حسنہ ہونے کا حکم لگایا ہو۔ اگرچہ فی الحقیقت اس میں کچھ بھی حسن و نورانیت نہیں تھی۔ بخلاف اس وقت کے کہ ضعفِ اسلام کا وقت ہے۔ بدعات کی تاریکیوں کے برداشت کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور یہاں متقدمین اور متاخرین کا فتویٰ جاری نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔

اس وقت جہاں کثرت سے بدعت کے ظہور کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آتا ہے۔ اور اور سُنّت کا نور غربت اور قلت کی بناء پر اس تاریک دریا میں جگنو کی طرح دکھائی دیتا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور زیادہ کرتا ہے۔ اور سُنّت کے نور کو کم کرتا ہے۔ اور سُنّت پر عمل اس تاریکی کے کم کرنے اور اس نور کی زیادتی کا باعث ہے۔ تو جو چاہے بدعت کی تاریکی کو زیادہ کرے اور جو چاہے وہ سُنّت کے نور کو زیادہ کرے۔ اور جس کا دل چاہے شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جس کا دل چاہے اللہ کے گروہ کے اضافے کا سبب بنے۔ سُن لو۔ بیشک شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔ سُن لو۔ بیشک اللہ کا گروہ ہی فلاح و نجات پانے والا ہے۔

اور صوفیہ وقت بھی اگر انصاف کریں اور ضعفِ اسلام اور جھوٹ کے عام ہونے کا ملاحظہ کریں۔ تو چاہیئے کہ سُنّت کے سوا کسی بات میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں۔ اور مخترع اُمور کو مشائخ کے عمل کا بہانہ بنا کر اپنی عادت نہ بنائیں۔ اتباعِ سُنّت ہی البتہ نجات دہندہ اور خیرات و برکات کی مثمر ہے اور غیر سُنّت میں تقلید خطر در خطر ہے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۔ قاصد پر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

ہمارے پیروں کو ہماری طرف سے حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ کہ ہم پیچھے آنے والوں کو امورِ مبتدعہ کے بجالانے کا حکم نہیں دیا۔ اور اپنی تقلید سے ہلاک کن تاریکیوں میں نہیں ڈالا۔ اور متابعتِ سُنّت کے سوا کوئی راستہ ہمیں نہیں دکھایا گیا۔ اور صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کے ہوا اور کوئی ہدایت نہیں فرمائی۔ اس بناء پر لازماً اُن بزرگوں کا سلسلہ بلند ہے۔ اور ان کے وصول کا چبوترہ مرتفع واقع ہوا ہے۔ یہی ہیں جنہوں نے سماع و رقص کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ اور وجد اور تواجد کو انگلی شہادت سے دو ٹکڑے کر دیا ہے۔ دوسروں کا مکشوف و مشہود ان بزرگوں کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے۔ اور اُن کا معلوم و متخیل نحو کے قابل ہے ان اکابر کا معاملہ دید و دانش سے ماوراء ہے۔ اور معلوم و متخیل سے بھی ماوراء ہے۔ نیز تجلیات و ظہورات اور مکاشفات و معاینات سے بھی ماوراء ہے۔

دوسروں کا اہتمام اثبات میں ہے۔ اور ان بزرگوں کی ہمت نفی ماسوا میں صرف ہوتی ہے۔ دوسرے کلمہ طیبہ نفی و اثبات کا تکرار اس لئے کرتے ہیں تاکہ اثبات کا دائرہ وسعت پیدا کرے۔ اور تمام جہان جو، غیریت کے عنوان سے پیدا ہوا ہے۔ کلمہ توحید کے تکرار سے حقیقت کے عنوان سے منکشف ہو جائے اور سب کو حق پائیں۔ اور حق دیکھیں تعالیٰ و تقدس۔ بخلاف ان بزرگوں کے۔ کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار سے ان کا مقصود دائرہ نفی کی وسعت ہے۔ تاکہ جو کچھ مشہود و مکشوف اور معلوم و متخیل ہو سب لَا کے نیچے داخل ہو اور جانب اثبات میں کوئی شے ملحوظ و منظور نہ ہو۔ اور اگر بر سبیل فرض جانب اثبات میں کوئی چیز ظاہر ہو تو اُسے بھی لَا کی طرف لوٹایا جائے۔ اور جانب اثبات میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا کچھ حصے میں نہ آئے۔ پس دوسرے طریقوں میں نفی و اثبات کا ذکر مبتدیوں کے حال کے مطابق ہے۔ اور ذکر اللہ جو محض کلمہ اثبات ہے۔ اس کے بعد مناسب ہوتا ہے۔ تاکہ اس کلمہ، کے تکرار کے ساتھ مثبت، مکشوف، اثبات، استقرار اور استمرار پیدا کرے۔ بخلاف ان اکابر کے طریق کے۔ کہ یہ ان سے برعکس ہے۔ کہ اوّل اثبات ہے۔ اور پھر اس اثبات و استقرار کی نفی ہے پس اسم اللہ کا ذکر اس طریقہ میں ابتدا میں مناسب ہے اور نفی و اثبات کی صورت بعد میں بنتی ہے۔

اگر کوئی ناقص سوال کرے۔ کہ اس تقدیر پر اس طریقہ کے اکابر کو مقام اثبات سے کچھ حصہ نہ ہوگا۔ اور نفی کے سوا ان کا کچھ بھی نقد وقت نہیں ہوگا۔

جواب میں کہتا ہوں کہ دوسروں کا اثبات ان بزرگوں کو اوائل حال میں ہی میسر آجاتا ہے۔ لیکن وہ بلند ہمتی کے باعث اس طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ نفی کے لائق خیال کرتے ہوئے اس کی نفی کرتے ہیں اور مطلوب مثبت اس کے وراء الوراء میں جانتے ہیں۔ پس دوسروں کا اثبات بھی ان کو میسر ہے اور نفی بھی۔ وہ مقام جو مقام کبریائی کے مناسب ہے انھیں حاصل ہے۔ ہر بے سر انجام انسان ان کا سراغ نہیں لگا سکتا۔ اور ہر بوالہوس ان کے معاملہ کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ ان اکابر کے عدم حصول کا شمہ جو اس مقام میں نفی حصول ہے۔ بیان کر دیا ہے۔ اگر ان اکابر کے حصول کے متعلق لب کشائی کرے تو خواص بھی عوام سے ملحق ہو جائیں۔ اور مبتدیوں کی طرح الف و باء کا سبق اختیار کریں۔ شعر،

فریاد حافظ[1] این ہمہ آخر بہر زہ نیست
ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

---

[1] حافظ کی یہ فریاد بے مقصد نہیں، بلکہ قصہ بھی حیران کن اور بات بھی عجیب ہے۔

ذات تعالیٰ وتقدّس کا مراقبہ جو دوسروں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک محل اعتبار سے ساقط اور بے حاصل ہے اور مراقبہ کرنے والے کو اس مقام میں ظلال سے ایک ظل کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ "اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے۔ ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں" اس کی ذات بلکہ اس کے اسماء و صفات بھی ہمارے احاطۂ فکر و مراقبہ سے باہر ہیں۔ اس مقام میں جہل و حیرت کے سوا کچھ حصہ نہیں۔ نہ وہ جہل و حیرت جسے لوگ جہل و حیرت کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مذموم اور بُرا ہے۔ بلکہ اس مقام کا جہل و حیرت عین معرفت و اطمینان ہے۔ نہ وہ معرفت و اطمینان جو لوگوں کے فہم میں آسکتا ہے۔ کیونکہ وہ قبیلہ چون سے ہے۔ اور بے چون سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں ہم جو کچھ ثابت کریں گے وہ بے چون ہی ہوگا۔ خواہ اُسے جہل سے تعبیر کریں یا معرفت سے جس نے چکھا نہ ہو۔ نہیں جان سکتا۔

اور نیز ان بزرگوں کی توجہ احدیت ذات تعالیٰ وتقدّس کی طرف ہے۔ اور یہ حضرات اسم و صفت سے سوائے ذات تعالیٰ وتقدّس کے کچھ نہیں چاہتے۔ اور دوسروں کی طرح ذات سے صفات کی طرف نیچے نہیں آتے اور بلندی سے پستی کی طرف نہیں گرتے۔ عجیب کاروبار ہے۔ اس گروہ میں سے ایک جماعت نے ذکر اسم اللہ اختیار کیا ہے۔ اور اس پر اکتفا کرتے ہوئے صفات کی طرف نیچے آتے ہیں۔ اور سمیع، بصیر اور علیم کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور پھر بر سبیل عروج علیم، بصیر اور سمیع سے اسم اللہ تک جاتے ہیں۔ کیوں صرف اللہ پر کفایت نہیں کرتے۔ اور توجہ کا قبلہ ذات احدیت تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں بناتے۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ [1] کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

نص قاطع ہے۔ اور آیہ کریمہ

قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ [2] کہہ اللہ۔ پھر اُن کو چھوڑ دے۔

مختصر یہ کہ اس بلند مرتبہ طریقہ کے بزرگوں کی نظر ہمت بہت بلند واقع ہوئی ہے۔ کسی ریاکار اور رقاص کے ساتھ یہ لوگ نسبت نہیں رکھتے۔ اسی لئے دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں مندرج ہے۔ اور اس طریقے کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کا حکم رکھتا ہے۔ اور ان کا سفر ابتدا سے ہی وطن میں مقرر ہو چکا ہے۔ اور خلوت در انجمن ان کو حاصل ہو چکی ہے۔ اور دوام حضور ان کا نقد وقت ہے۔ یہی ہیں کہ طالبوں کی تربیت ان کی بلند صحبت سے وابستہ ہے۔ اور ناقصوں کی تکمیل ان کی توجہ شریف سے متعلق ہے۔ ان کی نظر امراض قلب کو شفا بخشتی ہے۔ اور ان کا التفات معنوی بیماریوں کو دور کرتا ہے

---

[1] سورۂ زمر پارہ وَمَنْ اَظْلَمُ [2] سورۂ انعام پارہ وَاِذَا سَمِعُوْا

ان کی ایک توجہ سو چلوں کا کام کرتی ہے۔ اور ان کا ایک التفات سالہا سال کے ریاضات و مجاہدات کے برابر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند[1]
کہ برند از راہ پنہاں بحرم قافلہ را

اے سعادت کے آثار والے! اس بیان سے کوئی وہم نہ کرے۔ کہ یہ اوصاف و شمائل تو اُس بلند طریقہ نقشبندیہ کے تمام اساتذہ اور تلامذہ کو حاصل ہیں۔ ہرگز یہ بات نہیں بلکہ یہ شمائل و عادات اس بلند طریقہ کے اکابر کے اکابر کے ساتھ خاص ہیں۔ جنہوں نے کام کو نہایۃ النہایۃ تک پہنچا دیا ہوا ہے اور مبتدیانِ رشید نے ان اکابر کے ساتھ نسبت ارادت درست کی ہوئی ہے۔ اور آداب کی رعایت کی ہے۔ نہایت کا بدایت میں درج ہونا ان کے حق میں ثابت ہے۔

بخلاف اس طریقہ کے اس مبتدی کے جو اس طریقہ کے شیخ ناقص کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ کہ اس کے حق میں یہ اندراج ثابت نہیں۔ کیونکہ ان کا شیخ بھی نہایت کو نہیں پہنچا ہوا۔ تو مبتدی کے حق میں نہایت کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ دروست

کوزہ سے وہی چیز ٹپکتی ہے۔ جو اُس میں ہوتی ہے

اے نہایت آثار! ان اکابر کا طریقہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے۔ اور یہ نہایت کا بدایت میں اندراج اس اندراج کا اثر ہے۔ جو صحبتِ خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں میسر آیا۔ اس لئے کہ آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اوّل صحبت میں وُہ کچھ میسر آگیا۔ جو بہت کم ہے کہ انتہا میں بھی دوسروں کو میسر ہو۔ اور یہ فیوض و برکات وہی فیوض و برکات ہیں۔ جو زمانہ صحابہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اگرچہ ظاہر میں آخر اوّل سے وسط کی نسبت دُور ہے۔ لیکن فی الحقیقت آخر وسط کی نسبت اوّل سے زیادہ نزدیک ہے۔ اور اس کے رنگ کے ساتھ رنگین ہے۔ متوسط حضرات اُسے باور کریں یا نہ کریں۔ بلکہ متاخرین میں اکثر کے بارے میں معلوم نہیں۔ کہ اس معاملہ کی حقیقت تک پہنچتے ہیں یا کہ نہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَعْلَى

---

[1] نقشبندی عجب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ راستے سے قافلہ کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۲۴

حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا۔

اس کے مکتوب کے جواب میں، جس میں اس نے آرزو کی تھی کہ تمام ذرات میں مشاہدہ جمال میسر ہو اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ کا مراسلہ شریفہ جو آپ نے کمال اخلاص اور محبت کیساتھ ارسال کیا تھا۔ موصول ہو کر بہت زیادہ فرحت اور خوشی کا موجب ہوا۔ نسبت رابطہ تمہیں ہمیشہ صاحب رابطہ (شیخ) کے ساتھ رکھتی ہے۔ اور فیوض انعکاسی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس نعمت کا شکر بجالانا چاہیئے۔ اور قبض و بسط دونوں اس راہ میں اُڑنے کے دو بازو ہیں۔ قبض سے دلگیر۔ اور بسط سے مسرور نہ ہوں۔

آپ نے یہ آرزو کی تھی کہ تمام ذرات میں مشاہدہ جمال میسر ہو۔ محبت کے اطوار والے! بندے کو آرزو سے کیا کام۔ اور اس کی آرزو اس کے فہم قاصر کے اندازہ کے مطابق ہوگی۔ جمال لایزال کا ذرات کے آئینے میں مشاہدہ کرنا کوتاہ بینی کے باعث ہے ذرات کی کیا مجال ہے۔ کہ اس جمال کے آئینے بنیں۔ جو کچھ ذرات کے آئینوں میں مشہود ہوتا ہے۔ وہ اس بے نہایت جمال کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اس بلند ذات کو وراء الوراء میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اور آفاق و انفس کے دائرہ سے باہر ڈھونڈنا چاہیئے۔ اس وقت جو نسبت تم رکھتے ہو وہ تمہاری آرزو سے فوقیت رکھتی ہے۔ لوگوں کی تقلید کر کے پستی کی طرف راغب ہونے کی آرزو ہرگز نہ کریں۔ اور بلندی سے نیچے آنے کی تمنا نہ کریں۔ ان اکابر کا رخانہ بلند ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ بیشک اللہ سبحانہٗ بلند ہمتی کو پسند فرماتا ہے۔

اَلْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ جَمْعِیَّتُکُمُ الصُّوْرِیَّۃُ وَالْمَعْنَوِیَّۃُ

والسلام

مکتوب نمبر ۲۵

خواجہ محمد شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ جو عمل بھی شریعت غرا کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید و فروخت ہی ہو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

آپ کا گرامی نامہ جو آپ نے میرے فرزند عزیز مولانا عبدالرشید اور مولانا جان محمد کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ اور نذر کے روپے بھی موصول ہوئے "جزاکم اللہ سبحانہ خیراً" آپ کی صحت کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ اے فرزند! فرصت و فراغت غنیمت ہے۔ ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ جو بھی شریعتِ غرا کے مطابق کیا جائے۔ ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید و فروخت ہی ہو۔ پس تمام حرکات و سکنات میں احکام شریعت کی رعائت کرنی چاہیئے۔ تاکہ سب کام ذکر بن جائیں۔ کیونکہ ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کی رعائت ملحوظ رکھی جائے تو امر و نہی کرنے والے سے غافل ہونے سے نجات میسر آجاتی ہے۔ اور اس بلند ذات کا دوام ذکر حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی "یاد داشت" سے ایک الگ چیز ہے۔ کیوں کہ وہ صرف باطن میں منحصر ہے۔ اور یہ ظاہر میں بھی جاری ہے۔ اگرچہ مشکل ہے۔ اللہ سبحانہ ہمیں صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر ۲۶

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

اس کے اس خط کے جواب میں جس سے جانب داری کی بُو آتی ہے۔ اور اس بیان میں کہ تلقین ذکر بچوں کو الف وبے کی تعلیم کی طرح ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

صحیفہ مکرمت (مکتوب گرامی) جو کشمیری قاصد کے ہمراہ کرم کرتے ہوئے آپ نے ارسال کیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جب کہ آپ کی طرف کے حضرات کی خیریت پر مشتمل تھا۔ بہت خوشی و مسرت کا موجب ہوا۔ "جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرًا"

اس میں درج تھا کہ مخدوم زادہ کلاں اور خواجہ جمال الدین، میاں شیخ الہداد سے تلقین ذکر کے شرم کے باعث آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکے۔ مخدوما! اب بھی ان باتوں سے جانب داری کی بُو آتی ہے۔ اور اس طرح اور وضع سے مبائنت اور مخالفت مفہوم ہوتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ "

مخدوم زادہ کلاں (خواجہ عبیداللہ) کو چاہیے تھا کہ اپنے والد بزرگوار کی وصیت کا شرم کرتا۔ نیز اس توجہ افادہ کی بھی شرم کرتا جو حضرت ایشاں (پیر بزرگوار) کی موجودگی میں اُن کے حکم سے کی گئی تھی۔ اور میاں شیخ ابوالبرکات کو بھی دعوئ پیر پرستی کے باوجود چاہیے تھا کہ اس بارے میں دلیری اور جرات نہ کرتا۔ اور ملاحظہ وصیت اور فائدہ پہنچانے میں پہل کرتا۔

جو کچھ تم نے لکھا ہے حق وصواب ہوگا۔ لیکن جو مکتوب مخدوم زادہ کلاں نے برادر عزیز کے ہمراہ ارسال کیا ہے (ہمارے متعلق) کمال تواضع کو متضمن اور انتہائی طلب وشوق پر مشتمل تھا۔ اور اس مکتوب میں ایسی عبارات احاطہ تحریر میں لائی ہیں کہ طلب کے جنون کے بغیر ان عبارات کا معرض تحریر میں لانا متصور نہیں۔ اس مکتوب کی تحریر کے بعد شائد ہم سے برگشتہ ہونے کی صورت پیدا ہوئی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ	اے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت دینے کے
هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ	بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر اور ہمیں
رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝	اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تو ہی
	بہت عطا فرمانے والا ہے۔

لیکن فقیر جانتا ہے کہ ان کی یعنی پیر بزرگوار کی وصیت خالی از حکمت نہ ہوگی اور امید ہے کہ اس وصیت کی برکت سے انجام اچھا ہو جائیگا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس قسم کی طلب جس کی تھوڑی سی جھلک ان کے مکتوب سے مفہوم ہوتی تھی یکایک ختم ہو جائے اور اس کی ضد اس کی جگہ لے لے۔ دوستوں اور ہمدردوں پر یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے۔ یہ مقام خاص اہتمام اور توجہ کا متقاضی ہے۔ مسکینا! اگر (حق تعالیٰ تک وصول کا) کام صرف تلقین سے مکمل وتمام ہو جائے تو مبارک ہے۔ لیکن معاملہ یوں نہیں بلکہ فقیر کے نزدیک ذکر کی تلقین بچوں کو الف دبے کی تعلیم کے مانند ہے۔ اگر صرف اتنی ہی تعلیم ملکہ مونیت پیدا کردے تو کیا مضائقہ ہے۔ تمہارے کرم واتفات سے یہ توقع اور امید ہے کہ طرفداری کے پلے کو چھوڑ دیں گے۔ اور تمام دوستوں کے ساتھ مساوی قسم کی آشنائی رکھیں گے زیادہ کیا مبالغہ کرے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۲۷

مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف ارسال کیا

شیخ عبدالعزیز جونپوری کے ان اعتراضات وسوالات کے جواب میں جو اس مجدد دوم کے مکتوب اوّل میں درج ہیں

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ۔ راقم عرض پرداز ہے۔ کہ آپ کا وہ مکتوب جو مدت مدید کے بعد آپ نے ارسال کیا ہے موصول ہو کر بعث فرحت و خوشی کا موجب ہوا

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو ظاہری اور باطنی جمعیت سے مزین اور آراستہ رکھے ۔ فقیر نے اس عرصہ میں آپکو تین خط لکھے ان میں سے ایک خط آپ کو موصول ہو چکا ہے ۔ مسافت بعیدہ کا عذر لاحق ہے اور مشیخت مآب شیخ عبد العزیز نے جو مکتوب لکھا تھا تمہارے مکتوب کے ہمراہ نیز موصول ہوا اور جو کچھ اس میں درج تھا اس سے پوری طرح مطلع ہوا ۔

شیخ عبد العزیز کے مکتوب میں درج تھا کہ حقائق ممکنات جو نور علمیہ سے عبارت ہیں اگر ہوں جو صفات کی جنس میں تو لازم آتا ہے کہ ان علمات کا حصول ذات تعالیٰ و تقدس میں ہو حالانکہ وہ سبحانہ اس سے منزہ ہے ۔ شیخ موصوف کا یہ عجیب شبہ ہے ۔ شیخ عبد العزیز کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت حق سبحانہ تمام ادنیٰ و اعلیٰ اشیاء کو جانتا ہے ۔ لیکن ان میں سے کسی بھی چیز کا حصول اس کی بلند ذات میں نہیں ہے اور کسی طرح اُن کا اس کے ساتھ اتصاف نہیں ۔ اس صورت میں حصول کہاں سے پیدا ہوتا ہے

نیز اس میں یہ بھی درج تھا کہ حقائق ممکنات وجودی اور ثبوتی ہونی چاہئیں نہ کہ علمی کیونکہ حقائق ممکنات کی ارواح اور نفوس سے عبارت ہے ۔ (جواب) ان یہ حقائق علمی وجود و ثبوت رکھتی ہیں ۔ جو ان کے لئے درکار ہے ۔ شیخ صاحب موصوف کو چاہیے کہ یہ اعتراض سب سے پہلے شیخ محی الدین پر کریں جنہوں نے کہا ہے کہ "اعیان نے وجود کی بُو بھی نہیں سونگھی" عجیب معاملہ ہے کہ یہاں حقائق ، ارواح و نفوس سے عبارت قرار دی گئی ہیں ۔ اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ کو چھوڑ دیا ہے ۔

اس مکتوب میں یہ بھی درج تھا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان اور باقی افراد انسان جو ممکنات ہیں اگر ان سب کے حقائق علمات ہوں تو اس بلند گروہ سے شرف و عزت مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے ۔ (جواب) کیوں مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے ۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اپنے حسن تربیت سے اُن علمات کو اپنے اسماء و صفات کے آئینے اور عکوس بنا کر نبوت و ولائت کے شرف سے مشرف اور اپنے کمالات کے ظلال سے مزین و آراستہ کیا ہے ۔ اور اس طرح انہیں معزز و مکرم کر دیا ہے ۔ جس طرح انسان کو ایک حقیر قطرہ سے پیدا کر کے بلند درجات تک پہنچایا ہے ۔ تعجب ہے کہ انسان کے شرف و عزت کو تو نگاہ میں رکھتے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی تنزیہہ و تقدیس کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہوئے خسیس و رذیل اشیاء کو حق تعالیٰ و تقدس کا عین کہتے ہیں ۔ اور اس مقولہ سے پرہیز نہیں کرتے اور انسان کے لئے حقائق

عدمیہ کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ انھیں توفیقِ انصاف عطا کرے۔

اس مکتوب میں یہ بھی درج ہے کہ اجماعی بات کو اختراعی چیز سے رد نہیں کیا جاسکتا۔ (جواب) ہم تو مقولہ ہمہ اوست کو اختراع و ابداع جانتے ہیں۔ کیونکہ مقولہ ہمہ از اوست علماء کا متفق علیہ ہے۔ صاحبِ فتوحات پر آج تک ملامت و مذمت کا جو راستہ کھلا ہوا ہے۔ اسی ہمہ اوست کے مقولہ کے سبب ہے اور فقیر نے جو معارف لکھے ہیں۔ اُن کا حاصل ہمہ از اوست ہے جو شرع اور عقل میں مقبول و پسندیدہ ہے۔ چہ جائیکہ کشف و الہام سے بھی اس کی تائید ہو چکی ہو۔

شیخ موصوف نے اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد مقام شفقت میں آکر لکھا ہے کہ ممکنات کے حقائق اگر ارواح کو قرار دیا جائے تو یہ جمہور کے موافق ہے (پتہ نہیں) شیخ نے جمہور کی کونسی قسم مراد لی ہے۔ کیونکہ آج تک سُننے میں نہیں آیا کہ ارواحِ انسانی کو کسی نے حقائق ممکنات قرار دیا ہو۔ شیخ کی یہ گفتگو نہایت تعجب انگیز ہے۔ شیخ موصوف نے خیال کر لیا ہے کہ ہر شخص قیاس و تخمینے سے بات کرتا ہے اور اپنے فکرو تخیل سے باتوں کا جال بُنتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ جو معارف کشف و الہام کے بغیر گفت و نوشت میں آئیں اور شہود و مشاہدہ کے بغیر معرضِ تحریر و تقریر میں آئیں سراسر بہتان و افترا ہیں۔ خاص کر جب کہ قوم کے مخالف ہوں۔ معلوم نہیں شیخ کا کیا اعتقاد ہے اور یہ معارف اس نے کہاں سے حاصل کئے ہیں۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین

والسلام

مکتوب نمبر ۲۸

مولانا محمد صادق کشمیری کو اس کے استفسارات کے جواب میں لکھا

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ عرض گذار ہے کہ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ جب کہ پسندیدہ احوال کو متضمن تھا۔ موجبِ فرحت ہوا

آپ نے لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے ورائے ورا ہونے کا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ممکنات کا ذات واجب تعالیٰ و تقدس پر حمل کرنا تکلف دکھائی دیتا ہے۔ اور ذات سبحانہٗ کو سب سے ورا جانتا ہے۔

کوشش کریں کہ یہ حمل تکلف سے بھی میسر نہ آئے۔ بلکہ معاملے کو حیرت صرف تک پہنچا دے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ رشحات میں بابا آب ریز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا جب حق سبحانہ وتعالیٰ روز ازل آدم کی مٹی گوندھ رہا تھا۔ میں اُس میں پانی ڈال رہا تھا۔ اس مقولہ کی کیا توجیہہ وتاویل ہے۔ جان لیں کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کی خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حصہ لینے کی اجازت دی گئی اس بزرگ کی روح کو بھی خدمت گاری کی اجازت دی اور پانی ڈالنے کی خدمت اس کے سپرد کی گئی۔ پھر ان کی جسمانی پیدائش کے بعد بلکہ ان کے کامل ہونے کے بعد انہیں اس معنی سے اطلاع دی گئی۔

جائز ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ارواح مجردہ کو ایسی قدرت عطا کرے کہ اُن سے افعال اجسام صادر ہوں اسی قبیل سے ہے وہ جو بعض اکابر نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے جو اُن سے اُن کے وجود عنصری میں آنے سے زمانہائے دراز پہلے صادر ہوئے۔ ان افعال کا صدور ان کی ارواح مجردہ سے ہوا تھا اور انہیں اس معنی پر اطلاع وجود عنصری میں آنے کے بعد حاصل[1] ہوئی۔

ایک گروہ کو اس طرح کے افعال کا صدور تناسخ کے وہم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حاشا وکلا کہ کسی اور جسم نے ان کی روح سے تعلق قائم کیا ہو۔ مجرد روح ہی ہے جو قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے بدن کا کام کرتی ہے اور مجرد لوگوں کو ضلالت وگمراہی میں ڈال دیتی ہے اس مقام میں گفتگو کی بہت گنجائش ہے۔ اور بہت سی تحقیقات فائض ہوئی ہیں۔ اگر توفیق ملی تو انشاء اللہ تعالیٰ ضبط تحریر میں لائی جائیں گی۔ فی الحال وقت نے مدد نہ کی۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ صاحب رشحات، رشحات میں لکھتا ہے۔ کہ جب خواجہ علاؤالدین[2] قدس سرہٗ نے مولانا نظام الدین[3] خاموش سے ناراض ہو کر ان سے نسبت سلب کرنے کا ارادہ کیا تو مولانا نے اس وقت

---

[1] اولیاء اللہ اور بندگان خدا کے تصرفات کے متعلق امام ربانی قدس سرہٗ کے اس عقیدہ کا غور وانصاف سے مطالعہ فرمائیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ عزیزان سب کہ پہلی انبیاء کی امتوں کے اولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وجود عنصری میں تشریف لانے سے قبل انہی روحانیت سے تربیت پکر دولت کے مقام پر فائز ہوتے رہے اللہ تعالیٰ بزرگوں کی یہی عقیدت وعظمت عطا کرے اور اس گروہ پاک کیساتھ اُٹھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ مترجم غفرلہٗ

[2] یعنی خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ آپ حضرت خواجہ بزرگ شاہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کے مرشد تھے۔

[3] مولانا نظام الدین قدس سرہٗ خواجہ علاؤالدین قدس سرہٗ کے افضل واکمل اصحاب سے تھے اور مولانا نے خواجہ بزرگ کی ولایت بھی کی تھی۔

آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے اتصال کی، اور حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت خواجہ کو ارشاد ہوا کہ نظام الدین ہمارا ہے۔ کسی کو بھی اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ صاحب رشحات اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے کہ بڑھاپے میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے مولانا سے نسبت سلب کرلی۔ مولانا نے کہا۔ خواجہ نے ہم کو بوڑھا پاکر سب کچھ ہم سے لے لیا۔ اور آخر کار ہم کو مفلس کر دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت رسالت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو اپنا بنالیں اور فرمائیں کہ کسی کو اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ حضرت خواجہ احرار اس پر کیسے تصرف کر سکتے ہیں۔ (جواب) جان لیں کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ قدس سرہٗ) اس نقل کو پسند نہیں کرتے تھے اور مولانا کے سلب نسبت کے بارے میں توقف کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ مولانا سعد الدین کاشغری کے جو مولانا نظام الدین کے مرید ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن (جامی) وغیرہ بہت سے مرید ہیں اور کسی نے بھی اس نقل کے متعلق لب کشائی نہیں کی۔ اور اس کے رد و قبول کا تذکرہ نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین علی (صاحب رشحات) نے یہ نقل کہاں سے لکھی ہے۔ اگر اس خبر میں صداقت ہوتی تو تواتر سے منقول ہوتی۔ کیونکہ اس طرح کی نقل کے بہت سے اسباب و ذرائع موجود تھے اور جب کہ تواتر سے منقول نہیں ہوئی بلکہ خبر واحد ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس کے سچا ہونے میں شک و تردد ہے۔ اور صاحب رشحات کی بعض اور روایات بھی صدق و سچائی سے دور ہیں۔ اور اس بلند سلسلہ کے لوگ ان نقول و روایات میں تردد و شک رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

نیز ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مفلس کر دینے کا لفظ سلب ایمان پر دلالت کرتا ہے (اللہ سبحانہٗ ہمیں اس سے بچائے) اور سلب ایمان کو جائز قرار دینا بہت مشکل ہے[1]

مکتوب نمبر ۲۹

فضیلت پناہ شیخ عبدالحق[2] دہلوی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اس دنیا کا بہترین سامان حزن و اندوہ ہے۔ اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمتیں الم و مصیبت ہیں

---

[1] کیونکہ کسی کا ایمان سلب کرنے کی کوشش ایک ادنیٰ مسلمان سے بھی بڑی حرکت ہے۔ اکابر دین سے ایسا واقع ہونا تو بہت ہی بعید از قیاس ہے۔ [2] شیخ وقت، مقتدائے زمان، حجۃ المحدثین، صاحب المآثر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ فقد وما ملکرما ! مصائب کے وارد ہونے کے وقت اگرچہ رنج و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن اس میں بہت سی عزت افزائیوں کی امید ہے۔ اس دنیا کا بہترین سامان حزن واندوہ اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمت الم و مصیبت ہے ان شکر پاروں کو دوائے تلخ کے باریک غلاف میں لپیٹا گیا ہے اور اس طرح ابتلا و امتحان کا راستہ کھولا گیا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی حلاوت و مٹھاس پر نظر کرتے ہوئے اس تلخی کو شکر کی مانند کھاتے ہیں۔ اور تلخی کو صفراء کے برعکس شیریں محسوس کرتے ہیں۔ دولتمند (صاحب بصیرت) لوگ محبوب کی دردرسانی میں اس قدر حلاوت و لذت پاتے ہیں کہ اس کے انعام میں وہ لذت متصور نہیں۔ اگرچہ دردرسانی اور انعام دونوں محبوب کی طرف سے ہیں۔ تاہم دردرسانی میں محب کے نفس کے لئے کچھ حصہ نہیں اور انعام میں نفس کی مراد کا حصول بھی ہے۔

طُبِیًا لِاُنَاسٍ بِاَبِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُھَا ۔ اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر۔ اور ان کے بعد کسی فتنے میں مبتلا نہ کر۔ آپ کا وجود شریف ضعف اسلام کے اس زمانے میں اہل اسلام کے لئے غنیمت ہے۔ اللہ سبحانہ تمہیں سلامتی اور بقا عطا فرمائے

والسلام

مکتوب نمبر ۳۰

خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا

ان کے خط کے جواب میں اور ان کے دو سوالوں کے جواب میں ایک نسبت رابطہ (تصور شیخ) اختیار کرنے اور دوسرا اپنے باطنی کام میں سستی کے بارے میں تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ صحیفہ گرامی جو دو عزیز اور اشرف بھائیوں نے ارسال کیا ہے موصول ہوا اور کیفیات احوال جو اس میں درج تھیں۔ پوری طرح معلوم ہوئیں۔

بقیہ حاشیہ:۔ ابوالمجد حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ واسطہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے اعاظم خلفاء میں سے ہیں۔ اور مشہور مستند تصانیف کے مصنف ہیں۔ محرم الحرام ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۰۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" سے اور تاریخ رحلت "فخر العالم" کے لفظ سے نکلتی ہے۔

ع نعمتوں والوں کو نعمتیں گوارا ہوں۔ (مؤلف عفی عنہ)

خواجہ محمد اشرف نے نسبت رابطہ (تصور شیخ) کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس حد تک غالب آچکی ہے کہ نماز میں بھی اسے اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے۔ اور اگر فرضاً نفی کرے تو منتفی نہیں ہوتا۔ اے محبت کے اطوار والے یہ دولت طالبان حق کی متمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں سے شاذ ایک کو نصیب ہوتی ہے اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحب استعداد اور تام المناسبت ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ مفتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کرلے۔ رابطے (تصور شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ مسجود[1] الیہ ہے مسجود لہٗ[2] نہیں ہے۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کا تصور سعادت مندوں کو میسر آتا ہے۔ تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ (مرشد کامل) کو اپنا ذریعہ جانیں۔ اور تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہیں۔ نہ اس بدنصیب گروہ کی طرح جو اپنے آپ کو (تصور شیخ سے) بے نیاز جانتا ہے اور اپنے قبلہ توجہ کو اپنے شیخ سے پھیر لیتا ہے۔ اور اپنے معاملے کو خراب اور تباہ کر دیتا ہے۔

دوسرے آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کی وفات کا لکھا تھا۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" فاتحہ پڑھی گئی اور پڑھنے کے دوران قبولیت کا اثر معلوم ہوا

مولانا حاجی محمد نے اظہار کیا تھا کہ قریب دو ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ باطنی کام کی مشغولیت میں فتور اور سستی واقع ہو چکی ہے۔ اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے تھا اب نہیں ہے۔ دوستی کے طور طریقوں والے! علم کرنے کی ضرورت نہیں اگر دو چیزوں میں فتور نہ ہو۔ ایک صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت میں دوسرے اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص میں۔ ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تو تب بھی ڈر کی بات نہیں آخر اسے ضائع نہیں کریں گے اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہٗ ان دو میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے۔ اگرچہ حضور اور جمعیت کی حالت میں رہے کہ یہ استدراج ہے۔ آخر کار اس کا انجام خراب ہے۔ اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے گریہ و زاری

---

[1] سجدے کی جہت [2] جس کو سجدہ کیا جائے اور وہ خدا تعالیٰ ہے

[3] مسئلہ تصور شیخ کے متعلق ان کا عقیدہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے اس خط سے واضح ہے۔ اس خط کو غور و توجہ سے بار بار پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے تصور شیخ کو کس قدر اہمیت دی ہے اور تصور شیخ کا اعتقاد نہ رکھنے والوں کو بدنصیب قرار دیا ہے۔ مولوی غلام رسول مہر کے بیان کے مطابق سید احمد بریلوی مرشد مولوی اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان و مراد مستقیم نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو صاف کہہ دیا کہ تصور شیخ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ بدنصیب گروہ کے عقائد سے محفوظ رکھے۔ مترجم غفرلہٗ

کے ساتھ ان دو باتوں پر استقامت و ثبات کی دعا کرتے رہیں کیونکہ یہی دو امر مدار کار اور مدار نجات ہیں آپ کو اور باقی تمام بھائیوں کو سلام علیکم خصوصاً محب قدیم مولانا عبدالغفور سمرقندی کو۔

مکتوب نمبر ۳۱

وعظ و نصیحت میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ فرزند عزیز! فرصت غنیمت ہے۔ چاہیے کہ بیفائدہ کاموں میں صرف نہ ہو۔ بلکہ فرصت کے سارے اوقات حق جل وعلا کی خوشنودی کے کاموں میں صرف ہونے چاہئیں۔ نماز پنجگانہ جمعیت و جماعت اور تعدیل ارکان کیساتھ ادا کرنی چاہیے۔ اور نماز تہجد کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور سحری کے استغفار کو بھی رائیگاں نہ چھوڑیں اور خواب خرگوش سے لذت گیر نہ ہوں۔ اور فانی لذتوں پر بھی فریفتہ نہ ہوں۔ اور موت اور احوال آخرت کی یاد اپنا نصب العین بنائیں مختصر یہ کہ دنیا سے روگردان اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ اور دنیا میں بقدر ضرورت مشغول ہوں۔ اور سارے اوقات تیاری آخرت کے کاموں سے آباد رکھیں۔ حاصل کلام یہ کہ دل ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہونا چاہیے۔ اور ظاہر احکام شرعیہ سے مزین و آراستہ رہنا چاہیے سہ کاراں[1] ست وغیراں ہمہ ہیچ۔ باقی حالات بخیر ہیں۔

والسلام

مکتوب نمبر ۳۲

مرزا قلیچ اللہ کی طرف سے اور فرمایا

اس کے عریضہ کے جواب میں جس میں اس نے اپنی باطنی جمعیت کی شکایت کی تھی اور اس کے

---

[1] اصل کام صرف یہ ہے کہ باقی سب ہیچ ہے۔

مناسب امور کے بیان میں

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ۔ عرض کرتا ہے کہ صحیفہ شریفہ جو آپ نے ماتم پرسی کے بارے میں لکھا تھا۔ موصول ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ ہم اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے اس کی قضا پر راضی ہیں تم بھی راضی رہو اور دعا اور فاتحہ کے ذریعہ ممد و معاون بنے رہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہاری خلاصی کی خبر مسرت و فرحت کا باعث ہوئی ہے۔ اور درد تکلیف دہ باتوں میں سے ایک بات سے آرام حاصل ہوگیا۔ اس پر اللہ سبحانہٗ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

آپ نے جمعیت باطن کی شکایت تحریر کی ہے ۔ ہاں باطن کے رد و بدل میں ظاہر کی پراگندگی کا بہت زیادہ دخل ہے ۔ جب باطن میں کدورت اور میل کچیل پائیں تو اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کریں۔ اور جب کوئی خوفناک صورت ظاہر ہو تو کلمہ تمجید۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ سے اسے دفع کریں اور معوذتین (سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کا اس وقت میں تکرار غنیمت ہے۔ باقی حالات لائق تعریف و حمد ہیں۔ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سبحانہٗ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور ہمیں اللہ سبحانہٗ کے پاس اہل روزخ کے حال سے پناہ مانگتا ہوں۔ فقیر پر کمزوری بدن کا اثر تھا اس بنا پر تفصیل سے حالات سپرد قلم نہیں کر سکا۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شاہراہ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر چلنے میں استقامت عطا کرے

والسلام

مکتوب نمبر ۳۳

مولانا محمد صالح کو لاہور کی طرف صادر فرمایا ۔

اس بیان میں کہ محبوب تمام حالات میں محب کی نظر میں محبوب ہوتا ہے ۔ چاہے انعام فرمائے چاہے درد و تکلیف میں مبتلا کرے۔ بلکہ تھوڑے سے اہل اللہ ایسے بھی ہیں کہ درد رسانی اُن کے لئے انعام سے زیادہ محبت بخش ہے اور حمد کی شکر پر فضیلت کا بیان اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اخوی ، اعزی مولانا محمد صالح کو معلوم ہونا چاہیئے کہ محبوب

محب کی نگاہ میں بلکہ واقع میں ہر وقت محبوب ہی ہوتا ہے اور محبوب کے تمام حالات بھی محبوب ہوتے ہیں اگر درد و رنج میں مبتلا کرے تو بھی محبوب ہے اور اگر انعام و مہربانی فرمائے تب بھی محبوب ہے۔ اکثر لوگوں کے نزدیک جو دولت محبت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ وقتِ انعام میں محبوب کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ درد و رنج عطا کرنے کی حالت کی نسبت یا دونوں وقت برابر ہوتے ہیں۔ لیکن بہت تھوڑی تعداد میں ایسے اہل اللہ بھی ہیں۔ جن کا معاملہ برعکس ہے۔ اُن کے نزدیک درد رسانی انعام کی نسبت زیادہ محبت بخش ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کا مقدر محبوب کیساتھ حسن ظن ہے۔ حتیٰ کہ اگر محبوب محب کے گلے پر چھری چلائے اور اس کے ہر عضو کو دوسرے عضو سے جدا کر دے تو بھی محب اس کارروائی کو اپنی عین بہتری جانے گا۔ اور اس میں اپنی بھلائی تصور کریگا اور حسن ظن کے حصول کی وجہ سے محبوب کے فعل کی ناپسندیدگی محب کی نظر سے اُٹھ گئی تو محبت ذاتی کی دولت سے جو حبیب رب العالمین علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے مقرا ہے، مشرف ہو گیا۔ اور درد رسانی میں انعام محبوب کی زیادہ لذت و فرحت پائی۔ میرا گمان ہے کہ یہ مقام مقامِ رضا ہے اوپر ہے۔ کیونکہ رضا میں محبوب کے درد رسانی کے فعل کی ناپسندگی کا رفع ہے۔ اور اس میں درد رسانی کے فعل سے لذت گیر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ محبوب کی جانب سے جس قدر جفا بلند اور زیادہ ہوگی۔ محب کی جانب سے فرحت و سرور اور زیادہ ہوگا۔ اور ان دونوں مقاموں میں بہت فرق ہے۔ اور جب کہ محبوب محب کی نظر میں بلکہ نفس امر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے تو لازماً ہر وقت اور ہر حال میں اس کی نظر میں بلکہ واقع اور نفس امر میں محمود اور ممدوح بھی ہوگا اور محب اس کی طرف سے درد رسانی اور انعام کی حالت میں اس کی مدح کرنے والا اور ثنا خواں ہوگا۔ تو اس وقت اس محب صادق کے لئے درست ہوتا ہے کہ وہ صادق اور مصدوق کی حالت میں کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ۔ یعنی سب تعریفیں ہر حال میں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اور یہ محب خوشی اور تکلیف کی حالت میں حقیقۃً اللہ سبحانہٗ کی حمد کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ شاید حمد کو شکر پر فضیلت اسی جہت سے ہے۔ کیونکہ شکر میں منعم کا انعام ملحوظ ہوتا ہے۔ جو صفت ملکہ فعل کی طرف رجوع کرتا ہے اور حمد میں محمود کا حسن و جمال ملحوظ ہوتا ہے۔ برابر ہے کہ وہ حسن و جمال ذاتی ہو یا وصفی یا فعلی۔ اور برابر ہے کہ اس کی طرف سے انعام ہو یا ایلام (درد رسانی) کیونکہ اللہ سبحانہٗ کا رنج میں ڈالنا بھی اس کے انعام کی طرح اچھا اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے حمد ثناء میں زیادہ بلیغ، مراتبِ حسن و جمال میں زیادہ جامع۔ اور خوشی اور غمی کی دونوں حالتوں میں زیادہ بقا رکھتی ہے بخلافِ شکر کے کہ وہ حمد کے مقابلہ میں کم درجہ ہونے کے باوجود جلد زائل ہونے والا اور انعام و احسان کے ساتھ

کے ساتھ ختم اور معدوم ہو جاتا ہے۔

سوال۔ تو نے اپنے بعض مکتوبات[1] میں لکھا ہے۔ کہ مقام رضا مقام محبت اور مقام حُب سے سے اوپر ہے۔ اور اس مکتوب میں لکھا ہے کہ یہ مقام محبت مقام رضا سے اوپر ہے۔ ان دو باتوں میں موافقت و مطابقت کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب۔ یہ مقام محبت اور مقام حُب اس مقام محبت و مقام حُب سے وراء ہے کیونکہ وہ مقام اجمالاً و تفصیلاً نسبتوں اور اعتبارات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس محبت کو محبت ذاتی کہتے ہیں۔ اور اس حُب کو حُب ذات تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ وصال شیون و اعتبارات سے قطع نظر نہیں ہے بخلاف اس مقام کے کہ یہ نسبتوں اور اعتبارات سے معرّا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور وہ جو بعض مکتوبات میں درج ہوا ہے۔ کہ مقام رضا سے اوپر کسی کے قدم رکھنے کی جگہ نہیں مگر خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلی آلہ کل الصلوٰت والتسلیمات کے لئے۔ تو وہ اصل یہ اُس مقام سے عبارت ہے۔ جو حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقائق الامور کلہا۔

جاننا چاہیے۔ کہ ظاہر میں کسی شے سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا باطن میں رضا اور پسندیدگی کے منافی نہیں اور صورت کی تلخی حقیقت کی حلاوت کی نفی نہیں کرتی۔ اس لئے کہ عارف کامل کے ظاہر اور اس کی صورت کو صفاتِ بشریت پر ہی رہنے دیا گیا ہے تاکہ اس کے کمالات کی پردہ پوشی رہے اور لوگوں کیلئے ابتلاء اور آزمائش پیدا کرے اور حق والا باطل والے سے ملا جلا رہے۔ عارف کامل کے ظاہر اور صورت کی اس کے باطن اور حقیقت کے ساتھ ایسی نسبت ہے۔ جیسے اکہیرا کپڑا پہننے والے سے نسبت رکھتا ہے اور یہ بات سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کپڑے کی پہننے والے شخص کے ساتھ کس قدر نسبت ہے (یعنی کپڑا بالکل ایک الگ چیز ہے اور پہننے والا ایک الگ شئی) یہی حال عارف کامل کے ظاہر کا اس کی حقیقت اور باطن کے ساتھ ہے۔ عارف کامل کی اس ظاہری صورت کو بصیرت سے اندھے لوگ[2] بے جان پہاڑ اور اپنی مانند بے حقیقت صورتوں کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اسی بناء پر اہل اللہ کے انکار میں مبتلا ہوتے اور محرومی حاصل کرتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفےٰ

---

[1] یعنی دفتر دوم کے مکتوبات نمبر ۶۰ میں کہ اس مکتوب میں آپ نے فرمایا ہے "مرتبہ رضا فوق المرتبہ المحبت ہے" الخ

[2] انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو اپنی شل جانے اور رشک لگانے والے لوگ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے بیان کے مطابق بصیرت سے اندھے ہیں اور انکے فیض و برکت سے اپنی اس کور باطنی کی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ادب و احترام کی توفیق عطا کرے۔ مترجم غفرلہٗ

مکتوب نمبر ۳۴

نور محمدؒ تمہاری کی طرف صادر فرمایا

اس کے عریضہ کے جواب میں جو اس نے مختلف احوال کے وارد ہونے کے بارے میں لکھا تھا

الحمدُ للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے کثرت سے وارد ہونے والے احوال کے متعلق جو لکھا ہے ۔ اس سے پوری طرح آگاہی ہوئی۔ جان لیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ جس طرح عالم میں داخل نہیں اس سے خارج بھی نہیں اور جس طرح عالم سے منفصل نہیں عالم کے ساتھ متصل بھی نہیں ۔ وہ بلند ذات موجود ہے ۔ لیکن یہ تمام صفات دخول ، خروج اور اتصال وانفصال اس سبحانہٗ سے مسلوب ہیں ۔ اس پاک ذات کو ان چاروں صفات سے خالی تلاش کرنا چاہیئے اور اس بلند ذات کو ان صفات سے باہر پانا چاہیئے ۔ اگر ان صفات کی کچھ بھی آمیزش موجود ہے تو پھر ضلال وضلال میں گرفتاری پائی جاتی ہے ۔ لہٰذا بے چونی و بے چگونی کی صفت کیساتھ جس میں خلقیت کی گرد تک نہ ہو ۔ اس بلند ذات کو طلب وتلاش کرنا چاہیئے ۔ اور اس مرتبہ کیساتھ بے چونی اور بے کیفی کی کا اتصال پیدا کرنا چاہیئے ۔ یہ دولت شیخ کامل مکمل کی صحبت کا نتیجہ ہے ۔ کہنے اور لکھنے سے یہ بات درست نہیں ہوتی ۔ اور اگر لکھے تو کون سمجھے گا ۔ اور کون پائے گا ۔ اپنے کام میں سرگرم رہیں اور ملاقات کے وقت تک احوال کی کیفیات لکھتے رہیں ۔

والسلام

مکتوب نمبر ۳۵

پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

اس کے ان استفسارات کے جواب میں جو اس نے بطرز خاص توحید اور عین الیقین کے متعلق کئے تھے ۔ اور

اس کے مناسب امور کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات جناب مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض کرتا

ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ موصول ہوا۔ اس کے مطالعہ سے بہت ہی فرحت حاصل ہوئی۔ اس مکتوب میں نسبت کے شہود اور حضور اور غلبہ کا اندراج کیا تھا۔ یہ حالت بہت نیک اور مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین ماہ کے عرصہ میں میسر آئی ہے۔ دوسرے سلسلوں میں اگر دس سال میں بھی میسر ہو جائے تو اسے دولت عظمیٰ اور عظیم کام تصور کرتے ہیں۔ اس نعمت کا شکر بجا لانا چاہیے اور جب کہ یہ فقیر جانتا ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے۔ اور اس قسم کے احوال کی تحسین اور مدح سے شائبہ عجب و خود پسندی سے مبرا ہیں۔ اس بنا پر اس نعمت کا اظہار کیا گیا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [1] اگر تم لوگ شکر گزار بنو گے تو میں بالضرور تمہیں زیادہ نعمتیں عطا کروں گا۔

نص قطعی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ توحید کی ابتداء کا ظہور شروع ہو گیا ہے۔ یہ دولت بھی مبارک ہو۔ اس نئی وارد ہونے والی نعمت کو ادب سے قبول فرمائیں۔ لیکن اس حال کے غلبہ میں آداب شریعہ کی خوب رعایت کریں اور حقوق بندگی کما حقہٗ ادا کرتے رہیں۔ اور جان لیں کہ صدق و صحت کی صورت میں یہ شہود محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ہے کیونکہ محب جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے محبوب کو ہی دیکھتا اور جانتا ہے اور جس سے بھی لذت و ذوق پذیر ہوتا ہے اسے محبوب کی طرف ہی منسوب کرتا ہے۔ اس صورت میں محب کا مشہود کثرت ہے۔ لیکن وحدت کے عنوان میں اس لئے اس مقام میں فنا متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ شہود واحد کے غلبہ کے واسطہ سے فنا میں شہود کثرت بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی کثرت ممکنات کے عدم شہود کی نسبت سے فنا کا نام دیتے ہیں۔ حقیقی فنا اس وقت متحقق ہوتی ہے۔ جب کہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کی کثرت بھی مکمل طور پر نظر سے پوشیدہ ہو جائے۔ اور اس بلند ذات کی مجرد احدیت کے سوا کوئی چیز ملحوظ و منظور نہ رہے۔ سبحانی اللہ کی پوری حقیقت یہاں آکر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور ظلال کی گرفتاری سے بالکلیہ آزادی کی صورت یہاں پیدا ہوتی ہے اور اس وقت معاملہ اصل اصول سے جا پڑتا ہے۔ اور وال سے مدلول تک پہنچ جاتا ہے اور علم سے عین اور گوش سے آغوش تک عروج حاصل ہو جاتا ہے اور وصل عریاں متحقق و موجود ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح آگے عروج کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ و شانزدہ کے بغیر اور وہ بھی مبہم طریقے سے اور سر آستین میں چھپائے اس مقام کے بارے لب کشائی نہیں ہو سکتی۔ مخدوم زادہ ہم سے عین الیقین کی وضاحت طلب کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ عین علم میں سما جائے۔ مشکل کام ہے کیا کرے اور کیا کہے اور

---

[1] سورہ ابراہیم۔ پارہ وَمَا أُبَرِّئُ

اس کی کس طرح وضاحت کرے۔ اور عقل میں لائے۔ امید ہے کہ مخدوم زادہ صاحب از راہ کرم معذور قرار دیں گے۔ اور طالب علم سے طالب حال کی طرف آئیں گے۔

مخدوم زادہ صاحب نے جو دو سوال کئے ہیں ان کی بلند فطرتی کی خبر دیتے ہیں۔ ایک سوال بطرز خاص عین الیقین کے بیان سے متعلق تھا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور دوسرا سوال متشابہات قرآنی کی تاویل کے بیان سے متعلق تھا۔ جن کا علم علمائے راسخین کا حصہ ہے۔ دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے بھی زیادہ دقیق، زیادہ پوشیدہ اور اور پوشیدہ رکھنے کے لائق ہے اور ظہور و اظہار کے منافی۔

تاویل متشابہات کا علم ان معاملات سے کنایات ہیں جو رسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور امتیوں میں سے بہت ہی قلیل افراد کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے حصہ عطا کرتے ہیں۔ اور اس دنیا میں ان امتیوں پر متشابہات کی تاویل کے جمال کا کچھ نقاب اٹھاتے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایک بہت بڑا گروہ تبعیت کے طور پر امتیوں میں سے اس دولت سے بہرہ ور ہوگا۔ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ان قلیل کے علاوہ بعض دوسروں کو بھی روا ہے کہ اس دولت سے مشرف کریں لیکن حقیقت معاملہ کا علم عطا نہیں کرتے اور تاویل کو منکشف نہیں کرتے۔ بالجملہ جائز ہے کہ متشابہات کی تاویل ان بعض کو حاصل ہو۔ لیکن نہیں جانتا کہ کیا حاصل ہے۔ کیونکہ متشابہات جو معاملات سے کنایات و اشارات ہیں۔ روا ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو اور اس معاملہ سے علم حاصل نہ ہو۔ فقیر نے اس معنی کا اپنے خادموں میں بھی مشاہدہ کیا ہے۔ دوسروں کی یہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ تمہارے سوال نے اس معاملہ کا امیدوار بنا دیا ہے۔ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل کر اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو ہر شے پر قادر ہے

والسلام

مکتوب نمبر ۳۶

خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا

امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذاہب کی تنقیح کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اہل سنت ہی اعتدال پر ہیں۔ اور اس افراط و تفریط سے بیان میں جو روافض و خوارج سے ہوئی ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی مدح و ثنا اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم - بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات - عرض کرتا ہے کہ درویشوں سے محبت، اُن سے ارتباط والفت، اس بلند گروہ کی باتیں غور سے سننے کی رغبت اور پاکیزہ طبقہ کے اوضاع واطوار کی طرف میلان رکھنا خداوند جل سلطانہ کی عظیم وجلیل نعمتوں میں سے ہے اور خدا تعالیٰ کی اعظم دولتوں میں سے مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان اُن کے ساتھ ہوگا جن سے اُسے محبت تھی"

پس ان کا محب ان کے ساتھ ہے اور حریم قرب کے حرم میں ان کا طفیلی۔ توفیق آثار سعادت اطوار فرزندی، خواجہ شرف الدین حسین نے ظاہر کیا ہے کہ یہ اوصاف حمیدہ آپ میں پراگندہ تعلقات کے باوجود جمع ہیں اور پسندیدہ معانی بیخانہ کاموں میں گرفتاری کے باوجود جناب میں موجود ہیں اس میں اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ آپ کی صلاح اور درستی جماعت عظیم کی صلاح اور درستی ہے اور آپکی فلاح وکامیابی جمع کثیر کی فلاح وکامیابی کو مستلزم ہے۔ خواجہ شرف الدین حسین نے بتایا تھا کہ آپ میری باتوں سے آشنا ہیں اور میرے علوم کو کان لگا کر سننے کی رغبت رکھتے ہیں اور چند کلمات میں آپ کی جناب میں لکھوں تو بہتر ہوگا۔ لہٰذا التماس کرنے والے کی بات مانتے ہوئے چند کلمات لکھے گئے ہیں۔

آج کل امامت کی بحث بہت چھڑی ہوئی ہے اور ہر شخص اپنے گمان اور تخمینے سے باتیں کرنے میں مصروف ہے۔ اس لئے ضرورت کے مطابق اس بحث سے متعلق چند سطور لکھی گئی ہیں۔ اور مذہب اہل سنت وجماعت اور مخالفین کے مذاہب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

نجابت وبزرگی کے نشانات والے! اہل سنت وجماعت کی علامات سے ہے۔ شیخین (ابوبکر وعمر) کو فضیلت دینا اور حضور کے دو دامادوں (عثمان وعلی) سے محبت رکھنا۔ شیخین کو افضل جاننے کا عقیدہ جب کہ ختنین (عثمان وعلی) کی محبت کے ساتھ جمع ہو تو یہ اہل سنت وجماعت کے خصائص میں سے ہے۔ شیخین کو افضل قرار دینے کا عقیدہ صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اسے اکابر آئمہ نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ ابوبکر وعمر کا باقی سب امت سے افضل ہونا قطعی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے اپنی خلافت وحکومت کے وقت ایک بہت بڑے گروہ میں فرمایا کہ ابوبکر وعمر اس امت میں سب سے افضل وبہتر ہیں۔ جیسا کہ امام ذہبی نے کہا ہے۔

اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل وبہتر مرد ابوبکر ہیں پھر عمر پھر ایک اور شخص۔ اس پر آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ نے کہا "ایک اور شخص" آپ ہیں تو آپ نے فرمایا میں تو مسلمان مردوں میں سے ایک مرد ہوں۔ مختصر یہ کہ شیخین کی تفضیل کثیر اور معتبر راویوں سے شہرت وتواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے۔ اس کا انکار یا از راہ جہالت ہے یا از راہ تعصب

اور عبد الرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ جب انکار کی مجال و جرأت نہ کر سکا تو بے اختیار تفضیل شیخین کا قائل ہوا۔ اور کہنے لگا۔ جب علی نے شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دی ہے تو میں بھی اس کے فضیلت دینے سے اس پر ان کو فضیلت دیتا ہوں۔ اور اگر علی تفضیل شیخین کے قائل نہ ہوتے تو میں بھی ان کی افضلیت کا قائل نہ ہوتا۔ یہ گناہ ہے کہ محبت علی کا دعویٰ کروں اور پھر اس کی مخالفت کروں۔

اور جب زمانہ خلافت ختنین (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) میں فتنوں کا ظہور اور لوگوں کے امور میں خلل بہت زیادہ پیدا ہو چکا تھا اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں بیحد کدورت اور مسلمانوں میں عداوت و کینے کا غلبہ ہو چکا تھا۔ اس ضرورت کے تحت ختنین کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کے شرائط میں سے شمار کیا جانے لگا تاکہ کوئی جاہل اس راستے سے خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کیساتھ بدظنی کا راستہ نہ نکال سکے۔ اور پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کیساتھ بغض و عداوت کی راہ ہموار نہ کرے۔ پس حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اہل سنت و جماعت ہونے کی شرط لازم قرار پائی۔ اور جو شخص اس محبت سے خالی ہے اہل سنت و جماعت سے خارج ہے اور خارجی کے نام سے موسوم ہے اور جس شخص نے محبت امیر میں جانب افراط اختیار کی اور جتنا چاہیے اس سے زیادہ کچھ کا قائل ہوا۔ اور اس محبت میں غلو سے کام لیا اور اصحاب خیر البشر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دشنام طرازی اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کی اور صحابہ کرام، تابعین، عظام اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ کو چھوڑا اس نے رافضی نام پایا۔ پس اہل سنت و جماعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اس افراط و تفریط سے جو روافض و خوارج نے اختیار کی الگ ہیں۔ اور اعتدال کی راہ چلتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ حق افراط و تفریط کے درمیان ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے علی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے کہ یہود اس کے دشمن ہوئے یہاں تک کہ اس کی والدہ پر بہتان تراشی کی اور نصاریٰ اس کے یہاں تک دوست ہوئے اور اُسے اس حد تک پہنچا لے آئے کہ اُسے وہ مرتبہ دے دیا جو اس کا نہیں تھا یعنی ابن اللہ قرار دے دیا۔ اسکے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے متعلق عقیدے میں دو گروہ ہلاک اور تباہ ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو میری محبت میں حد سے بڑھ گیا۔ اور جو کچھ مجھ میں نہیں میرے لئے ثابت کیا اور دوسرا وہ جس نے مجھ سے دشمنی کی اور عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان تراشی کی۔ تو خوارج کے حوال کو آپ نے یہود سے تشبیہ دی اور نصاریٰ کے حال کو روافض سے کہ دونوں حق وسط سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت و جماعت

کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبتوں میں سے نہ جانتا ہو۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کو شیعوں کے ساتھ مخصوص رکھتا ہو۔ حضرت علی کی محبت شیعیت نہیں ہے۔ خلفاء ثلثہ کی شان میں تبرا بازی رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزاری، مذموم و قابل ملامت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

لَوْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّيْ رَافِضٌ

یعنی آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت رفض نہیں جیسا کہ لوگوں کا گمان ہے اور اگر اسی محبت کا نام رفض ہے تو پھر اس طرح کا رفض مذموم نہیں ہے۔ اس لئے رفض (مذموم) دوسروں کی تبرا بازی کی راہ سے آتا ہے۔ نہ کہ اہل بیت کی محبت کی راہ سے رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے محب اہل سنت ہیں اور فی الحقیقت اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں۔ شیعہ جو رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی محبت کا دعوے کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہل بیت کا گروہ تصور کرتے ہیں۔ اگر اہل بیت کی محبت پر ہی اکتفا کریں اور دوسرے صحابہ سے بیزاری کا اظہار نہ کریں اور تمام اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کریں تو یہ درست ہے اور صحابہ کرام کے باہمی اختلافات و تنازعات کو اچھے معانی پر محمول کریں تو اہل سنت میں داخل ہیں اور روافض و خوارج سے باہر ہیں۔ کیونکہ اہل بیت کرام سے محبت نہ رکھنا خروج یعنی خارجی بنتا ہے اور صحابہ سے بیزاری رفض ہے اور تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ساتھ اہل بیت سے محبت رکھنا سنیت ہے۔ مختصر یہ کہ رفض و خروج کی بنا اصحاب رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے بغض رکھنے پر ہے اور سنیت کی بنا صحابہ رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے محبت پر۔ صاحب انصاف عقلمند ہرگز بغض صحابہ کو ان کی حب پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اور پیغمبر علیہ السلام سے دوستی کیوجہ سے سب کو دوست رکھے گا۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ (الحدیث)	جو شخص میرے صحابہ کرام سے محبت رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور اور جو ان سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے بغض

لہ اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

عداوت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ اہل سنت کے حق میں عدم محبت اہل بیت کا کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزو ایمان ہے اور سلامتی خاتمہ کو اس محبت کی پختگی کے ساتھ انہوں نے وابستہ کیا ہے۔

اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے۔ اکثر اوقات اہل بیت سے محبت رکھنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے لہذا اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ ان کی مرض موت میں یہ فقیر حاضر و موجود تھا۔ جب ان کا معاملہ آخر وقت کو پہنچا۔ اس جہان کا شعور و احساس کم رہ گیا تو فقیر نے اس وقت ان کو ان کی بات یاد دلائی۔ اور اس محبت کے متعلق استفسار کیا آپ نے اس بے خودی کے عالم میں فرمایا۔ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت خدائے عزوجل کا شکر بجا لایا گیا۔ اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے۔ مخالفین اہل سنت اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اور اس متوسط و معتدل محبت سے جاہل ہیں۔ انہوں نے خود ہی جانب افراط اختیار کی ہے۔ پھر اس افراط کے ماوراء کو تفریط گمان کرتے ہوئے خروج کا حکم دے دیا ہے۔ اور اسے خوارج کا مذہب قرار دیدیا ہے۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حد وسط ہے۔ جو مرکز حق اور جائے صدق ہے اور یہ اہل سنت ہی کا حصہ قرار پا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول کرے۔

تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت نے قتل کیا اور اہل بیت کے دشمنوں کی تاریخ کتنی بھی انہوں نے کی ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام و نشان بھی نہ تھا اور اگر تھا بھی تو نہ ہونے کے برابر۔ مگر یہ لوگ اپنے زعم فاسد سے اہل بیت کا محب رفضہ کو تصور کرتے ہیں۔ اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ کبھی تو اہل سنت کو خوارج میں سے شمار کرتے ہیں جو افراط محبت نہیں رکھتے اور کبھی ان بزرگوں میں نفس محبت کا احساس کرتے ہوئے انہیں روافض سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہذا ان رافضیوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اہل سنت کے اولیاء و عظام کو جو اہل بیت کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ آل محمد علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی حب کا انکار کرتے ہیں۔ روافض میں گمان کرتے ہیں۔ اور اہل سنت میں سے بہت سے علماء کرام کو جو اس محبت میں افراط سے روکتے ہیں اور حضرات خلفاء ثلثہ کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں۔ خارجی جانتے ہیں۔ ان کی نامناسب جراتوں پر افسوس ہزار افسوس — اللہ تعالیٰ ہمیں اس محبت میں افراط و تفریط سے بچائے۔

یہ افراط محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ خلفاء ثلثہ وغیرہم سے بیزاری و نفرت کو حضرت امیر کی محبت کی شرط

قرار دیتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ کیا محبت ہے جس کے حصول کی شرط پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں سے بیزاری ہو۔ اور اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کو دشنام طرازی اور اُن پر لعن طعن ہو۔ اہل سنّت کا یہی گناہ ہے کہ وہ اہل بیت کی محبت کیساتھ ساتھ سرور کائنات کے سب صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی تعظیم و توقیر بھی بجالاتے ہیں۔ اور صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی ان کی باہمی مخالفتوں اور تنازعات کے باوجود بُرائی سے یاد نہیں کرتے۔ اور صحبتِ پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم اور اُن کے حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی ہونے کی عزت کی بناء پر انھیں خواہش اور تعصب سے دور جانتے ہیں۔ حق والے کو حق پر تسلیم کرتے ہیں اور غلط کو غلط کہتے ہیں لیکن اس کی غلطی کو ہوا و ہوس سے دور رکھتے ہیں۔ اور فکر و اجتہاد کے سپرد کرتے ہیں۔ روافض اہل سنت سے اس وقت خوش ہوں گے جبکہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے صحابہ کرام سے بیزاری دکھائیں اور ان اکابر دین سے بدگمان ہو جائیں۔ جس طرح خوارج کی خوشنودی اہل بیت سے عداوت اور آل محمد علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات کیساتھ بُغض رکھنے سے وابستہ ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔

اکابر اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات آپس میں لڑائیوں اور جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک جماعت دلیل اور اجتہاد کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق پر ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ دوسری جماعت دلیل و اجتہاد کیساتھ آپ کے مخالفین کو حق پر تصور کرتی تھی اور تیسری جماعت اس بارے میں متوقف تھی۔ اور اس نے کسی بھی جانب کو دلیل سے ترجیح نہ دی۔ پس پہلی جماعت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد و نصرت ضروری تھی کیونکہ وہ ان کے اجتہاد کے موافق درستی پر تھے۔ اور گروہ پر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مخالف گروہ کی نصرت لازم تھی۔ کیونکہ ان کے اجتہاد کا یہی تقاضا تھا اور تیسرے گروہ کیلئے توقف کا راستہ اختیار کرنا ضروری تھا اور کسی ایک جانب کو ترجیح دینا خطا میں داخل تھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔ اور جو کچھ ان پر لازم و ضروری تھا بجا لائے۔ لہٰذا ملامت کی کیا گنجائش ہے اور ان پر طعن و تشنیع کہاں مناسب ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے " یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں "۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کے حق ہونے اور دوسرے کے خطا پر ہونے کے متعلق بھی لب کشائی نہیں کرنی کرنی چاہیئے اور سب کو صرف نیکی کیساتھ یاد کرنا چاہیے۔

اور اسی طرح حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔

اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا[1] ۔ جب میرے اصحاب کا ذکر کرو۔ تو اپنی زبانوں کو بند رکھو

یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر ہو اور ان کے تنازعات کے تذکرے چھڑیں تو تم احتیاط کرو۔ اور انھیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو۔

لیکن جمہور اہل سنّت اس دلیل کی بناء پر جو انھیں معلوم ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حق حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھا اور آپ کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا چونکہ خطا اجتہادی ہے اس لئے ملامت وطعن سے دور اور تشنیع وتحقیر سے پاک ومبرّا ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی ہے وہ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ انھیں تاویل کی گنجائش حاصل ہے جو انھیں کفر وفسق سے بچاتی ہے۔ پس اہل سنّت اور شیعہ دونوں حضرات امیر سے لڑنے والوں کو خطاکار کہتے ہیں۔ اور دونوں ہی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی حقیقت کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اہل سنت لفظ خطا اور وہ بھی تاویل پر مبنی سے زیادہ حضرت امیر سے لڑنے والوں کے حق میں کچھ تجویز نہیں کرتے۔ اور زبان کو طعن وتشنیع سے بچاتے ہیں۔ اور صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے حق میں حفاظت کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ[2] ۔ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد انھیں نشانہ نہ بنانا

یعنی میرے صحابہ کے بارے میں خدا جل سلطانہٗ سے ڈرو۔ خدا جل سلطانہٗ سے ڈرو۔ تاکید کی غرض سے یہ کلمہ آپ نے تکرار سے فرمایا۔ میرے صحابہ کو اپنی ملامت کے تیر کا نشانہ نہ بنانا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ

جس کی اقتدا کروگے۔ ہدایت پاؤگے

اور بھی بہت سی احادیث تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتوقیر میں وارد ہوئی ہیں۔ پس تمام صحابہ کو معزز ومکرم جاننا چاہیے۔ اور ان کی لغزشوں کو اچھے مطالب پر محمول کرنا چاہیئے۔ یہ ہے اس مسئلہ میں اہل سنّت کا مذہب۔ اور شیعہ اس باب میں غلو کرتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور

---

[1] طبرانی بروایت مسعود ثوبان رضی اللہ عنہما اور ابن عدی بروایت عمر رضی اللہ عنہ

[2] ترمذی شریف

قسم قسم کی طعن و تشنیع اور مختلف گالیوں سے اپنی زبانوں کو آلودہ کرتے ہیں۔ اگر مقصود حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب حقیقت کا اظہار اور جنگ کرنے والوں کی خطا کا اظہار ہے۔ تو پھر اس مقصد کے لئے اہل سنّت نے جو موقف اختیار کیا ہے۔ کافی ہے۔ اور وہ حدِ عدالت و اعتدال ہے۔ اکابر دین کو گالیاں دینا اور طعن و تشنیع کرنا دیانت اور دینداری سے دور ہے جیسا کہ رافضیوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اور اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کو گالیاں دینا انہوں نے اپنا دین و ایمان قرار دے رکھا ہے۔ عجب دین ہے۔ کہ اصحاب و جانشینان پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کو گالی دینا ان کا جزو اعظم ہے۔

بدعتی گروہ جنہوں نے مختلف بدعات اختیار کی ہیں۔ اور اہل سنّت سے جدا ہوئے ہیں۔ ان تمام گروہوں کے درمیان فرقہ خوارج و روافض درست معاملہ اور حق سے دور جا پڑے ہیں۔ وہ گروہ جو اکابر دین کو گالیاں دینا اور طعن کرنا ایمان کا جزو اعظم تصور کرتا ہو، ایمان سے کیا حصہ رکھے گا۔ روافض کے بارہ فرقے ہیں۔ اور سب کے سب اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی تکفیر کرتے اور خلفاء راشدین کو گالی دینا عبادت جانتے ہیں۔ یہ جماعت اپنے اوپر لفظِ رفض کے اطلاق سے گریز کرتی ہے۔ اور روافض اپنے سوا اوروں کو قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ روافض کے حق میں احادیث کے اندر بہت وعیدیں وارد ہیں۔ کاش کہ رفض کے معنی سے بھی اجتناب کرتے۔ اور اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتحیات سے بیزاری اختیار نہ کرتے۔ ہندوستان کے ہندو اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں۔ اور لفظ کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے۔ اور کفار دارالحرب میں رہنے والوں کو گمان کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ دونوں قسمیں کفار ہیں۔ اور حقیقت کفر سے موصوف۔

ان رافضیوں نے شاید پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے اہل بیت کو اپنی طرح سمجھ رکھا ہے۔ اور انہیں بھی ابوبکر و عمر کا دشمن خیال کر لیا ہے۔ اور اس گروہ شیعہ نے تقیہ کے مطابق جو ان کا مسلک ہے۔ اہل بیت کو بھی منافق اور دھوکا باز گمان کرتے ہیں۔ اور اعتقاد کیا ہوا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس سال تقیہ کے طور پر خلفاء ثلثہ سے منافقانہ طریقہ سے ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہے ہیں۔ اور ناحق ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے۔ اگر اہل بیت رسول کی محبت رسول پاک علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات سے محبت کیوجہ سے ہے تو چاہیئے کہ رسول کے دشمنوں سے بھی دشمنی رکھیں۔ اور انہیں گالی اور ان پر لعنت اہل بیت کے دشمنوں کو گالی دینے اور ان پر لعنت

سے زیادہ کریں۔ ابوجہل کے بارے جو دشمن رسول ہے "علیہ الصلوات والتسلیمات" اور انواع واقسام کے آزار اور بے شمار زیادتیاں آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام سے کیں، اس گروہ شیعہ سے کسی نے نہیں سنا ہے کہ اسے گالی دی ہو اور لعنت کی ہو۔ اور اس کی برائیاں بیان کرنے میں لب کشائی کی ہو ابوبکر صدیق کو جو رسول اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کو تمام مردوں سے زیادہ پیارے تھے۔ اپنے زعم فاسد میں دشمن اہل بیت قرار دے کر اس کی شان میں سب وطعن سے زبان درازی کرتے اور نامناسب امور اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کیا دیانت اور دینداری ہے۔ خدا جل شانہ نہ کرے کہ ابوبکر وعمر اور باقی صحابہ کرام اہل بیت رسول علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے دشمن ہوں۔ اور آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھیں کاش کہ یہ اہل بیت کے دشمنوں کو گالیاں دیتے اور اس مذموم فعل کے لئے اکابر صحابہ کرام کے اسماء گرامی منتخب نہ کرتے۔ اور ان بزرگوں سے بدظنی پیدا نہ کرتے۔ اس صورت میں اس باب میں ان کی مخالفت اہل سنت سے ختم ہو جاتی۔ کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ اور ان کی طعن وتشنیع کے قائل ہیں۔

یہ اہل سنت کی خوبی ہے۔ کہ شخص معین کو جو انواع کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام وتوبہ کے احتمال سے دوزخی نہیں کہتے۔ اور لعنت کا اطلاق اس کے لئے جائز قرار نہیں دیتے۔ کافروں پر عموماً لعنت جائز سمجھتے ہیں لیکن کسی معین کافر پر اس وقت تک لعنت کرنا جائز نہیں رکھتے۔ جب تک اس کا سوء خاتمہ دلیل قطعی سے معلوم نہ ہو جائے۔ اور روافض بے تحاشا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر لعنت کرتے اور اکابر صحابہ کو گالیوں اور طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو راہ راست اختیار کرنے کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام پر اہل سنت اور مخالفین میں اختلاف عظیم پایا جاتا ہے۔ بمقام اول یہ ہے۔ اہل سنت چاروں خلفاء کی خلافت کے حق اور درست ہونے کے قائل ہیں۔ اور چاروں کو خلفاء برحق جانتے ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں جو غیب کی خبروں میں سے ہے، آیا ہے [1]

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی

اور یہ مدت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ لہٰذا اس حدیث کے مصداق چاروں خلیفے ہیں۔ اور اس حدیث کے مطابق ترتیب خلافت بھی برحق قرار پاتی ہے۔ اور مخالفین تین خلفاء کی خلافت کی حقیقت کے منکر ہیں۔ اور ان کی خلافت کو غصب وغلبہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور امام

---

[1] احمد، ترمذی اور ابوداؤد بروایت حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

برحق صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصور کرتے ہیں۔ اور آپ نے جو تین خلفاء کی بیعت کی۔ اُسے تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور خیر الانام علیہ وعلی اصحابہ الصلوٰۃ والسلام کی آپس کی صحبت و دوستی کو نفاق پر محمول کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مدارات و نرمی کو فریب اور دھوکا تصور کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے گمان میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی اُن کے مخالفین کے ساتھ محض منافقانہ طور پر دوستی اور تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا زبان سے اس کے خلاف ظاہر کرتے تھے۔ اور مخالفین بھی چونکہ اُن کے گمان میں حضرت امیر اور ان کے ساتھیوں کے دشمن تھے۔ اس لئے ان کی آشنائی بھی نفاق پر مبنی تھی۔ اور دشمنی کو دوستی کے رنگ میں ظاہر کرتے تھے پس روافض کے گمان میں تمام صحابہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات منافق اور فریبی تھے۔ (معاذ اللہ) اور ان کا ظاہر اُن کے باطن کے برعکس تھا۔ تو چاہیئے کہ ان کے نزدیک اس امت کے بدترین لوگ صحابہ کرام ہوں۔ اور سب صحبتوں اور مجلسوں میں بدترین حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت و مجلس ہو۔ کیونکہ یہ نفاق اور فریب وغیرہ جیسے بُرے اخلاق اسی مجلس سے پیدا ہوئے۔ اور چاہیئے کہ تمام زمانوں میں سے بدترین صحابہ کا زمانہ ہو۔ جو نفاق، عداوت، بُغض، اور کینہ سے لبریز تھا حالانکہ حضرت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنے کلام مجید میں اُنھیں رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ (آپس میں شفیق اور مہربان) فرماتا ہے۔ اللہ سُبحانہٗ شیعوں کے بُرے اعتقادات سے بچائے۔

یہ لوگ جب سابقین امت (صحابہ کرام) کو ان بُرے اخلاق سے متصف کرتے ہیں۔ تو متاخرین امت میں کیا بھلائی اور خیریت پائیں گے۔ اس گروہ نے شاید آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی جو صحبت خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے صحابہ کرام علیہ و علیہم الصلوات والسلام کی افضلیت اور اس امت کی خیریت و افضلیت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہیں دیکھیں یا اگر دیکھیں ہیں تو ان پر ایمان نہیں۔

قرآن و احادیث صحابہ کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جب صحابہ کرام مطعون ٹھہرے تو جو دین اُن کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ نیز مطعون اور ناقابلِ اعتماد ہوگا۔ نعوذ باللہ سبحانہٗ من ذالک، شاید اس گروہ کا مقصود حضور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے دین کا ابطال اور آپ کی شریعت کا انکار ہے۔ ظاہر میں رسول پاک علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے اہلِ بیت سے اظہار محبت کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں آپ کی شریعت کا ابطال کرتے ہیں۔ کاش کہ حضرت علی اور ان کے موافقین کو ہی عیوب سے سالم رہنے دیتے۔ اور تقیہ کے داغ سے جو اہلِ مکر و نفاق کی صفات سے ہے۔ داغ دار نہ کرتے۔ موافقین امیر یا مخالفین امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروہ میں جس کی تیس برس آپس میں منافقانہ مجلس و صحبت رہی اور جنہوں نے اتنا طویل عرصہ مکر و فریب سے گذارا، کیا فضیلت و اچھائی ان میں ہوگی۔ اور یہ لوگ کسطرح لائقِ اعتماد

قرار پائیں گے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُن کے مطعون ہونے سے نصف احکام شرعیہ مطعون ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے۔ کہ احکام سے متعلق جو تین ہزار احادیث وارد ہیں۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ جو سُنّت سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان تین ہزار میں سے پندرہ سو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوئے ہیں۔ پس ابوہریرہ میں طعن نصف احکام شرعیہ میں طعن ہے۔ اور حضرت امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والے آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔ جن میں ایک ابن عباس ہیں۔ اور ابن عمر بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح جابر ابن عبداللہ اور انس بن مالک بھی ان سے روایت کرنے والوں میں ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ پر طعن میں جو حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ لوگ نقل کرتے ہیں۔ سراسر جھوٹ بہتان اور تہمت ہے۔ جیسا کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے۔

اور حضرت سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فہم علم کے بارے حدیث دُعا علماء میں مشہور و معروف ہے۔

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَبْسُطُ مِنْكُمْ رِدَاءَهٗ حَتّٰى اُفِيْضَ فِيْهِ مَقَالَتِيْ فَيَضُمُّهَا اِلَيْهِ ثُمَّ لَا يَنْسٰهَا فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَمَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ ، فَضَمَمْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ ، فَمَا نَسِيْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مجلس شریف میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون ہے۔ جو اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنی گفتگو (علم) ڈال دوں تو وہ اُسے اپنے ساتھ چمٹائے پھر اُسے کبھی نہ بھولے تو میں نے چادر بچھا دی۔ جو میرے اوپر تھی۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کلام (علم) اس پر بچھا دیا۔ پھر میں نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

تو محض اپنے گمانِ (فاسد) سے دین کی بزرگ شخصیت کو حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دشمن جاننا اور اس کی شان میں لعن طعن کرنا انصاف سے دور ہے۔ یہ سب محبت میں حد سے بڑھنے کے شگوفے ہیں۔ ایسا کرنے والا نزدیک ہے کہ شاید ایمان کی رسی سے اپنا سر باہر نکال لے۔

اور اگر فرضاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی رکھا ہے۔ تو یہ لوگ حضرت

امیر کے ان اقوال کے متعلق کیا کہیں گے۔ جو افضلیت شیخین میں اُن سے بطریقِ تواتر منقول ہیں۔ اسی طرح آپ کے ان کلمات قدسیہ کے بارے میں کیا کہیں گے۔ جو آپ سے اپنی خلافت و مملکت کے زمانے میں خلفاءِ ثلثہ کی حقیتِ خلافت کے متعلق صادر ہوئے۔ کیونکہ تقیہ یہی ہے۔ کہ اپنی خلافت کی حقیت چھپائے۔ اور تین خلفاء کی خلافت کا بطلان ظاہر نہ کرے۔ لیکن تینوں خلفاء کی کی حقیت ظاہر کرنا اور افضلیت شیخین کا بیان اس تقیہ سے بالکل علیحدہ امر ہے۔ جس کے صدق و صواب کی کوئی صورت نہیں۔ اور تقیہ کی تاویل سے بھی اس کی تردید کی کوئی صورت نہیں۔

اور نیز صحاح کی احادیث جو درجہ شہرت بلکہ متواتر المعنی ہو چکی ہیں۔ اور حضرات خلفاءِ ثلثہ وغیرہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے ایک گروہ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تقیہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ پیغمبروں پر تبلیغ لازم ہے علیہم الصلوات والتسلیمات،

اور نیز آیاتِ قرآنی جو اس باب میں نازل ہوئی ہیں۔ تقیے کی گنجائش نہیں رکھتیں۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس گروہ کو توفیق انصاف عطا کرے۔

اور اربابِ عقلِ سلیم جانتے ہیں۔ کہ تقیہ بزدلی کی صفت ہے۔ اسد اللہ (علی) سے اُسے منسوب کرنا نامناسب ہے۔ بشریت کے تقاضے کے مطابق ایک گھڑی یا دو گھڑی یا ایک دن یا دو دن کے لئے تقیے کی صفت جائز قرار دی جائے۔ تو گنجائش ہے۔ لیکن مسلسل تیس سال بزدلی کی اس صفت کو اسد اللہ میں ثابت ماننا اور تقیہ پر قائم رکھنا بہت ہی نازیبا ہے۔ اور گناہ صغیرہ پر اصرار کو کبیرہ کہا گیا ہے۔ اربابِ مخالفت اور اصحاب نفاق کی صفات میں سے کسی صفت پر قیام و اصرار کیسے روا ہوگا۔ کاش اس امر کی قباحت محسوس کریں۔ یہ لوگ شیخین کو افضل قرار دینے کے عقیدے سے بھاگے ہیں۔ جو (ان کے گمان میں) اہانتِ امیر کو مستلزم ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں تقیہ کا عقیدہ اختیار کیا ہے۔ اگر تقیے کی صفت کی بُرائی کو جو اربابِ نفاق کی صفت سے ہے، سمجھتے تو ہرگز اسے جائز نہ رکھتے۔ اور دو بلاؤں میں سے آسان تر کو اختیار کرتے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ شیخین کی تقدیم و افضلیت میں حضرت امیر کی کچھ اہانت نہیں۔ کیونکہ حضرت امیر کی خلافت کا برحق ہونا اپنے حال پر قائم ہے۔ اور آپ کا درجہ ولایت اور رتبۂ ہدایت و ارشاد بھی بحال رہتا ہے، کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ،

اور تقیے کے اثبات میں تنقیص و توہین لازم ہے۔ کیونکہ یہ صفت اربابِ نفاق کے خصائص اور اصحابِ مکر و فریب کے لوازم میں سے ہے۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم صحابہ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے آپس کے اختلافات اور تنازعات کو نیک معانی پر محمول کرتے اور خواہش نفسانی اور تعصب سے دور جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات میں پاک ہو چکے تھے۔ اور ان کے سینے عداوت و کینہ سے بھی صاف ہو چکے تھے۔ غایت ما فی الباب اتنی بات ہے۔ کہ ہر ایک کی اپنی ایک رائے اور اجتہاد تھا اور ہر ایک مجتہد کے لئے اپنی رائے کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ضرورتاً بعض امور میں مخالفت آراء کے سبب مخالفت و مشاجرت لازم ہو گئی۔ اور ہر ایک کیلئے اپنی رائے کی تقلید درست نظر آئی۔ پس ان کی آپس کی مخالفت حق کی موافقت کے لئے تھی نہ کہ خواہش اور نفس امارہ کی ہوس کے باعث۔ اور مخالفین حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور لڑنے والوں کے حق میں انواع و اقسام کی طعن و تشنیع جائز جانتے ہیں۔

جب کہ بعض امور اجتہادیہ میں صحابہ کرام نے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے اختلاف رائے کیا ہے۔ اور حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے مبارک کے خلاف حکم کیا ہے۔ اور ان کا وہ اختلاف مذموم و قابل ملامت نہ تھا۔ اور نزول وحی کے باوجود اس سے ممانعت نہ آئی۔ تو حضرت امیر کے ساتھ امور اجتہادیہ میں مخالفت کیسے کفر قرار دی جا سکتی ہے۔ اور حضرت امیر کے مخالف کیوں مطعون اور لائق ملامت ہوں گے۔ حضرت امیر سے جنگ کرنے والا اہل اسلام کا جم غفیر ہے۔ جس میں اکابر صحابہ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جنہیں جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ ان کی تکفیر و تشنیع کوئی آسان کام نہیں بہت بڑی بات ہے۔ جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ نصف دین اور شریعت کے نزدیک ہے جس کی انہوں نے تبلیغ کی ہے۔ اگر وہ مطعون ہوں تو نصف دین سے اعتماد اٹھ جائیگا۔ اور یہ بزرگ کس طرح طعن و تشنیع کے لائق ہو سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی کسی روایت کو رد نہیں کیا۔ نہ کسی امیر نے نہ کسی وزیر نے۔

صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور شیعہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں (فقیر نے احمد تبتی سے جو اکابر شیعہ میں سے ہے، سنا ہے کہ وہ کہتا تھا۔ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب، کتاب بخاری ہے)۔ اس کتاب میں حضرت امیر کے موافقین کی روایات بھی ہیں۔ اور آپ کے مخالفین کی بھی۔ اور مخالفت اور موافقت کی بناء پر کسی روایت کو مرجوح یا راجح نہیں سمجھا گیا۔ امام بخاری جس طرح حضرت امیر سے روایت کرتے ہیں معاویہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اگر حضرت معاویہ اور اس کی روایت میں طعن کا شائبہ بھی ہوتا۔ تو امام بخاری ہرگز اس کی روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ اسی طرح سلف میں جو

احادیث کے ناقد گزرے ہیں۔ کسی نے بھی اس وجہ سے روایت حدیث میں فرق نہیں کیا ہے۔ اور نہ مخالفت امیر کو منشاء طعن بنایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ضروری نہیں کہ تمام اُمور خلافیہ میں حضرت امیر حق پر ہوں اور ان کا مخالف خطا پر۔ اگرچہ معاملہ جنگ میں حق حضرت امیر کی طرف تھا۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ زمانہ صحابہ کے اختلافی اُمور میں علماء تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیر کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے۔ اور حضرت امیر کے مذہب کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ اگر حق جانب امیر کے لئے ہی متعین و مقرر ہوتا تو اس کے مذہب کے خلاف فیصلہ نہ دیتے۔ قاضی شریح جو تابعین میں سے اور صاحب اجتہاد ہوئے ہیں۔ مذہب امیر کے مخالف فیصلہ کیا۔ اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی گواہی اُن کے بیٹا ہونے کی وجہ سے اُن کے حق میں قبول نہ کی۔ اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول کے مطابق عمل کیا ہے۔ اور بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں جائز تسلیم نہیں کی۔ اور بہت سے دوسرے مسائل میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسروں کے اقوال اختیار کئے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں۔ انصاف سے تحقیق و تفتیش کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی۔ (اس بارے میں زیادہ کچھ لکھنے کی گنجائش نہیں کیونکہ) اس کی تفصیل طوالت چاہتی ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہوا۔ کہ مخالفت امیر میں اعتراض کی گنجائش نہیں اور آپ کے مخالف طعن و ملامت کے لائق نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب رب العالمین کی محبوبہ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاب قبر مقبول و منظور نظر رہیں۔ اور حضرت پیغمبر علیہ السلام نے مرض موت کے ایام ان کے حجرہ شریفہ میں گذارے۔ اور ان کی گود میں جان دی۔ اور ان کے حجرہ مطہرہ میں مدفون ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدیقہ عالمہ مجتہدہ تھیں۔ اور پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے نصف دین کے بیان کو اُن کے حوالے کیا اور صحابہ کرام مشکل احکام میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور مشکل مسائل کا حل اُن سے پاتے تھے۔ اس طرح کی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیر کی مخالفت کی وجہ سے مطعون کرنا۔ اور ناشائستہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھنے سے دور ہے۔ حضرت امیر اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد ہیں اور آپ کے چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ، حضور علیہ و علی جمیع اہل بیتہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور آپ کی محبوبہ اور مقبول بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اس سے چند سال پہلے فقیر کی عادت یہ تھی۔ کہ اگر (ایصال ثواب کے لئے) کھانا پکاتا تھا۔ تو آل عبا کی روحانیت مطہرہ کے لئے مخصوص کرتا تھا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ (ایصال ثواب میں) حضرت امیر، حضرت فاطمہ، اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملاتا تھا۔ ایک رات (یہ فقیر) خواب

میں دیکھتا ہے کہ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ فقیر آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔ آپ فقیر کی طرف توجہ نہیں کرتے اور چہرہ مبارک فقیر کی جانب کے بجائے دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اس دوران میں فقیر سے فرمایا کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں۔ جو شخص مجھے کھانا بھیجے، عائشہ کے گھر بھیجے اس وقت معلوم ہوا کہ توجہ شریف مبذول نہ کرنے کا سبب یہ تھا۔ کہ فقیر حضرت صدیقہ کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت صدیقہ بلکہ آپ کی باقی ازواج مطہرات کو تمام اہل بیت کے ساتھ شریک کرتا اور تمام اہل بیت سے توسّل[1] کرتا ہے۔ پس جو رنج و اذیت حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ کی راہ سے پہنچتی ہے۔ وہ اس رنج و ایذا سے زیادہ ہے۔ جو حضرت امیر کی راہ سے آپکو پہنچتی ہے۔ صاحب انصاف عقلمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔

ہاں یہ بات اس صورت میں ہے۔ جب کہ حضرت امیر کی محبت و تعظیم حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و تعظیم اور آپ کے واسطہ قرابت کی وجہ سے ہو اور اگر کوئی شخص حضرت امیر کی محبت استقلالاً اختیار کرے۔ اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو دخل نہ دے تو وہ بحث سے خارج ہے اور خطاب کے لائق نہیں۔ ایسے شخص کی غرض دین کا ابطال اور شریعت کی ویرانی ہے۔ ایسا شخص چاہتا ہے۔ کہ بے واسطہ پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام راہ اختیار کرے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر علی کی طرف آجائے۔ اور یہ عین کفر اور محض بے دینی ہے۔ اور علی ایسے شخص سے بیزار اور اس کے کردار سے دکھ اور تکلیف میں ہے۔

صحابہ پیغمبر سے دوستی۔ آپ کے خسر اور دامادوں سے دوستی، پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے دوستی کے واسطہ سے ہے۔ اور ان کی تعظیم و تکریم پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے ہے۔ حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ ط — جس نے ان (صحابہ) سے محبت کی۔ اس نے میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی

حدیث شریف۔

اس طرح جو شخص ان کا دشمن ہے۔ پیغمبر علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ سے اُن کا دشمن ہے۔ جیسا کہ

---

[1] اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اموات کو کھانے وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ نیز یہ کہ مقبولان بارگاہ الٰہی کا توسّل بھی جائز ہے۔ اس مسئلہ میں امام ربانی اور فقہائے اہل سُنّت کے مسلک کی تفصیلی معلومات کے لئے ناچیز کی تالیف "مسلک امام ربانی" کا مطالعہ کریں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ ط[1] جس نے اُن سے بُغض کیا۔ اس نے دراصل میرے ساتھ بُغض کیوجہ سے اُن سے بغض کیا

یعنی جو محبت میرے صحابہ کرام سے متعلق ہے۔ وہ وہی محبت ہے۔ جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح ان سے بُغض وہی بُغض ہے۔ جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔

طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کی شان میں طعن و تشنیع نامناسب ہے۔ ان پر لعنت و ملامت خود لعنت و ملامت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ اور زبیر وہی ہیں۔ کہ حضرت فاروق نے اپنے بعد خلافت کا معاملہ چھ افراد کے مشورہ پر چھوڑ دیا اور طلحہ اور زبیر کو بھی ان میں داخل کیا۔ اور آپ نے ایک دوسرے پر ترجیح کی کوئی واضح دلیل نہ پائی۔ اور طلحہ و زبیر نے اپنے اختیار سے اپنا حصہ خلافت چھوڑ دیا۔ اور ہر ایک نے تَرَکْتُ حَظِّیْ کہا یعنی میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔ اور طلحہ وہی ہے۔ جس نے حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بے ادبی کرنے کے جرم میں اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر لاکر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور قرآن میں اس فعل پر اس کی ثنا وارد ہوئی ہے۔ اور زبیر وہی ہے۔ کہ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے قاتل کو دوزخ کی وعید سنائی۔ چنانچہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

قَاتِلُ زُبَیْرٍ فِی النَّارِ زبیر کا قاتل دوزخ میں جائیگا۔

حضرت زبیر پر طعن و لعنت کرنے والا بُرائی میں آپ کے قاتل سے کم نہیں۔

تو اے مخاطب! میں تجھے کہتا ہوں۔ کہ اکابر دین اور کبرائے اسلام پر طعن کرنے سے پرہیز کر جنہوں نے کلمہ اسلام بلند کرنے اور سید انام علیہ السلام کی مدد و نصرت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ اور رات دن۔ پوشیدہ اور ظاہر دین کی تائید کے لئے اپنے اموال خرچ کئے اور حضرت رسول کی خاطر اپنے خاندان، اپنے قبیلے، اپنی اولاد، اپنی بیویاں، اپنے وطن، اپنے مکانات، اپنے چشمے، اپنی کھیتی باڑیاں اور اپنے درخت اور نہریں سب کچھ چھوڑ دیا۔ اور رسول پاک علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو اپنی ذوات پر ترجیح دی۔ اور اپنے اموال اور اپنی اولاد کی محبت کے مقابلے میں آپ کی محبت کو اختیار کیا۔ اور

---

[1] ابن عساکر، بروایت ابو نعیم۔ حافظ سیوطی نے کہا ہے۔ کہ اس روایت کے رجال حدیث ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تشیید المبانی

آپ کی صحبت میں برکات نبوت سے سرفراز ہوئے ۔ اور وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا ۔ اور حضور ملائکہ سے بھی مشرف ہوئے ۔ اور خوارق و معجزات دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین بن گیا ۔ اور انھیں یقین کی وہ دولت عطا کی گئی جو بعد میں کسی کو نصیب نہ ہو سکی ۔ یہاں تک کہ دوسروں کے اُحد پہاڑ جتنے خرچ کئے ہوئے سونے کا ثواب صحابہ کے ایک سیر جو کے ثواب کے برابر نہیں ہو سکتا ۔ اور نہ اس کے نصف ثواب کے برابر ہو سکتا ہے ۔ یہی وہ حضرات ہیں ۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفت و ثنا کی ہے ۔ اور اللہ ان سے راضی ہو چکا ۔ اور وہ اللہ سے ۔ ایسا ہی ان کا حال تورات میں ہے ۔ اور ایسا ہی حال انجیل میں مذکور ہے ۔ یہ اس کھیتی کی مانند ہیں جس نے سبز گھاس اُگائی ۔ پس اُسے قوی اور طاقتور کیا ۔ پھر وہ موٹی ہوئی پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی ۔ کسان کو بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے ۔ تاکہ اللہ ان کے ساتھ کافروں کو غیظ و غضب میں مبتلا کرے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ سے ناراض رہنے والوں کو کفار کہا ہے ۔ اس لئے میں بار بار کہتا ہوں کہ صحابہ کرام سے بُغض رکھنے سے بالکل اسی طرح بچنا ضروری ہے جس طرح کفر سے ۔ "واللہ سبحانہٗ الموفق"

جس جماعت نے آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کیسا تھ اس طرح کی نسبت ہو ۔ اور وہ آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی بارگاہ میں مقبول و منظور نظر ہوں ۔ اگر بعض معاملات میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں ۔ اور ان کا ایک دوسرے سے تنازعہ ہو جائے ۔ اور وہ اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل کریں تو طعن اور اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ۔ بلکہ ایسے مقام میں اختلاف کرنا اور غیر کی رائے کی تقلید نہ کرنا حق و صواب ہے ۔ امام ابو یوسف کے لئے درجہ اجتہاد پا لینے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقلید خطا ہے ۔ اور درست و صواب یہ ہے ۔ کہ وہ اپنی رائے کی تقلید کریں ۔ امام شافعی ، صحابی کے قول کو اپنی رائے پر مقدم نہیں رکھتے ۔ چاہئے جو صحابی بھی ہو خواہ صدیق اکبر یا حضرت علی ہی ہوں ۔ اور اپنی رائے پر عمل کرنے کو درست جانتے ہیں ۔ اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہی ہو ۔ جب مجتہد کے لئے صحابہ کرام کی رائے سے مخالفت کی گنجائش ہے ۔ تو اگر صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کریں ۔ تو کیوں ملعون قرار پائیں گے ۔ یا ہم یہ بھی کہتے ہیں ۔ کہ صحابہ کرام نے اُمور اجتہادیہ میں آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے اختلاف کیا ہے ۔ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی رائے مبارک کے خلاف نزول وحی کے باوجود حکم کیا ہے ۔ لیکن وحی میں ان کی مذمت اور ان کے اختلاف پر مخالفت وارد نہیں ہوئی ۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ۔ اگر یہ اختلاف حق جل شانہٗ کو ناپسند اور نامقبول ہوتا ۔ تو ضرور اس سے روک دیا جاتا اور اختلاف کرنے والوں کے

متعلق وعید نازل ہوئی۔ تم نہیں دیکھتے کہ جو لوگ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گفتگو کے دوران آواز بلند کرتے تھے۔ کس سختی کے ساتھ انہیں آواز بلند کرنے سے روکا گیا۔ اور اس فعل پر وعید اور ڈانٹ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ	اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ	اونچی نہ کرو۔ اور نہ ان سے چلا کر بات کرو۔
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ	جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ تم چلا کر
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝	بات کرتے ہو۔ تاکہ تمہارے اعمال ضائع
سورۃ الحجرات پ ۲۶ ۔	نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں اختلاف عظیم واقع ہوا تھا۔ حضرت فاروق اور حضرت سعد بن معاذ نے ان قیدیوں کے قتل کا فیصلہ کیا تھا۔ اور دوسرے حضرات نے ان کی رہائی اور فدیے کا فیصلہ کیا۔ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی رائے میں بقول انہیں آزاد کرنے اور فدیہ لینے کا حکم تھا۔ اس واقعہ کے علاوہ بھی اختلاف کے بہت سے مواضع ہیں۔

اسی قبیلہ سے ہے وہ اختلاف جو کاغذ کے لانے میں صحابہ کرام کے درمیان رونما ہوا۔ کہ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے مرض وصال میں کاغذ طلب فرمایا تھا۔ کہ صحابہ کے لئے آپ کچھ لکھیں ایک گروہ نے کہا کاغذ لانا چاہیئے۔ اور دوسرے گروہ نے کاغذ لانے سے روک دیا۔ حضرت فاروق، روکنے والوں سے تھے۔ اور آپ نے فرمایا حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے طعن و تشنیع کرنے والوں نے اس راہ سے بھی حضرت فاروق پر اعتراض کیا ہے۔ اور طعن و تشنیع کی زبانیں کھولیں ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ طعن کا کوئی مقام نہیں۔ اس لئے کہ حضرت فاروق جانتے تھے کہ زمانہ وحی منقطع ہو گیا ہے۔ اور احکام سماوی مکمل ہو چکے ہیں۔ اور رائے و اجتہاد کے ہوا اثبات، احکام میں اب کوئی گنجائش نہیں۔ اس وقت آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ بھی تحریر فرمائیں گے۔ امور اجتہادیہ میں سے ہوگا۔ جس میں دوسروں کو بھی فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۝ یعنی اے اہل بصیرت! عبرت پکڑو، کے مطابق شرکت کی اجازت ہے۔ اس طرح آپ نے بہتری اس میں محسوس کی کہ اس قدر درد و تکلیف کی حالت میں آپ کو رنج و تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔ اور دوسروں کی رائے اور اجتہاد پر ہی کفایت کرنی چاہیئے۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ یعنی قرآن مجید جو قیاس و استنباط کا ماخذ ہے۔ مجتہدین کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے احکام کا استنباط کریں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی تخصیص اس بناء پر ہو سکتی

ہے۔ کہ حضرت فاروق نے قرائن سے معلوم کر لیا ہوگا۔ کہ جن احکام کو آپ لکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا ماخذ کتاب اللہ ہے۔ سنّت نہیں تاکہ سنّت کا ذکر بھی کیا جائے۔ پس حضرت فاروق کا کاغذ لانے سے روکنا شفقت و مہربانی کے طور پر تھا۔ کہ آنحضرت کو شدت تکلیف میں مزید رنج و تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔ نیز حضور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کاغذ طلب کرنے کا حکم بھی استحسان و استحباب کے طور پر تھا نہ کہ وجوب کے طور پر تاکہ دوسرے استنباط کی زحمت سے آرام میں رہیں۔ اور کاغذ لانے کا حکم وجوب کے طور پر ہوتا تو آپ اپنے حکم کے جاری کرنے میں مبالغہ اور تاکید فرماتے اور صرف اختلاف کی بناء پر اس سے صرفِ نظر نہ کرتے۔

سوال :۔ حضرت فاروق نے اس وقت کہا تھا۔ اَھَجَرَ اَسْتَفْهِمُوْهُ یعنی کیا حضور غلبہ مرض کے باعث کچھ فرما رہے ہیں۔ تحقیق و تفتیش کرو۔ کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ حضرت فاروق کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟

جواب :۔ حضرت فاروق نے شاید اس وقت سمجھا ہوگا کہ حضور سے یہ کلام درد و تکلیف کی وجہ سے بلا قصد و اختیار صادر ہوا ہے۔ جیسا کہ لفظ اَکْتُبْ ، میں لکھتا ہوں ، سے وہم ہوتا ہے۔ کیونکہ آنسرور علیہ السلام نے کبھی کچھ نہیں لکھا۔ نیز آپ نے فرمایا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے جبکہ دین کامل اور نعمت تمام اور رضاء مولیٰ اس سے وابستہ ہو چکی۔ اس کے بعد ضلالت و گمراہی کی کیا صورت ہوگی۔ اور ایک ساعت میں آپ کیا لکھیں گے۔ جس سے گمراہی دور ہوگی۔ جو کچھ تیئیس سال لکھا جاتا رہا۔ کیا وہ کافی نہیں اور وہ گمراہی دور نہیں کرتا۔ کہ ایک گھڑی میں شدتِ مرض کے باوجود کچھ تحریر فرمائیں جو گمراہی دور کرے۔ یہیں سے حضرت فاروق نے سمجھا ہوگا۔ کہ یہ کلام بناء بر بشریت بے قصد آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی تحقیق کرو۔ اور از سر نو دریافت کرو۔ اور اس دوران اختلافی گفتگو بلند ہوگئی۔ تو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اُٹھ جاؤ اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔ کہ پیغمبر کے سامنے اختلاف و نزاع مستحسن نہیں ہے۔ پھر آپ نے اس سلسلہ میں مزید گفتگو نہ کی۔ اور دوات کاغذ طلب نہ فرمایا۔

جاننا چاہیئے۔ کہ امورِ اجتہادیہ میں صحابہ کرام کا آنسرور علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات سے جو اختلاف ہوا۔ اس میں عیاذاً باللہ اگر خواہش نفس اور تعصب کا شائبہ ہوتا تو وہ انھیں اہل ارتداد کے گروہ میں کھینچ کر لے آتا۔ اور اہل اسلام کے حلقہ سے باہر پھینک دیتا۔ کیونکہ آنسرور علیہ و علیہم الصلوات والتحیات سے بے ادبی اور بد سلوکی کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْہُ ، شاید یہ اختلاف فاعتبروا کے حکم کی بجا آوری کے طور پر تھا۔ اس لئے کہ جو شخص درجہ اجتہاد پر فائز ہو۔ اجتہادی امور میں اس کے لئے دوسرے کی رائے اور اجتہاد کی تقلید کرنا خطا اور ناروا ہے۔ ہاں جن احکام متفرقہ میں رائے اور اجتہاد کا

کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ ان میں تقلید کے سوا کسی اور شے کی گنجائش نہیں۔ اور ان پر ایمان لانا اور انھیں تسلیم کرنا واجب و ضروری ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ صحابہ کرام تکلفات سے پاک اور آرائش الفاظ و عبارات سے بے نیاز تھے۔ ان کا اہتمام اصلاح باطن کے متعلق ہوتا تھا۔ اور ان کا ظاہر ان کی نظر میں بے وقعت اور غیر ملحوظ تھا۔ اور اس زمانہ میں آداب کی رعایت حقیقت و معنی کے اعتبار سے ہوتی تھی۔ صورت و لفظ کے اعتبار سے نہیں ہوتی تھی۔ حضور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری ان کا کام اور آنسرور علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کو ناپسند باتوں سے اجتناب کرنا ان کا شیوہ تھا۔ انہوں نے اپنے باپ، اپنی مائیں، اپنی اولاد، اور اپنی بیویاں سب آنسرور علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات پر قربان کر دی تھیں۔ اور کمال اعتقاد و اخلاص سے آنسرور علیہ و علیہم الصلوات والتحیات کے لعاب مبارک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ بلکہ اسے آب حیات کی طرح اٹھاتے تھے اور حضور علیہ السلام کے فصد کرانے کے بعد آپ کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے نوش کرنے کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ اگر کوئی ایسی عبارت جس سے اس جھوٹ اور فریب سے لبریز زمانہ کے لوگوں کے نزدیک بے ادبی کا وہم ہوتا ہو۔ ان بزرگوں سے آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق صادر ہو تو اسے اچھے معنی پر حمل کرنا چاہیئے۔ اور عبارت کا حاصل اور خلاصہ لینا چاہیئے۔ الفاظ جیسے بھی ہوں ان کا لحاظ و اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ طریق سلامتی یہی ہے۔ واللہ سبحانہٗ الموفق۔

سوال :۔ جب احکام اجتہادیہ میں احتمال خطا کی گنجائش ہے۔ تو تمام احکام شرعیہ میں وثوق و اعتماد جو آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ کس طرح قائم اور باقی رہے گا۔

جواب :۔ احکام اجتہادیہ تھوڑا وقت گزارنے کے بعد آسمان سے نازل شدہ احکام کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے۔ کیونکہ خطا پر ٹھہرائے رکھنا انبیاء کے لئے جائز نہیں۔ علی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات پس احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کے ثبوت اجتہاد اور اختلاف آرا کے بعد حضرت حق جل و علا کے پاس سے ایک حکم نازل ہوتا ہے۔ جو صواب کو خطا سے جدا کرتا اور حق والے کو باطل والے سے امتیاز بخشتا ہے۔ پس حضور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نزول وحی کے بعد جس سے صواب اور خطا میں تمیز ہوتی ہے۔ احکام اجتہادیہ بھی قطعی الثبوت ہوتے تھے۔ اور ان میں خطا کا احتمال نہیں رہتا تھا۔ لہذا حضور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ثابت شدہ تمام احکام قطعی اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں کیونکہ وہ ابتداءً یا انتہاءً وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان احکام کے استنباط و اجتہاد سے مقصود یہ تھا۔ کہ مجتہدین و مستنبطین کو کرامت و بزرگی کے درجات حاصل ہوں۔ اور لطفی و مثیب

اپنے اپنے درجات کے مطابق ثواب پائیں ۔ اس لئے احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کے درجات بھی بلند ہوئے اور نزول وحی کے بعد ان احکام کی قطعیت بھی ثابت ہو گئی ۔ ہاں زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد کے احکام اجتہادیہ ظنی ہیں ۔ جو مفید عمل تو ہیں لیکن مثبت اعتقاد نہیں ہیں ۔ کہ اُن کا منکر کافر قرار پائے ۔ ہاں اگر مجتہدین کا اجماع کسی حکم پر منعقد ہو جائے تو وہ مثبت اعتقاد بھی ہو جاتا ہے ۔

خاتمہ مکتوب ہذا

اب ہم فضائل اہل بیت رسول علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والبرکات والتحیات کے بیان کے ذریعہ اس مکتوب کو اچھے خاتمے کے ساتھ ختم کرنا چاہتے ہیں ۔

ترجمہ احادیث متفقہ فضائل اہلبیت علیہم الرضوان

۱ ۔ عبدالبر نے روایت کی ہے ۔ کہ حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ۔ جس نے علی سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی ۔ اور جس نے علی سے بُغض کیا ۔ اس نے مجھ سے بُغض کیا ۔ اور جس نے علی کو اذیت دی ۔ اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت پہنچائی ۔ کتاب الاستیعاب

۲ ۔ حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ نے مجھے چار افراد سے محبت رکھنے کا حکم دیا اور یہ بھی خبر دی کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے ۔ کہا گیا یا رسول اللہ ہمیں ان کے نام بتائیں ۔ فرمایا علی ان چار میں سے ہے ۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی ۔ اور ابوذر اور مقداد اور سلمان (فارسی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ترمذی و حاکم اور حاکم نے اسکی تصحیح بھی کی ہے

۳ ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ کہ بیشک نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا ۔ علی کو دیکھنا عبادت ہے ۔ طبرانی و حاکم باسناد حسن

۴ ۔ حضرت براء سے روایت ہے ۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ، جب کہ آپ کے کندھے پر حضرت حسن تھے ۔ اور آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے ۔ اے اللہ ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر ۔ بخاری و مسلم

۵ ۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ انہوں نے کہا ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سُنا ۔ جب کہ سامنے منبر پر تشریف فرما تھے ۔ اور حضرت حسن اُن کے ایک پہلو میں تھے ۔ اور آپ ایک بار لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک بار حضرت حسن کی طرف ۔ کہ بیشک میرا بیٹا

سید ہے۔ اور امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

بخاری

۶ - حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو اس حال میں دیکھا۔ کہ حسن و حسین آپ کی دونوں رانوں پر تھے۔ تو آپ نے فرمایا میرے یہ بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان سے اور جو ان دونوں سے محبت کرے، محبت کر۔

ترمذی شریف

۷ - حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا گیا۔ آپ کو آپ کے اہل بیت میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا حسن اور حسین سے۔

ترمذی شریف

۸ - مسور بن مخرمہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا فاطمہؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا۔ اس نے مجھے ناراض کیا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ جو چیز فاطمہ کو ناراض کرتی ہے۔ وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے۔ اور جو چیز اُسے رنجیدہ کرتی ہے۔ مجھے بھی رنجیدہ کرتی ہے۔

بخاری و مسلم

۹ - ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تو اس سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔

حاکم

۱۰ - حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ بیشک لوگ حضرت عائشہ کی باری کے دن ہدیے بھیجنے کا قصد کرتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی رضا جوئی ہوتا تھا۔ اور وہ کہتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات دو گروہوں میں منقسم تھیں۔ ایک گروہ وہ تھا۔ جس میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ، اور حضرت سودہ تھیں۔ اور دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کا تھا۔ تو حضرت اُم سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا۔ تم رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کرو۔ کہ آپ لوگوں سے فرمائیں جو شخص رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا چاہے۔ وہ وہاں ہی بھیج دیا کرے۔ جہاں حضور تشریف فرما ہوں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ

نے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کردی ۔ اس پر آپ نے فرمایا ۔ اے ام سلمی مجھے تکلیف نہ دے کیونکہ مجھ پر عائشہ کے کپڑوں (بستر) کے سوا کسی عورت کے کپڑوں میں وحی نازل نہیں ہوتی ۔ ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں ۔ پھر انہوں نے حضرت فاطمہ کو بلایا ۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا ۔ تو حضرت فاطمہ نے جاکر یہ بات عرض کی ۔ اس پر آپ نے فرمایا اے میری بیٹی! کیا تو اُسے محبوب نہیں رکھتی ۔ جسے میں محبوب رکھتا ہوں ۔ آپ نے عرض کیا ہاں ۔ تو فرمایا پھر تو بھی عائشہ سے محبت رکھ ۔

بخاری و مسلم شریف

۱۱ ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں ، مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی بیوی پر رشک نہیں آیا ۔ سوائے حضرت خدیجہ کے ۔ اور میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں ۔ لیکن حضور ان کا اکثر ذکر فرماتے رہتے تھے ۔ اور بسا اوقات آپ ایک بکری ذبح فرماتے ۔ پھر اس کے گوشت کے ٹکڑے کرتے ۔ پھر حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے ۔ تو میں حضور سے بہت دفعہ کہتی کہ شاید دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں ہوئی ۔ تو آپ فرماتے خدیجہ میں یہ یہ خوبیاں تھیں ۔ اور اسی سے میرے اولاد ہوئی ۔

بخاری و مسلم شریف

۱۲ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا ۔ عباس مجھ سے ہے ۔ اور میں اس سے ۔

ترمذی شریف

۱۳ ۔ ابو سعید سے روایت ہے ۔ بیشک فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ۔ اللہ اس شخص پر سخت ناراض ہے ۔ جس نے میری عترت (اہل بیت) کے بارے میں مجھے اذیت پہنچائی ۔

دیلمی شریف

۱۴ ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا ۔ جس نے میرے اہل بیت سے نیک سلوک کیا ۔ قیامت کے روز میں اُسے اس پر بدلہ دونگا ۔

ابن عساکر

۱۵ ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا ۔ تم میں سے پل صراط پر زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا ۔ جو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا ۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ۔ (ابن عدی و دیلمی)

الٰہی بحق بنی فاطمہ[1] کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول من و دست و دامانِ آل رسول

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ط

مکتوب نمبر ۳۷

ان مکتوبات شریفہ کے جامع فقیر حقیر عبدالحی کی طرف صادر فرمایا۔

فضائل کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط رب جل سلطانہٗ کے غضب و غصہ کو ٹھنڈا کرنے میں کوئی چیز بھی اس کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے زیادہ نافع نہیں۔ جب کہ یہ کلمہ طیبہ دوزخ کی آگ میں پڑنے کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ تو دوسرے غصوں کو جو اس سے کمتر ہیں، بطریق اولیٰ ٹھنڈا کرے۔ اور تسکین دیتا ہے۔ کیوں تسکین نہ دے جب کہ بندہ اس کلمہ طیبہ کے تکرار کے ذریعے ماسوائے حق کی نفی کرکے سب سے منہ پھیر کر معبود برحق کو ہی قبلہ توجہ بناتا ہے۔ غضب کا سبب پراگندہ توجہات تھیں جن میں وہ مبتلا تھا۔ جب پراگندہ توجہات کی بندہ نے نفی کردی تو اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ بھی جاتا رہا۔ اس معنی کو تو عالم مجاز میں مشاہدہ کرسکتا ہے۔ جب مالک اپنے غلام سے ناراض ہوتا اور اس پر غضب کا اظہار کرتا ہے۔ تو حسن فطرت والا غلام اپنے مالک کے سوا سے توجہ ہٹا کر اپنے آپ کو مالک کی طرف توجہ کرلیتا ہے۔ اس وقت مالک کو اپنے مملوک کے حق میں شفقت و رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور غضب و غصہ رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس کلمہ طیبہ کو آخرت کے تالوے ذخیرہ ہائے رحمت کی چابی قرار دیا گیا ہے۔ یہ فقیر یوں محسوس کرتا اور جانتا ہے۔ کہ ظلمات کفر اور کدورت شرک سے رفع کرنے میں اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر شفاعت کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ جس شخص نے اس کلمہ کی تصدیق کی ہو اور ایمان کا ایک ذرہ بھی حاصل کرلیا ہو اور پھر یوم

---

[1] اے اللہ! اولاد فاطمہ کے طفیل مجھے ایمان پر خاتمہ نصیب کرنا۔ تو میری دعا رد کرے یا قبول میں ہوں میرا ہاتھ ہے اور آل رسول کا دامن ہے

کفر اور رذائل شرک میں گرفتار ہو چکا ہو۔ تو امید ہے۔ کہ اس کلمہ طیبہ کی شفاعت سے عذاب سے باہر اور دائمی عذاب دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ جس طرح اس امت کے باقی کبیرہ گناہوں کی سزاؤں کے دفع کرنے میں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی شفاعت بہت نفع مند اور کارگر ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے "اس امت کے گناہ کبیرہ" اس بناء پر کہا ہے۔ کہ پہلی امتوں میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہوا ہے۔ بلکہ رسوم اور رذائل شرک کی ملاوٹ و آمیزش بھی کم ہے۔ شفاعت کی محتاج زیادہ تر یہی امت ہے۔ پہلی امتوں کا ایک گروہ کفر پر مصر تھا۔ اور دوسرے گروہ نے اخلاص سے ایمان قبول کیا اور احکام خداوندی کی بجا آوری کی۔ یہ گناہوں سے بھری ہوئی امت ہلاک ہو جاتی۔ اگر کلمہ طیبہ ان کی شفاعت نہ کرتا۔ جس طرح اگر خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات اس امت کی شفاعت نہ کرتے اُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ یہ گناہ گار امت ہے اور رب تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ جس قدر معافی اور بخشش حق جل وعلا اس امت کے لئے کام میں لائے گا۔ معلوم نہیں کہ پہلی امتوں کے لئے بھی کام میں نہ لائے۔ ایک کم سو رحمت شائد اسی پر گناہ کے لئے ذخیرہ کے طور پر رکھی گئی ہے۔

لے کہ مستحق کرامت گناہگاراں ند

اور جب کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ عفو و مغفرت کو دوست رکھتا ہے۔ اور کوئی مقام اور محل بھی اس پر تقصیر امت کے عفو و مغفرت کے برابر نہیں۔ اس لئے یہ امت خیر الامم قرار پائی۔ اور کلمہ طیبہ جو افضل الذکر ہے۔ اس امت کی شفاعت کرنے والا ہے۔ اور ان کی شفاعت کرنے والے پیغمبر کو سید الانبیاء کا خطاب ملا۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات "یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ حسنات سے بدل دے گا" اور اللہ غفور رحیم ہے" ہاں ارحم الراحمین ایسا ہی ہوتا ہے اور اکرم الاکرمین کی شان یہی ہوتی ہے ۲

برکریماں کار باد شوار نیست

اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا — اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش اور

لے کیوں کہ بخشش کے مستحق گناہ ہی ہوتے ہیں۔

۲ کرم والوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔

فِی اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ط — ہمارے کام میں ہمارے مدد سے بڑھنے کو بھی معاف فرما۔ اور ہمارے قدم مضبوط کر اور کافروں کے خلاف ہماری مدد و نصرت فرما۔

نیز اس کلمہ کے فضائل میں سے سنو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم وبارک نے فرمایا[1] مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ ط — جس نے کلمہ طیبہ کی تصدیق کی۔ جنت میں داخل ہوگا۔

کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں۔ کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے سے دخولِ جنت کیسے میسر آئیگا۔ یہ لوگ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے۔ کہ اگر تمام عالم کو صرف اس کلمہ طیبہ کے طفیل بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور مشاہدے میں اس طرح آتا ہے کہ اگر اس کلمہ مقدسہ کی برکات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمام عالم پر تقسیم کرتے رہیں۔ سب کو کفایت کرتا اور سب کو سیراب کرتا ہے۔ تو اس کلمہ طیبہ کی برکات کس قدر بڑھ جاتی ہیں۔ جب کہ اس کے ساتھ کلمہ مقدسہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جمع ہو جائے۔ اور تبلیغ توحید کے ساتھ مل جائے۔ اور رسالت ولایت کی ساتھی بن جائے۔ ان دو کلموں کا مجموعہ ولایت و نبوت کے کمالات کا جامع ہے۔ اور ان دو سعادتوں کا پیشوائے راہ ہے۔ یہی کلمہ ہے۔ جو ولائت کو ظلمات ظلال سے پاک کرتا اور نبوت کو درجہ علیا تک پہنچاتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ کر اور ہمیں اس پر ثابت رکھ۔ اور ہمیں اس کی تصدیق پر موت نصیب فرما۔ اور اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما۔ اور ہمیں اس کی حرمت اور اس کی تبلیغ کرنے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کی حرمت سے جنت میں جانا نصیب فرما۔

نیز جب نظر اور قدم عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور ہمت کے پر و بال نیچے لٹک جاتے ہیں۔ اور معاملہ غیب صرف تک جا پہنچتا ہے۔ اس مقام میں کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے پاؤں کے بغیر نہیں چلا جا سکتا۔ اور اس کلمہ مقدسہ کی آغوش میں بیٹھ کر ہی اُس مسافت کو طے کیا جا سکتا ہے۔ اس مقام میں اس کلمہ طیبہ مقدسہ کو ایک بار پڑھنے والا اس کلمہ طیبہ مقدسہ کی حقیقت کی امداد، و اعانت سے اُس مسافت کا ایک قدم طے کرتا ہے۔ اور اپنی ذات سے دُور اور حق جل و علا کے

---

[1] حاکم بروایت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قریب جا پڑتا ہے۔ اور اس مسافت کا ایک جزو تمام دائرۂ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سے اس کلمہ طیبہ کے ذکر کی فضیلت معلوم کی جا سکتی ہے۔ کہ اس کلمہ کے سامنے ساری دنیا کی کچھ حیثیت و قدر و قیمت نہیں ہے۔ کاش کہ ساری دنیا اس کے سامنے اتنی حیثیت ہی رکھتی جتنی ایک قطرے کی دریائے محیط کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کا ظہور پڑھنے والے کے درجات کے مطابق ہوتا ہے۔ جس قدر پڑھنے والے کا درجہ زیادہ ہوگا۔ اس کلمہ مقدسہ کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا۔

یزیدکَ وَجْهُهُ حُسْنًا إِذَا مَا زِدْتَهُ نَظَرًا[1]

معلوم نہیں کہ اس دنیا میں کوئی آرزو اس کے برابر ہو کہ ایک کونے میں بیٹھا ہو۔ اور اس کلمہ طیبہ سے لذت گیر اور محظوظ ہوتا رہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ کہ تمام آرزوئیں میسر نہیں۔ اور غفلت اور خلق کے میل جول سے چارہ نہیں۔

اے ہمارے رب! ہمارے نور کو مکمل کر۔ اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ
عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

مکتوب نمبر ۳۸

حاجی یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کا دنیا سے رائی برابر تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ظاہراً دنیا اور اسباب دنیا سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

خدائے جل سلطانہٗ کی معرفت اس شخص کے لئے حرام ہے۔ جس کے باطن میں دنیا کی رائی

---

[1] جتنی زیادہ بار تو اس کے چہرے کو دیکھے تجھے اس کا چہرہ زیادہ حسین نظر آئے گا۔

برابر محبت بھی موجود ہو۔ یا اس کے باطن کا اتنی مقدار میں بھی دنیا سے تعلق موجود ہو یا دنیا کی اتنی مقدار بھی اس کے باطن میں گزرے۔ جس طرح اس کا ظاہر کہ باطن سے بمراحل دُور ہے۔ اور آخرت سے دنیا میں آکر افادہ و استفادہ کی مناسبت کی شرط کے حصول کی خاطر لوگوں سے اختلاط پیدا کیا ہوا ہے۔ اس بناء پر اگر دنیا کی بات کرے۔ اور اس کے اسباب سے وابستہ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ اور کوئی بُری چیز نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔ تاکہ بندوں کے حقوق بیکار نہ ہوں اور افادہ استفادہ کا راستہ بند نہ ہو۔ پس ایسے شخص کا باطن اُس کے ظاہر سے بہتر ہے اور جَو نما گندم فروش کی طرح ظاہر بین لوگ اُسے اپنی مانند گندم نما جَو فروش تصور کرتے ہیں۔ اور اس کے ظاہر کو اُس کے باطن سے بہتر جانتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی ظاہراً دنیا سے بے تعلق لیکن باطناً گرفتارِ دنیا ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ط

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى
عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰى

مکتوب نمبر ۳۹

سید عبدالباقی رنگپوری کی طرف صادر فرمایا

اصحابِ یمین، اصحابِ شمال اور سابقین کے بیان میں جنہوں نے ایک قدم شمال اور دوسرا یمین پر رکھا ہوا ہے۔ اور سبقت کا گیند میدانِ اصل تک لے گئے ہیں۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى،

اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت کرے، جان کہ اصحابِ شمال وہ لوگ ہیں۔ جو تاریک پردوں میں ہیں اور اصحابِ یمین نورانی پردوں والے۔ سابقین وہ ہیں جو ان ظلمانی اور نورانی پردوں سے باہر نکلے ہوئے اور ایک قدم شمال پر اور دوسرا یمین پر رکھ کر سبقت کا گیند میدان اصل میں لے گئے ہیں۔ اور امکانی اور وجوبی ظلال سے اوپر گذر گئے ہیں۔ اور انہوں نے اسم و صفت اور شان و اعتبار سے سوائے ذات تعالیٰ و تقدس کے کچھ نہیں چاہا۔ اصحابِ شمال کفر و شقاوت والے ہیں۔ اور اصحابِ یمین اہلِ

اسلام اور ارباب ولایت ہیں۔ اور بالاصالۃ سابقین انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ تابع ہونے کے اعتبار سے جسے بھی اس دولت سے مشرف کردیں۔ تبعیت کے طور پر یہ دولت زیادہ تر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے اکابر صحابہ میں پائی جاتی ہے۔ اور قلت و ندرت کے طور پر غیر اصحاب میں بھی متحقق ہے۔ اور فی الحقیقت یہ شخص بھی گروہ صحابہ میں شامل اور کمالات انبیاء علیہم الصلوات والبرکات سے ملحق ہے۔ شاید ایسے ہی شخص کے حق میں حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

لا یُدْرٰی اَوَّلُھُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُھُمْ [1] نہیں معلوم کیا جاسکتا کہ ان کے پہلے بہتر ہیں یا پچھلے۔

اگرچہ حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ [2] سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔

کیونکہ اپنے زمانے کو قرون کے اعتبار سے بہتر فرمایا اور آخری زمانے کو اشخاص کے لحاظ سے واللہ سبحانہٗ اعلم۔

لیکن انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد افضلیت شیخین (ابوبکر و عمر) پر اہل سنت کا اجماع ہے ایسا کوئی نہیں۔ جو ابوبکر پر سبقت لے گیا ہو۔ اس امت کے سابقین کے پیشرو وہ ہیں۔ اور اس امت کے پہلوں کے پہلے بھی آپ ہیں۔ اور حضرت فاروق آپ کے توسل کی بدولت افضلیت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور آپ کے توسط سے دوسروں سے فوقیت لے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ فاروق کو خلیفہ صدیق کہتے ہیں۔ اور خطبے میں آپ کو رسول اللہ کے خلیفے کا خلیفہ کہتے ہیں۔ اس معاملہ کے شاہ سوار حضرت صدیق ہیں اور حضرت فاروق ان کے ردیف ہیں۔ کیا اچھا ردیف ہے جو اپنے شاہ سوار سے موافقت کرتا اور اس کے خصوصی اوصاف میں شرکت فرماتا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سابقین یمین و شمال کے احکام سے خارج ہیں۔ اور ظلمانی و نورانی معاملات سے اوپر ہیں۔ ان کے اعمال نامے کتاب یمین اور کتاب شمال سے الگ ہیں۔ اور ان کا محاسبہ اصحاب یمین و اصحاب شمال کے محاسبہ کے علاوہ ہے۔ ان کے ساتھ کاروبار علیحدہ اور ان کے ساتھ کرشمہ و ناز جداہے۔ اصحاب یمین اصحاب شمال کی طرح ان کے کمالات سے کیا پا سکتے ہیں۔ اور ارباب

---

[1] ترمذی شریف بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[2] بخاری و مسلم شریف۔

ولایت ان کے اسرار سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ مقطعات قرآنی کے حروف ان کے اسرار کے رموز اور متشابہات فرقانی ان کے مدارج وصول کے خزانے ہیں۔ اصل سے وصول نے انھیں ظل سے فارغ کر دیا ہے۔ اور ارباب ظلال کو ان کے حریم خاص سے دور کر دیا ہے۔ مقرب یہی ہیں۔ اور روح و ریحان انہی کا حصہ ہے۔ یہی ہیں جو فزع اکبر (بڑے خوف) سے فکر مند نہ ہوں گے۔ اور قیامت کے وہشت ناک واقعات سے نہیں گھبرائیں گے۔ اے اللہ! ہمیں ان کے دوستوں میں سے کر۔ کیونکہ انسان اسکے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ جس سے پیار کرتا ہے۔ بصدقہ سید المرسلین علیہ و علی آلہ کل الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔

مکتوب نمبر ۴۰

مولانا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ حجابات کا ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کے حجابات کا ازالہ دو قسم ہے ایک ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے۔ اور دوسرا وجود کے اعتبار سے۔ ازالہ وجودی محال ہے۔ اور ازالہ شہودی ممکن بلکہ واقع ہے۔ اگرچہ بہت ہی قلیل اور اخص خواص لوگوں کا حصہ ہے۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے [1]

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ	بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمات کے
ظُلْمَۃٍ لَوْ کُشِفَتْ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ	ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ اٹھا دیئے جائیں
وَجْہِہٖ مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ	تو اس کے چہرے کے انوار وہاں تک ہر شے کو

[1] فتوحات مکیہ، مشکوۃ شریف اور اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوۃ مختلف الفاظ کے ساتھ۔

خَلْقِہٖ ط جلا دیں۔ جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔

اس حدیث میں وارد کشف و ازالہ سے مراد وجودی کشف و ازالہ ہے۔ جو ممتنع ہے۔ اور جو کچھ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے تمام حجابات کا ازالہ ہو جاتا ہے تو اس ازالہ سے مراد ازالہ شہودی ہے۔ چنانچہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کسی شخص کو ایسی بصارت عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ حجابات و پردوں کے پیچھے پوشیدہ چیزیں دیکھتا ہے۔ یہاں حجابات و پردوں کا ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے۔ تو اسی طرح یہ بھی۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ فقیر نے لکھا ہے۔ حجابات کے عدم ازالہ کی حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ایک دوسرے ازالے کا ذکر ہے اور میری تحریر میں ایک دوسرے کا ازالے کا بیان ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابِعَۃَ الْمُصْطَفٰی

عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی

مکتوب نمبر ۴۱

شیخ فرید تھانیسری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ نہایت النہایۃ کے مراتب میں پہنچ کر ایک ایسا مرتبہ سامنے آتا ہے۔ جہاں کا ہر ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں

اللہ سبحانہٗ کی عنایت اور بصدقہ اس کے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نہایت النہایہ کے مراتب کی طرف عروج کے وقت ایک ایسا مرتبہ سامنے آیا۔ جس مقام کا ہر ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ تھا۔ پس اگر اس مقام کے ایک ذرے کا سلوک طے کر لیا جائے۔ تو گویا دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ مسافت طے ہو جاتی ہے۔ تو اس شخص کی ترقی کا کیا عالم ہوگا۔ جو اس مرتبہ کی مسافت طویلہ طے کر چکا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ دائرہ امکان کی وجوب اور اس سے اوپر کے مراتب کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ کاش۔ کہ دریائے محیط کے سامنے قطرہ کی حیثیت رکھتا۔ تو لازمی بات ہے کہ اپنے پاؤں کی قوت سے کوچہ دوست میں نہیں پہنچ سکتے اور اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ بادشاہ کی عطاؤں کو اُسی کو سواریاں

اٹھا سکتی ہیں۔

مکتوب نمبر ۴۲

خواجہ بہاء الدین حسین ولد میر احسین الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

صوفیہ کے سیر (باطنی) کو آفاق و انفس میں منحصر کرنے اور ان دو سیروں میں تخلیہ اور تجلیہ ثابت کرنے کے بیان میں اور حضرت ایشاں (حضرت امام ربانی) قدس سرہ الاقدس کا اس معنی کو اس میں تسلیم نہ کرنا اور نہایت النہایۃ کو انفس و آفاق سے باہر ثابت کرنا بعنایت اللہ سبحانہ۔ اور اس کے مناسب باتوں کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْفِخَامِ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامِ

فرزند عزیز! اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہاں میں سعادت مند کرے۔ ہوش کے کانوں سے سُن کہ جب سالک درستی نیت اور آرزوؤں سے نجات پانے کے بعد ذکر الٰہی جل سلطانہ میں مشغول ہوتا ہے۔ اور ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ اختیار کرتا اور تزکیہ حاصل کرتا ہے۔ نیز اوصاف رذیلہ کو اخلاق حسنہ سے تبدیل کرتا ہے اور اُسے توبہ و انابت میسر آتی ہے۔ اور دنیا کی محبت دل سے باہر نکل جاتی ہے۔ اور صبر و توکل اور رضا حاصل ہوتی ہیں۔ اور ان حاصل شدہ باتوں کو تدریج و ترتیب سے عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو کدورت بشریہ اور اس کی بُری صفات سے پاک اور مصفّا دیکھتا ہے تو یہی سیر آفاقی ہے۔ جسے وہ اس طرح مکمل طور پر طے کر لیتا ہے۔ اس گروہ صوفیہ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں احتیاط کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور انسان کے سات لطائف میں سے ہر لطیفہ کو عالم مثال میں ان کے مناسب انوار میں سے کسی ایک نور کی صورت میں قرار دیا ہے۔ اور ہر لطیفے کی صفائی کی علامت ان انوار مثالی میں سے کسی نور کے ظہور کو مقرر کیا ہے۔ اور اس سیر کی ابتداء لطیفہ قلب سے کر کے تدریج و ترتیب سے لطیفہ اخفیٰ تک جو منتہائے لطائف ہے، پہنچاتی ہے۔ مثلاً صفائی قلب کی علامت سالک کے لئے اس قلب کو نور سرخ کی صورت میں ظاہر ہونا قرار دیا ہے۔ اور صفائے روح کی علامت نور زرد کی صورت قرار دی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تو سیر آفاقی کا حاصل یہ ہے۔ کہ سالک اپنے تبدّل اوصاف اور تغیّر اخلاق کو عالم مثال کے آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور

لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

اپنی تاریکیوں اور کدورتوں کا زوال بھی اس عالم میں محسوس کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے اپنی صفائی کا یقین اور اُس کے لئے اپنے تزکیے کے ثبوت کا علم ہو جاتا ہے۔ اور جب سالک ہر گھڑی اپنے احوال و اطوار کو عالم مثال میں جو آفاق سے ہے، مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس عالم میں اپنے آپ کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل ہوتا دیکھتا ہے۔ تو گویا یہ اس کی آفاق میں سیر ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ سیر فی الحقیقت سالک کے نفس میں سیر ہوتی ہے۔ اور اس کے اوصاف و اخلاق میں حرکت کیفی ہے۔ لیکن جب کہ دوئی کی وجہ سے اس کا مطمح نظر آفاق ہیں نہ کہ انفس۔ اس لئے یہ سیر بھی آفاق سے منسوب ہو گئی۔ مشائخ نے اس کے مکمل ہونے کو جو سیر آفاق سے منسوب ہے۔ سیر الی اللہ کا تمام و مکمل ہونا قرار دیا ہے۔ اور فنا کو اس سیر سے وابستہ کیا ہے۔ اور سلوک کو اس سیر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد جو سیر واقع ہوتا ہے اُسے سیر انفسی کے نام سے موسوم کرتے اور اُسے ہی سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اور بقا باللہ اسی مقام میں ثابت کرتے ہیں۔ اور اس مقام میں جذبے کا حصول سلوک کے بعد جانتے ہیں۔ جب سالک کے لطائف سیر اوّل میں تزکیہ حاصل کر لیتے اور بشری کدورتوں سے نجات پا لیتے ہیں۔ تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتے ہیں۔ کہ اسم جامع کے جو اس کا رب ہے۔ ظلال و عکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ لطائف اُس اسم جامع کی جزئیات کے ظہورات و تجلیات کے وارد ہونے کی جگہ بن جاتے ہیں اس سیر کو سیر انفسی اس بناء پر کہتے ہیں۔ کہ انفس اسما کے ظلال و عکوس کے آئینے بن جاتے ہیں نہ اس بناء پر کہ سالک کی سیر نفس میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ سیر آفاقی میں گزرا ہے۔ کہ آئینہ داری کے اعتبار سے اُسے سیر آفاقی کہا گیا ہے۔ نہ یہ کہ سیر آفاق میں واقع ہے۔ اس سیر میں فی الحقیقت اسما کے ظلال کی سیر ہے جو انفس کے آئینوں میں واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سیر کو سیر عاشق در معشوق کہا گیا ہے۔

آئینہ[1] صورت از سفر دور است　　کاں پذیرائے صورت از نور است

اس سیر کو سیر فی اللہ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ مشائخ نے کہا ہے کہ سالک اس سیر میں متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک عادت سے دوسری عادت کی طرف انتقال کرتا ہے۔ کیونکہ

حاشیہ صفحہ ۱۲۳ ۱۔ لطیفہ نفس کا نور سفید، لطیفہ سر کا نور سبز، لطیفہ خفی کا رنگ نیلگوں، اور لطیفہ اخفیٰ کا رنگ سیاہ قرار دیا ہے۔

[1] آئینہ جو صورت قبول کرتا ہے۔ حرکت و سفر کرنے سے دُور ہے۔ بلکہ وہ صورت کو اپنی نورانیت کی وجہ سے قبول کرتا ہے۔

مظہر کو ظاہر کے اوصاف سے تھوڑا بہت حصہ ضرور ملتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سیر متحقق ہو گئی۔ یہ ہے اس مقام کی نہایت تحقیق اور اس کلام کی تصحیح۔ صاحب مقام کا حال شاید یہ ہو۔ اور کلام سے متکلم کی مراد بھی کیا ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے فہم اور اپنی دریافت کے مطابق بات کرتا ہے۔ اور بعض اوقات متکلم کلام سے کچھ معنی مراد لیتا ہے۔ اور سننے والا اسی کلام سے کچھ اور سمجھ لیتا ہے۔

مشائخ کرام سیر انفسی کو بے تکلف سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اور اُسے بے تحاشا بقا باللہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور وصل و اتصال کا مقام گمان کرتے ہیں۔ اور یہ اطلاقات فقیر پر بڑے گراں گزرتے ہیں۔ اس بناء پر ان کی تصحیح و توجیہ میں حیلے اور تکلفات کا مرتکب ہونا پڑتا ہے۔ ان حیلوں کا کچھ حصہ کلام مشائخ سے ماخوذ ہے۔ اور کچھ افاضہ و الہام کی راہ سے آیا ہے۔ سیر آفاقی میں گویا اخلاق بد سے تخلیہ حاصل ہوا تھا۔ اور اس سیر انفسی میں اخلاق حمیدہ سے آراستگی ہوتی ہے۔ کیونکہ تخلیہ مقام فنا کے مناسب اور اس سیر انفسی کی نہایت معلوم نہیں کر سکے۔ اور سالک کی عمر طبعی بھی اگر صرف ہو جائے تو بھی مشائخ نے اس سیر کے ختم نہ ہونے کا حکم کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ محبوب کے اوصاف و شمائل کی نہایت نہیں۔ تو ہمیشہ سالک متخلق کے آئینے میں اس کی صفات میں سے ایک صفت اور اس کے کمالات میں سے کسی نا کسی کمال کا ظہور ہوتا رہے گا۔ لہٰذا سیر کا انقطاع کہاں ہوگا۔ اور اس کی نہایت تک پہنچنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے [1]

ذرہ گر بس نیک و ربس بد بود　　گرچہ عمرے تنگ زند در خود بود

اور اس فنا و بقا پر جو سیر آفاقی اور انفسی سے حاصل ہوتی ہے۔ ولایت کے اسم کا اطلاق کرتے ہیں اور نہایت کمال یہیں تک جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو وہ ان کے نزدیک سیر رجوع ہے۔ جو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح سیر چہارم کو جسے سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں۔ نزول و رجوع سے متعلق جانتے ہیں۔ اور ان مشائخ نے ان دو سیروں کو تکمیل و ارشاد کے لئے قرار دیا ہے جس طرح پہلی دو سیروں میں نفس ولایت کے حصول و کمال کے لئے ہیں۔ اور مشائخ کی جماعت نے کہا ہے کہ ستر ہزار پردوں کا ذکر جو حدیث میں آیا ہے کہ

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ　　بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔

---

[1] ذرہ اگرچہ بہت چھوٹا ہو بہت بڑا ہو۔ ساری عمر تنگ و دو کرتا رہے تو بھی اپنے اندر ہی رہتا ہے۔

تو یہ پردے سیر آفاقی میں بٹتے ہیں۔ کیونکہ لطائف میں سے ہر لطیفہ میں دس دس ہزار پردے دور ہوتے ہیں۔ اور جب وہ سیر مکمل ہو جاتی ہے۔ تو حجابات بھی سارے کے سارے زائل ہو جاتے ہیں۔ اور سالک سیر فی اللہ سے موصوف ہو جاتا اور مقام وصل میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہے ارباب ولایت کے سیر و سلوک کا حاصل اور خلاصہ اور ان کے کمال و تکمیل کا نسخہ جامعہ۔ اور اس باب میں جو کچھ اس فقیر پر محض فضل و کرم خداوندی جل سلطانہٗ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور جس کے مطابق چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اظہار نعمت اور شکر عطا کے طور پر فقیر اسے معرض تحریر میں لاتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ط

جان لے۔ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کی توفیق عطا کرے اور سیدھے راستے پر چلائے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جو بے مثل و بے کیف ہے۔ جس طرح آفاق سے وراء ہے۔ انفس سے بھی وراء ہے۔ اس لئے سیر آفاقی کو سیر الی اللہ کہئے اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کا نام دینے کے کوئی معنی نہیں بلکہ آفاقی اور انفسی دونوں سیریں، سیر الی اللہ میں داخل ہیں۔ سیر فی اللہ وہ سیر ہے۔ جو آفاق و انفس سے کئی منزلیں دور ہے۔ اور ان سب سے وراء الوراء ہے۔

عجب معاملہ ہے۔ سیر فی اللہ کو انہوں نے سیر انفسی قرار دیا ہے۔ اور اس سیر کو بے نہایت کہا ہے۔ اور عمر ابدی کے ساتھ بھی اس کے طے ہونے کو جائز قرار نہیں دیا جیسا کہ ابھی یہ بیان گزرا۔ اور جب انفس آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہیں۔ تو اس تقدیر پر دائرہ امکان کو طے کرنا ممکن نہ ہوگا۔ تو حرمان دائمی اور خسارۂ سرمدی لازم ہوگا۔ اور اس صورت میں فنا کبھی متحقق نہ ہوگی۔ اور نہ بقا متصور ہوگی۔ تو وصل و اتصال اور قرب و کمال کیسے حاصل ہوگا۔ سبحان اللہ جب بزرگ پانی کی بجائے سراب پر کفایت کریں اور الی اللہ کو فی اللہ گمان کریں۔ اور امکان کو وجوب اور چون کو بے چون سے تعبیر کریں تو چھوٹوں اور پست فطرتوں کا کیا گلہ کرے۔ اور ان کے متعلق کیا اظہار شکایت کرے۔ ان پر کیا آفت ٹوٹ پڑی۔ انہوں نے کس اعتبار سے انفس کو حق جل و علا کہہ دیا۔ کہ انفس کی سیر کو حد و نہایت کے ہوتے ہوئے بے نہایت گمان کر لیا۔ سالک کے آئینے میں اسماء و صفات واجبی جل سلطانہٗ کے ظہور کو اس سیر انفسی میں انہوں نے جو قرار دیا ہے۔ وہ دراصل اسماء و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے نہ کہ عین اسماء و صفات کا ظہور۔ جیسا کہ اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ کیا کروں اور کس طرح جناب قدس تعالیٰ و تقدس کے متعلق علم و تمیز رکھنے کے باوجود اس بے ادبی کو جائز رکھوں اور اس بلند ذات کے ملک میں اس سبحانہٗ کے غیر کو شریک کروں۔ اگرچہ ان اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حقوق اپنے اوپر لازم جانتا ہوں۔ کیونکہ میں کئی وجوہ سے ان کا

تربیت یافتہ ہوں۔ لیکن حضرت واجب الوجود جل سلطانہٗ کے حقوق ان سب کے حقوق سے فائق ہیں اور اس کی تربیت دوسروں کی تربیتوں سے اوپر ہے۔ میں نے اُس بلند ذات کی حسن تربیت سے اس بھنور سے نجات پائی ہے۔ اور اس بلند ذات کے ملک مقدس میں اس پاک ذات کے غیر کو شریک نہیں کیا۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں اس راہ پر آنے کی ہدایت عطا فرمائی۔ اور اگر اللہ ہماری دستگیری نہ فرماتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔

وہ بلند ذات بے مثل و بے کیف ہے اور جو چیز چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ اس کی بلند جناب قدس سے دُور ہے۔ اس لئے آفاق کے آئینوں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں اس پاک ذات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جو کچھ ان میں ظاہر ہوتا ہے مظاہر کی طرح مثل و کیف میں سے ہوتا ہے۔ پس آفاق و انفس سے آگے گزرنا چاہیئے۔ اور اس پاک ذات کو آفاق و انفس سے باہر تلاش کرنا چاہیئے۔ اور جس طرح دائرہ امکان میں آفاق ہو چاہے انفس اس پاک ذات کی گنجائش نہیں۔ اس کے اسماء و صفات کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو کچھ وہاں ظاہر ہے، بلند اور پاکیزہ اسماء و صفات کے ظلال و عکوس اور ان کا شبہ اور مثال ہے۔ بلکہ اسماء و صفات کی ظلیت و مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے۔ یہاں آراستہ کرنے اور قدرت منقش کرنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ ظہور کس کا اور تجلی کہاں۔ اس لئے کہ اس ذات پاک کے اسماء و صفات بھی اس کی بلند ذات کی طرح بے مثل و بے کیف اور بے شبہ اور بے نمونہ ہیں۔ جب تک تو آفاق و انفس سے باہر نہیں نکلے گا۔ اس بلند ذات کے اسماء و صفات کی ظلیت کے معنی سے واقف نہ ہوگا۔ تو بلند و پاکیزہ اسماء و صفات تک وصول کیسے میسر آسکتا ہے۔

عجائب کاروبار ہے۔ اگر اپنے مکشوفات و معلومات یقینیہ کی بات کروں جو مشائخ کے مذاق کے موافق نہیں۔ اور نہ ان کے مکشوفات کے مطابق ہے۔ تو کون اعتبار کرے گا۔ اور اگر نہ کہوں اور پوشیدہ رکھوں۔ تو حق کو باطل کے ساتھ ملا دینے کا مرتکب ہوں گا۔ اور جس چیز کا حق تعالیٰ و تقدس پر اطلاق جائز نہیں۔ اس کے اطلاق کی گنجائش پیدا ہوگی۔ اس لئے ضرورۃً جو حق ہے۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کے جو کچھ لائق و مناسب ہے۔ اس کا اظہار کرتا ہوں۔ اور جو کچھ اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب قدس کے نامناسب ہے۔ اس کی نفی کرتا ہوں۔ اور دوسرے کے خلاف کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور نہ مجھے اس کا کچھ غم ہے۔ دوسروں کی مخالفت کا خوف اس وقت ہوتا ہے۔ جب کہ مجھے اپنے معاملے میں تذبذب اور تردد اور شک اور اپنے مکشوف میں اشتباہ ہو۔ جب کہ سپیدہ صبح کی طرح کام کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔ اور چودھویں رات کے چاند کی مانند اصل معاملے کو نمایاں کرتے ہیں۔ اور ظلال سے مکمل طور پر

آگے گذار کرلے جاتے اور شبہ و مثال سے بلندلے جاتے ہیں۔ تو اشتباہ کہاں اور تذبذب کیسے رہ سکتا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ صحتِ احوال کی علامت کمال کے حصول کا یقین ہے۔ نیز تذبذب و اشتباہ کی صورت کیسے متحقق ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس بلند ذات کی عنایت بے نہایت سے ان بزرگوں کے احوال مقررہ پر تفصیلی اطلاع میسر آچکی ہے۔ اور توحید و اتحاد اور احاطہ و سریان کے معارف مکشوف ہو چکے ہیں۔ اور مکشوف و مشہود کی حقیقت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ اور اُن کے دقائق علوم و معارف وضاحت سے سمجھ میں آچکے ہیں۔ اور مدت دراز تک اسی مقام میں رہا ہوں۔ اور ان کے قلیل و کثیر یعنی ہر شے سے الا ماشاء اللہ تعالیٰ واقف ہو چکا ہوں۔ آخر الامر فضلِ خداوندی جلّ سلطانہٗ سے ظاہر ہوا کہ یہ سب ظلال کے شعبدے ہیں۔ اور شبہ و مثال سے گرفتاری ہے۔ مطلوب ان سب سے وراء الوراء اور مقصود ان سب سے ماسوا ہے۔ تو یہ فقیر مجبوراً سب سے رُخ پھیر کر جناب قدس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور جو کچھ چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ اس سے پاک و مبرّا ہو گیا۔

" میں نے اپنا رُخ اس ذات کی طرف کر لیا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ میں ہر باطل مذہب سے الگ ہوتا ہوں۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں "

اگر معاملہ اس طرح نہ ہوتا تو میں مشائخ کے خلاف ہرگز لب کشائی نہ کرتا۔ اور ظن و تخمینے سے ان کی مخالفت نہ کرتا۔ اور اگر یہ خلاف واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی ذات و صفات سے متعلق نہ ہوتا۔ اور بات اس بلند ذات کی تنزیہہ و تقدیس کے بارے میں نہ ہوتی تو ان اکابر کے مکشوف کے خلاف میری طرف سے کچھ وقوع میں نہ آتا۔ اور نہ ہی ان کے علوم کی مخالفت میں، میں کچھ کہتا۔ کیونکہ میں کمینہ انہی کی دولتوں کے کھلیانوں کا خوشہ چین ہوں اور ان کی نعمتوں کے دسترخوانوں کا پس خوردہ کھانے والا رذیل ہوں۔ میں مکرر اظہار کرتا ہوں کہ مشائخ کرام ہی ہیں جنہوں نے انواع و اقسام کی تربیتوں سے میری پرورش کی ہے اور مجھے قسم قسم کے کرم و احسان سے نفع پہنچایا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے حقوق ان کے حقوق، سے فائق ہیں۔ جب بحث اس بلند ہستی کی ذات و صفات کے متعلق چھڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس بلند ذات کی جناب قدس کے لائق بعض امور کا اطلاق درست نہیں۔ تو اس مقام میں خاموشی متعیّن کرنا۔ اور دوسرے کے خلاف کچھ کہنے سے ڈرنا دین و دیانت سے دُور ہے۔ اور طاعت و بندگی کا مقام اُسے برداشت نہیں کرتا۔ علماء کا مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اُمورِ خلافیہ میں اختلاف جیسے مسئلہ وحدت وغیرہ نظر و استدلال کی راہ سے ہے۔ اور فقیر کا اختلاف اُن سے کشف و شہود کے راستے سے

ہے۔ علماء ان امور کے قبح کے قائل ہیں۔ اور بشرط عبور ان کے حسن کا قائل ہے

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاؤ الدولہ کا اختلاف علماء کے طور پر مفہوم ہوتا ہے۔ اور ان کی جانب قبح کی طرف ناظر ہے۔ اگرچہ یہ قبح کشف کے راستے سے آیا ہے۔ کیونکہ صاحب کشف انھیں برا نہیں جانتا۔ کیونکہ یہ مسئلہ احوالِ عزیزہ کا متضمن اور معارف عجیبہ پر مشتمل ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ اس موطن میں قیام کرنا مستحسن نہیں۔ اور ان احوال و معارف پر اکتفا کرنا مناسب نہیں۔

سوال :۔ اس صورت میں مشائخ کو باطل پر ماننا پڑے گا۔ اور حق اُن کے مکشوف و مشہود کے ماسوا ہوگا

جواب :۔ باطل یہ ہے کہ اس کا صحیح محمل و معنی نہ ہو سکے۔ اور ہمارے اس مسلک میں ان احوال و معارف کا منشا حق سبحانہٗ کی محبت کا غلبہ اور اس بلند ذات کی محبت کا ایسے طور پر غلبہ ہے۔ جو ان کی نظر بصیرت میں ماسوا کا نام و نشان باقی نہیں چھوڑتا۔ اور غیر و غیریت کے اسم و رسم کو نیست اور لاشے کر دیتا ہے۔ اس وقت ناچار سکر اور غلبۂ حال کے باعث ماسوا کو معدوم جانے گا۔ اور حق تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہ دیکھے گا۔ یہاں باطل کیا چیز ہے اور بطلان کیا۔ یہاں تو حق کا غلبہ اور باطل کا بطلان ہے۔ اور ان بزرگوں نے محبتِ حق جل و علا میں اپنے آپ کو اور اپنے علاوہ ہر شے کو بھی ترک کر دیا۔ اور اپنا اور اپنے غیر کا نام و نشان مٹا دیتے ہیں۔ نزدیک ہے کہ باطل ان کے سایہ سے بھی دُور بھاگے۔ یہاں سب حق ہے اور حق کیلئے ہے۔ علماء ظاہر ہیں ان کی حقیقت سے کیا پا سکتے ہیں۔ اور مخالفت کے سوا اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان کے کمالات سے کیا حاصل کرتے ہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ ان احوال و معارف کے علاوہ کچھ ایسے کمالات بھی ہیں۔ جن کے سامنے یہ احوال و معارف دریائے محیط کے سامنے قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آسمان[1] نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حجابات کے زائل ہونے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ کہ سیر آفاقی میں ظلمانی اور نورانی حجابات مکمل طور پر اُٹھ جاتے ہیں جیسا کہ گذرا، فقیر کے نزدیک یہ بات محل خدشہ ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ثابت و مشہود ہو چکا ہے۔ کہ ظلمانی حجابات کا اُٹھنا تمام مراتبِ امکان کے طے ہونے سے وابستہ ہے۔ جو سیر آفاقی و انفسی سے میسر آجاتا ہے۔ لیکن نورانی،

---

[1] اگرچہ آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے۔ لیکن تودہ خاک کی نسبت بہت بلند ہے۔

حجابات کا اُٹھنا واجب تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کی سیر سے مربوط ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نظر میں نہ اسم باقی رہے نہ صفت۔ نہ شان باقی رہتی ہے نہ اعتبار۔ تو اس وقت اس کے لئے تمام نورانی حجابات اُٹھنے میسر آجاتے ہیں۔ تو وُہ وصل عُریانی سے مشرف ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ وصل حصول میں بہت کم اور یہ واصل بہت نادر الوجود ہے۔ پس سیر آفاقی میں معلوم نہیں کہ لفف ظلمانی حجابات اُٹھتے ہوں۔ نورانی حجابات کے اُٹھنے کی وہاں کیا صورت ہوسکتی ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ ظلمانی حجابات کے مراتب مختلف ہیں۔ جو اشتباہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ مثلاً ظلمت میں نفسانی حجابات قلبی حجابات سے اوپر ہیں۔ تو قلیل الظلمۃ شخص اپنے آپ کو نسبتاً نورانیت کے عنوان سے ظاہر کرتا ہے۔ اور ظلمانی حجابات نورانی حجابات کی شکل میں متمثل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ظلمانی ظلمانی ہے اور نورانی نورانی۔ تیز نگاہ والا ایک کو دوسرے سے خلط ملط نہیں ہونے دیتا۔ اور اشتباہ کے سبب کو پا لینے کی وجہ سے ظلمت پر نور کا حکم نہیں لگاتا" یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے" اور جس طریقے پر اس فقیر کو چلانے سے مشرف کیا گیا ہے۔ ایسا راستہ ہے جو جذبہ وسلوک کا جامع ہے۔ اور وہاں تخلیہ اور تجلیہ آپس میں اکٹھے اور اس مقام میں تصفیہ وتزکیہ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور اس میں سیر انفس، سیر آفاق کو متضمن ہے عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین تجلیہ میں تخلیہ اور جذبہ سلوک کو فراہم کرتا اور انفس آفاق کو شامل ہیں۔ لیکن تقدم ذاتی تجلیہ اور جذبہ کو شامل ہے۔ اور تصفیہ کو تزکیہ پر سبقت ذاتی ہے۔ اور ملحوظ نظر انفس ہیں نہ کہ آفاق۔ پس لازماً اس طریق میں راہ اقرب ہوگئی۔ اور سالک وصول میں نزدیک تر ہوگیا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ طریق یقیناً منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اور اس میں عدمِ وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ سے استقامت کی درخواست اور فرصت طلب کرنی چاہیئے۔ اور وہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ یہ طریق یقیناً پہنچانے والا ہے۔ اس لئے کہا ہے۔ کہ اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے۔ جو وصول کی دلیل ہے اور رُک جانے کے مواقع یا منازل سلوک ہیں یا مقامات جذبات ہیں جو سلوک کو متضمن نہیں۔ اور اس طریق میں دونوں موانع مرتفع ہیں۔ کیونکہ سلوک طفیلی ہے۔ جو جذبہ کے ضمن میں حاصل ہوتا ہے۔ پس یہاں نہ سلوک خالص ہے نہ محض جذبہ تاکہ سدِ راہ بنے۔ یہ وُہ طریقہ ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگ (انبیاء علیہم السلام) اسی راستے سے اپنے مختلف مراتب کے مطابق منازل وصول تک پہنچے ہیں۔ اور انہوں نے آفاق وانفس کو ایک قدم میں طے کیا اور دوسرا قدم آفاق وانفس سے باہر جا رکھا ہے اور معاملے کو سلوک اور جذبہ سے اوپر لے گئے ہیں۔ اس لئے کہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی نہایت تک ہے۔ اور جذبے کی نہایت سیر انفسی کی نہایت تک۔ اور جب سیر آفاقی اور انفسی نہایت کو پہنچ گئی پس سلوک

وجذبہ کا معاملہ مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد نہ سلوک ہے نہ جذبہ۔ یہ معنی ہر مجذوب سالک اور ہر سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک آفاق وانفس کے باہر قدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اگر بالفرض ابدی عمر پائیں۔ تو ساری کی ساری سیر انفس میں صرف کردیں گے۔ اور پھر بھی اُسے تمام نہ کرسکیں گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ذرہ گر بس نیک وربس بد بود گرچہ عمرے تنگ زند در خود بود

جیسا کہ گذرا۔ اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ ذات کی تجلی متجلی لہٗ کی صورت میں ہی ہوسکتی ہے۔ پس متجلی لہٗ نے اپنی صورت کے سوا حق کے آئینہ میں کچھ نہیں دیکھا۔ اور اس نے حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اُسے دیکھ سکے۔

جاننا چاہیئے کہ میرے پیر اور بھائی میرے رہنما جن کے توسّل سے میں نے اس راستے میں آنکھیں کھولی ہیں اور انکے توسط سے طریقت میں لب کشائی کی ہے۔ اور طریقت میں الف و با کا سبق انہی سے لیا ہے۔ اور مولویت کا ملکہ بھی میں نے انہی کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کی طفیل اور اگر معرفت ہے تو وہ بھی انہی کے التفات کا اثر ہے۔ میں نے اندراج النہایہ فی البدایہ کا طریقہ انہی سے سیکھا ہے۔ اور قیومیت کے طریقہ پر نسبتِ انجذاب بھی انہی سے اخذ کی ہے۔ اور ان کی ایک نگاہ سے میں نے وہ کچھ دیکھا ہے۔ کہ لوگ چالیس دن کے چلّہ میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور اُن کے ایک التفات سے میں نے وہ کچھ پایا کہ دوسرے سالہا سال میں بھی حاصل نہیں کرسکتے [1]

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دین طعنہ زند بر دہ خمخزہ کند پر چلہ

اچھا کہا ہے جس نے کہا ہے ؎

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار اند کہ برند از راہ پنہاں بحرم قافلہ را

ان نقشبندی بزرگوں نے علوِ فطرت اور بلند ہمتی کی بناء پر طریقت کی ابتداء سیر انفسی سے قرار دی ہے۔ اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں طے کیا ہے۔ ان بزرگوں کی عبارات میں "سفر در وطن" اسی سیر سے کنایہ ہے۔ ان بزرگوں کے طریق میں راہ بہت قریب اور وصول بہت نزدیک ہے۔ اور

---

[1] شمس دین نے تبریز میں جو کچھ ایک نگاہ میں پایا۔ وہ دس روزہ خلوت پر طعنہ زن اور چالیس روزہ چلّے کا مذاق اڑاتا ہے۔

[2] نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں۔ کہ پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

دوسروں کی سیر کی نہایت ان بزرگوں کی ابتداء ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا ہے "ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔ الغرض تمام طرق مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم جمیعہم کے درمیان ان بزرگوں کا طریقہ بہت بلند ہے۔ اور یہ کہنا روا ہے کہ دوسروں کی اکثر آگاہیوں سے ان کا حضور اور ان کی آگاہی فائق اور ارفع ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے اور اس نسبت سے مراد ان کی یہی حضور و آگاہی ہے۔ لیکن چونکہ ولایت اولیاء کی قدم گاہ و گذرگاہ آفاق و انفس اور سلوک و جذبہ کے ماوراء اور ماسوا نہیں اس بناء پر مجبوراً ان بزرگوں نے آفاق و انفس سے باہر کی خبر نہیں دی اور جذبہ و سلوک سے اوپر کے متعلق گفتگو نہیں کی۔ یہ بزرگ کمالات ولایت کے اندازہ کے مطابق فرماتے ہیں "اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں۔ اور جو کچھ سنتے ہیں اپنے اندر سنتے ہیں۔ اور ان کی سیرت اپنے وجود میں ہوتی ہے۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ — اور تمہارے اندر ہے کیا تم نہیں دیکھتے

اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ان بزرگوں نے اگرچہ انفس سے باہر کی خبر نہیں دی۔ تاہم انفس میں گرفتار بھی نہیں ہیں۔ چاہتے ہیں کہ انفس کو بھی آفاق کی طرح لاکے نیچے لائیں اور غیریت کیوجہ سے اس کی بھی نفی کردیں۔ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ فرماتے ہیں "جو کچھ دیکھا گیا ہے یا سنا گیا یا جانا گیا سب غیر ہے اور کلمہ لا کی حقیقت اس کی نفی کرنی چاہیئے [1]

نقش بندند و لے بند ہر نقش نیند — ہر دم از بوالعجبی نقش دگر پیش آرند

نقشبندانے [2] ولیک از نقش پاک — نقش ما ہم گرچہ پاک از لوح خاک

یہاں ایک سر ہے جاننا چاہیئے کہ غیریت کی نفی کرنا اور ہے اور غیریت کا خود بخود منتفی ہو جانا امر دیگر۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اور میں نے جو کہا ہے۔ کہ ولایت کے لئے جذبہ و سلوک اور آفاق و انفس سے باہر قدم گاہ نہیں۔ اس لئے کہا ہے کہ ولایت کے ان ارکان اربعہ سے اوپر کمالات نبوت کے مبادی اور مقدمات ہیں۔ کہ ولایت کے ہاتھ اس بلند و بالا درخت تک نہیں پہنچ سکتے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اکثر اصحاب اور اصحاب کے علاوہ امتیوں میں سے بہت کم لوگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مستفید

---

[1] نقشبند کہلاتے ہیں۔ مگر کسی نقش میں بند نہیں ہیں۔ اپنے کمال اور بوالعجبی سے ہر ساعت نہایت عمدہ نقش پیش کرتے ہیں۔

[2] نقشبند کہلاتے ہیں۔ لیکن ہر نقش سے پاک ہیں۔ اگرچہ ہمارا نقش بھی لوح خاک سے پاک ہے۔

ہوئے ہیں۔ اور جذبہ و سلوک کی شاہراہ کے ذریعے دوری کے منازل طے کر کے سلوک و جذبہ سے باہر قدم رکھا ہے اور دائرہ ظلال سے مکمل طور پر باہر نکل کر انفس کو آفاق کی طرح پیچھے چھوڑ دیا ہے اور اس مقام میں تجلی برقی ذاتی جو دوسروں کو لمحہ کے لئے چمکنے والی بجلی کی طرح نصیب ہوتی ہے۔ ان کو دائمی طور پر حاصل ہے۔ بلکہ ان بزرگوں کا معاملہ تجلی سے اوپر ہے چاہے برقی ہو چاہے غیر برقی۔ کیونکہ تجلی بھی ایک طرح کی ظلیت چاہتی ہے۔ اور ظلیت کا ایک نقطہ بھی ان بزرگوں پر عظیم پہاڑ کی طرح بھاری ہے۔ ان بزرگوں کے کام کی ابتدا جذب و محبت الٰہی جل سلطانہٗ سے اور جب خداوند جل سلطانہٗ و عظم شانہٗ کی عنایت بے نہایت سے یہ محبت ساعت فساعت غلبہ کرتی چلی جاتی ہے۔ اور قوت و تسلط پیدا کر لیتی ہے۔ تو ناچار ماسوا کی محبت درجہ بدرجہ رُو بزوال ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اغیار سے گرفتاری کا تعلق بتدریج ہٹتا چلا جاتا ہے۔ اور جب کسی صاحب دولت سے محبتِ خداوندی جل سلطانہٗ کے غلبہ کے باعث ماسوا کی محبت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ جنابِ قدس خداوندی کی محبت و گرفتاری لے لیتی ہے۔ تو لازماً اوصافِ رذائل اور اخلاقِ رذیہ پورے طور پر اس سے دُور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ اور مقاماتِ[1] عشرہ سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ سیرِ آفاق سے تعلق رکھتا تھا بے مشقت سلوک و تفصیل اور بے ریاضات و مجاہدات شدیدہ میسر آجاتا ہے۔ کیونکہ محبت محبوب کی اطاعت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور محبت کمال کو پہنچ گئی اطاعت پورے طور پر حاصل ہو گئی۔ اور جب محبوب کی اطاعت بر وجہِ اتم قوتِ بشری کے اندازہ کے مطابق حاصل ہو گئی تو مقاماتِ عشرہ بھی حاصل ہو گئے۔ نیز اسی سیرِ محبوبی کے ساتھ جس طرح سیرِ آفاقی میسر ہو گئی۔ سیرِ انفسی بھی انتہا کو پہنچ گئی۔ کیونکہ مخبر صادق علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

[2] اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ — آدمی اس کے ساتھ ہے۔ جس سے اُسے پیار ہے۔

اور جب کہ محبوب آفاق و انفس سے ماوراء ہے۔ محب کو بھی تقاضا معیت کے مطابق آفاق و انفس سے آگے نکلنا چاہیے۔ اس لئے لازماً سیرِ انفسی کو بھی پیچھے چھوڑتا ہے۔ اور معیت کی دولت حاصل کرتا ہے پس یہ بزرگ دولتِ معیت کی وجہ سے نہ تو آفاق سے سروکار رکھتے ہیں نہ انفس سے۔ بلکہ آفاق و انفس ان کے کاروبار کے تابع ہے۔ اور سلوک و جذبہ ان کے معاملے کا طفیلی۔ ان بزرگوں کا سرمایہ محبت ہے

---

[1] یعنی توبہ، صبر، شکر، زہد، توکل، قناعت اور رضا وغیرہ

[2] بخاری و مسلم شریف۔

جسے محبوب کی اطاعت لازم ہے۔ اور محبوب کی اطاعت شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ جو اس کا پسندیدہ دین ہے۔ لہٰذا کمالِ محبت کی علامت شریعت کی کمال بجا آوری کو قرار دیا گیا ہے۔ اور شریعت کی کامل طور پر بجا آوری علم، عمل اور اخلاص سے وابستہ ہے۔ ایسا اخلاص جو تمام اقوال و اعمال اور جمیع حرکات و سکنات میں پایا جائے۔ جو مخلص بفتح لام کا حصہ ہے۔ مخلصین بکسر لام اس امر دشوار کو کیا پا سکتے ہیں "مخلصین بڑے خطرے میں ہیں" کا مقولہ آپ نے سُنا ہوگا

اب ہم اصل بات کی طرف آتے اور کہتے ہیں۔ کہ سیر و سلوک اور جذبہ و تصفیہ سے مقصود اخلاق رذیلہ اور اوصافِ رذیلہ سے نفس کی تطہیر اور پاکیزگی ہے۔ کہ ان تمام رذائل اور اخلاق رذیلہ کی رئیس اور سردار نفس، اس کی مرادوں اور اس کی خواہشات کے حصول میں گرفتار رہنا ہے۔ اس لئے سیر الی النفس سے چارہ نہیں اور نہ صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف (اس کے بغیر) گذر ہو سکتا ہے۔ اور سیر آفاقی مقصود سے خارج ہے۔ کوئی مفید غرض اس سے متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ آفاق سے گرفتاری نفس سے گرفتاری کے واسطے سے ہے اس لئے کہ جس چیز سے بھی انسانی دوستی ہے۔ اپنے آپ سے دوستی کیوجہ سے ہے۔ اور اگر انسان مال و اولاد سے محبت کرتا ہے۔ اپنے نفع اور فائدے کے لئے کرتا ہے۔ اور جب سیر الی النفس میں حق جل و علا کی محبت کے غلبہ کے باعث اپنی ذات سے دوستی زائل ہو گئی تو اس کے ضمن میں مال و اولاد سے دوستی بھی زائل ہو گئی۔ پس سیر الی النفس تو ضروری ہے اور سیر آفاقی طفیلی طور پر اس کے ضمن میں میسر آجاتی ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی سیر النفس میں منحصر تھی۔ اور آفاقی طفیلی طور پر ضمن میں طے ہو جاتی تھی۔ ہاں سیر آفاقی بھی اچھی چیز ہے۔ اگر اس کے طے کرنے کی فرصت دیں۔ اور رکاوٹوں کے درمیان میں حائل ہونے کے بغیر ہی انجام تک پہنچا دیں۔ اور اگر اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور رکاوٹوں میں مبتلا کر دیں تو نزدیک ہے۔ کہ سیر آفاقی لایعنی کاموں میں شمار ہو جائے اور حصولِ مطلوب کے موانع میں داخل ہو جائے۔ سیر الی النفس جس قدر طے ہو سکے غنیمت ہے۔ کیونکہ یہ بدی سے نیکی کیطرف جانا ہے۔ نعمتِ عظیم ہے۔ اگر اس سیر کو بندہ انجام تک لے جائے۔ اور دائرہ النفس سے باہر نکلنا شروع کر دے۔ کیا ضرورت ہے کہ (سالک) تلوینات نفس کو آفاق کے آئینہ میں مشاہدہ کرے۔ اور اپنے تغیرات کا آفاق میں معائنہ کرے جس طرح اپنے صفائے قلب کو مثلاً آئینہ مثال میں معلوم کرے اور اسی صفائی کو نور سرخ کی صورت میں بھی دیکھے۔ اپنی قوتِ باطن کو کیوں کام میں نہیں لاتا۔ اور اس کی صفائی کو اپنی فراست کے سپرد کیوں نہیں کرتا۔ مثال مشہور ہے۔ کہ بارہ سالہ لڑکے کو طبیب کی کیا حاجت ہے۔ کیونکہ سالک اپنے وجدان صحیح سے اپنے احوال کی تلوینات کو پالے گا۔ اور فراست سے ہی اپنی صحت و سقم کو معلوم کرے گا۔ ہاں یہ بات ضرور

ہے کہ سیر آفاقی میں علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات بہت ہیں۔ لیکن ان سب کا رجوع ظلال کی طرف ہے۔ اور شبہ و مثال سے تسلی گیر ہونے کی بات ہے۔ جب کہ سیر انفسی بھی ظلال سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ (میں نے) رسائل و مکاتیب میں اس کی تحقیق کی ہے۔ تو چاہیئے کہ سیر آفاقی ظل الظل سے متعلق ہو۔ کیونکہ آفاق انفس کے لئے ظل کی طرح اور اس کے ظہور کا آئینہ ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انفس کے احوال کو جو آفاق کے آئینے میں مشاہدہ کرتے اور صفاو تجلیہ کو وہاں سے معلوم کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص خواب یا واقعہ میں عالم مثال کے اندر اپنے آپ کو بادشاہ یا قطب بنا ہوا دیکھے۔ فی الحقیقت وہ شخص نہ بادشاہ ہے نہ قطب۔ بادشاہ اور قطب وہ ہیں جو خارج میں ان دو مرتبوں سے مشرف ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ اس خواب اور اس واقعہ سے دیکھنے والے کے بادشاہ یا قطب بننے کی استعداد معلوم ہوتی ہے۔ سخت جان ماری کی ضرورت ہے تاکہ معاملہ قوت سے فعل اور گوش سے آغوش تک پہنچ سکے۔ اور جس کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اس میں تزکیہ اور تجلیہ سیر انفسی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ سیر آفاقی میں جو کچھ دیکھا ہے وہ تزکیہ و تجلیہ کی استعداد و قابلیت ہے پس خارج میں اپنے آپ کو سیر انفسی کے ساتھ مزکّی اور مطہر نہیں دیکھ سکتا۔ اور صرف وجدان سے اپنے آپ کو مصفا نہیں پا سکتا۔ فی الحقیقت فنا سے اُسے کچھ حصہ حاصل نہیں۔ اور مقاماتِ عشرہ کے ساتھ موصوف ہونے سے بے بہرہ ہے۔ اور اطوارِ ستہ[1] سے چھلکے کے سوا اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔ پس ناچار سیر انفسی سیر الی اللہ میں داخل ہو گئی اور سیر الی اللہ کا تمام ہونا جو مقام فنا ہے، سیر انفسی کے تمام ہونے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور سیر فی اللہ کی جو کئی مراحل سیر انفسی کے بعد ہے صورت سامنے آتی ہے[2]

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ

اے سعادت کے آثار والے! سیر انفسی میں علمی اور جُبّی تعلق جو ذات سالک سے منسوب تھا، زائل ہو گیا۔ اور جو گرفتاری اُسے اپنی ذات سے تھی، اُٹھ گئی تو دوسروں کی گرفتاری بھی اس کی ذات سے گرفتاری، کے زوال کے ضمن زائل ہو گئی۔ کیونکہ دوسروں کے ساتھ گرفتاری اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری کے واسطہ سے تھی۔ جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر مذکور ہوئی۔ پس یہ بات درست ہو گئی۔ کہ سیر آفاقی سیر انفسی کے ضمن میں طے

---

[1] یعنی عالم خلق و امر کے سات لطائف کے حالات۔

[2] سُعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے۔ جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور دشوار گذار پگ ڈنڈیاں واقع ہیں۔

ہو جاتی ہے۔ اور سالک اس ایک سیر کے ساتھ ہی اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری اور دوسروں کی گرفتاری سے نجات پا جاتا ہے۔ تو اس کے اندازے کے مطابق سیر انفسی اور سیر آفاقی کے معنی کی تحقیق درست ہو گئی کیونکہ فی الحقیقت سیر انفس میں ہوتی ہے۔ لیکن وہی سیر آفاق میں بھی ہے۔ اس لئے کہ بتدریج انفس سے تعلقات قطع کرنا انفس میں سیر ہے۔ اور سیر انفسی کے ضمن میں آفاق سے قطع تعلقات کی جو صورت بنتی ہے۔ وہ آفاق میں سیر ہے۔ بخلاف دوسروں کی سیر آفاقی اور سیر انفسی کے۔ کیونکہ وہ تکلف کی محتاج ہے جیسا کہ گذرا۔ ہاں ہاں جہاں حقیقت ہے وہاں تکلف سے آزادی ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّق۔

سُن پھر سُن! کہ سیر انفسی میں سالک کے آئینے میں واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کا ظہور جو کہا گیا ہے سے تجلیہ بعد از تخلیہ کا خیال کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت اسماء و صفات کا ظہور نہیں ہے اور نہ ہی تجلیہ بعد از تخلیہ ہے۔ بلکہ وہ ظہور اسماء و صفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے جو تخلیہ کا سبب ظہور ہے اور تزکیہ اور تصفیہ کو آسان کرنے والا ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ ابتداً حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو مبدائیت کے مناسب ہے۔ طالب کے آئینے میں اولاً مطلوب کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہوتا ہے۔ تاکہ طالب کی تاریکیوں اور اس کے میل کچیل کو دور کر دیں۔ اور اُسے تزکیہ اور تصفیہ حاصل ہو۔ تاریکیوں کے دُور ہونے اور تزکیہ اور تصفیہ کے حاصل ہونے کے بعد جو مکمل طور پر سیر انفسی سے وابستہ ہے تخلیہ کی صورت بنتی ہے۔ اور تجلیہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کے ظہور کے قابل ہوتا ہے۔ لہٰذا سیر انفسی میں تخلیے کو حاصل کیا جاتا ہے۔ جو تزکیہ و تصفیہ سے وابستہ ہے۔ اور جس تخلیے کا دم سیر آفاقی میں ہوا تھا۔ وہ تخلیے کی صورت تھی نہ کہ حقیقت تخلیہ تاکہ سیر انفسی میں ہی حصول تخلیہ اور ظہور متصور ہو۔ جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے۔ اس بیان سے لازم آیا۔ کہ خلی وابستگی گسستن۔ (تعلقات توڑنے) پر مقدم ہے۔ جب تک مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینے میں منعکس نہ ہو، غیر مطلوب سے قطع تعلق متصور نہیں ہوتی۔ لیکن اصل سے وابستہ ہونا گسستن قطع تعلق کے بعد ہے۔ لہٰذا مشائخ میں سے جنہوں نے پیوستن کو مقدم رکھا ہے۔ تو اس سے ظلی پیوستگی مراد لینی چاہیئے۔ اور جنہوں نے گسستن کو پیوستن پر مقدم کیا ہے۔ تو اس سے اصل سے پیوستگی مراد لی جائے تاکہ فریقین کی نزاع لفظی بن جائے۔

اور شیخ ابو سعید خراز قدس سرہٗ اس مقام میں متوقف ہے۔ وہ کہتا ہے "تا نر ہی نیابی تا نیابی نر ہی ندانم کدام پیش بود" یعنی جب تک قطع تعلق نہ کرے گا۔ مقصود نہ پائے گا اور جب تک مقصود کو نہ

پائے گا۔ غیر سے قطع تعلق میں کامیاب نہ ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے پہلے کس کا وقوع ہوتا ہے معلوم ہوگیا کہ ظل کی یافت تعلقات سے آزاد ہونے کے بعد ہے اور اصل کی یافت آزاد ہونے کے بعد۔ لہٰذا کوئی اشتباہ نہ رہا۔ جس طرح صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے سورج کے انوار کے ظلال کا ظہور ہوتا ہے۔ تاکہ عالم کو ظلمات سے خالی کرے اور صفائی عطا کرے ظلمات کے زوال اور صفائی کے حصول کے بعد نفس آفتاب کا طلوع ہوتا ہے۔ اس لئے آفتاب کے ظل کا ظہور ظلمات کے زوال سے پہلے ہے۔ اور نفس آفتاب کا طلوع ظلمات کے زائل ہونے کے بعد ہے۔ بادشاہوں کا جلوہ نما ہونا تخلیہ اور تصفیہ کے بعد مناسب ہوتا ہے۔ اگرچہ تخلیہ اور تصفیہ اُن کے مقدمۃ الجیش کے طلوع کے بغیر متصور نہیں ہے۔ تو حق ظاہر ہوگیا اور جھگڑا ختم ہوگیا اور اشتباہ دور ہوگیا۔

"واللہ سبحانہ اعلم"

مکتوب نمبر ۴۳

مولانا محمد حسن کی طرف صادر فرمایا

اس معنی کے بیان میں کہ اس بارگاہ میں ذوق یافت ہے، یافت نہیں اور اندراج النہایۃ فی البدایہ کے معنی میں جو اس بلند طریقہ کا خاصہ ہے اور دوسرے طریقوں پر افضلیت، اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اس بلند طریقہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں واقع ہوا ہے۔ کہ اس حضرت جل سلطانہٗ میں ذوق یافت ہے نہ کہ یافت۔ یہ بات نہایت کے بدایت میں اندراج کے مناسب ہے۔ جو ان بزرگوں کے جذبہ خاص کے مقام کے مناسب ہے۔ اس مقام میں یافت کی حقیقت ہے کیونکہ وہ انتہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن جب کہ نہایت کو بدایت میں درج کرنے کی چاشنی ان بزرگوں نے اس میں ڈال دی ہے۔ اس لئے ذوقِ یافت یہاں میسر آجاتا ہے۔ اور جب جذبہ سے معاملہ باہر آتا ہے اور ابتدا سے وسط میں آتا ہے۔ تو ذوقِ یافت بھی یافت کی طرح عدم کی جانب رخ کر لیتا ہے۔ نہ یافت رہتی ہے اور ذوق یافت۔ اور جب کام نہایت تک پہنچتا ہے تو یافت میسر آجاتی ہے۔ اور

ذوق یافت مفقود ہو جاتا ہے۔ اور جب منتہی کے حق میں ذوق یافت مفقود ہے تو التذاذ اور حلاوت بھی اس کے حق میں کمتر ہے۔ منتہی ذوق و حلاوت کو اوّل قدم میں ہی چھوڑ چکا ہے۔ اور آخر کار بے حلاوتی اور بے مزگی کے گوشہ گمنامی چلا جاتا ہے [1]

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ دَائِمَ الْفِكْرِ ط

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم و بارک ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے۔

سوال :۔ جب منتہی کو مطلوب کی یافت میسر آگئی تو ذوق یافت کیوں مفقود ہو گیا۔ اور مبتدی جب کہ یافت سے بے بہرہ ہے تو اُسے ذوقِ یافت کہاں سے میسر آگیا۔

جواب :۔ یافت کی دولت منتہی کے باطن کے لئے ہے۔ جس سے اپنے ظاہر سے تعلق منقطع کرنے سے مشرف ہوا ہے۔ اور جب اس کے باطن کو اس کے ظاہر سے تعلق بہت کم رہ گیا ہے تو لازماً باطنی نسبت ظاہر میں سرایت نہیں کرتی اور باطن کی یافت سے ظاہر کو کچھ ذوق و لذت نصیب نہیں ہوتی پس منتہی کے باطن کو مطلوب کی یافت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے ظاہر کو ذوقِ یافت نہیں ہوتا باقی رہا ذوقِ باطن کہ یافت اس کا حصہ ہے جب باطن نے بے چونی سے حصہ پایا ہے۔ تو اس کا وہ ذوق بھی بے چونی کے جہاں سے ہوگا۔ اور ظاہر کے ورک میں جو سراسر چون ہے، نہیں آئے گا۔ لہٰذا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ ظاہر باطن کے ذوق کی نفی کرتا ہے۔ اور باطن کو بھی اپنی طرح بے حلاوت جانتا ہے۔ کیونکہ چوں کا ذوق اور ہے اور بے چوں کا ذوق اور۔ اور جب کہ منتہی کا ظاہر بھی اس کے باطن سے بے خبر ہے تو ظاہر بین عوام منتہی کے باطن سے کیا واقف ہونگے۔ اور انکار کے سوا اُنکے حصے میں کیا آئے گا۔ جو ذوق ان کے فہم میں آتا ہے، ظاہر کا ذوق ہے۔ جو عالم چوں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماع، رقص، ہاؤ ہو اور بے قراری وغیرہ جو ظاہر کے احوال اور صورت کے اذواق ہیں۔ ان کے نزدیک بڑے نادر الوجود اور عظیم القدر ہیں۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ اذواق و مواجید کو انھیں مذکورہ امور میں منحصر جانیں۔ اور ولایت کے کمالات صرف انہی امور کو گمان کریں۔ اللہ سبحانہٗ انھیں سیدھی راہ دکھائے۔ ظاہر کے احوال باطنی احوال کی نسبت اس طرح ہیں جس طرح چوں بے چوں کے سامنے۔ تو ثابت ہو گیا کہ

---

[1] ترمذی شریف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ کیفیت زیادہ تر اور جلالِ الٰہی میں استغراق کے باعث ہوتی تھی ظاہر میں آپ کا اکثر تبسم رہنا تالیفِ قلوب اور شفقت کے طور پر ہوتا تھا۔

منتہی کا باطن یافت بھی رکھتا ہے اور ذوق یافت بھی۔ صرف اتنی بات ہے کہ جب وہ ذوق بے چونی کے عالم سے بہرہ ور ہے تو اس کے ظاہر کے ادراک میں نہیں آسکتا۔ بلکہ ظاہر اس ذوق کی نفی کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگرچہ یافت باطن کی ظاہر کو اطلاع ہے۔ لیکن اس یافت کے ذوق کو نہیں پاسکتا۔ پس نظر بہ ظاہر کہا جاسکتا ہے۔ کہ منتہی کو یافت میسر ہے لیکن ذوق یافت مفقود ہے۔ اور اس بلند طریقہ سے سمجھ دار مبتدی کیلئے جو فقدان یافت کے باوجود ذوق یافت ثابت کرتے ہیں۔ تو وہ اس وجہ سے ہے کہ بزرگ بتبدا میں انتہا کی چاشنی درج کرتے ہیں۔ انعکاس کے طور پر مبتدی رشید کے باطن میں نہایت کا پرتو ڈالتے ہیں اور جب کہ مبتدی کا ظاہر اس کے باطن سے مرتبط ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں قوت تعلق ثابت ہے تو لازماً نہایت کا وہ پرتو اور وہ چاشنی ولایت باطن سے مبتدی کے ظاہر کی طرف دوڑ آتی ہے۔ اور ظاہر کو اس کے باطن کی طرح رنگین کر دیتی ہے۔ اور یافت کا ذوق بے اختیار اس کے ظاہر میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ تو یہ بات درست ہو گئی کہ مبتدی میں حقیقت یافت مفقود اور ذوق یافت موجود ہے۔ اس بیان سے اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بلندی اور ان کی بلند نسبت کی رفعت معلوم ہوتی ہے۔ اور مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان بزرگوں کے حسن تربیت اور کمال اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ اور پہلے قدم میں ہی جو کچھ خود رکھتے ہیں طالب صادق مرید رشید کو حوصلے کے مطابق عطا کر دیتے ہیں۔ اور ربط محبتی کے تعلق کی بناء پر التفات و انعکاس سے اس کی تربیت کرتے ہیں۔

دوسرے سلاسل کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو ان بزرگوں کے صادر شدہ قول یعنی اندراج النہایۃ فی البدایۃ میں اشتباہ ہے۔ اور انھیں اس بات کی حقیقت میں شک و تردد ہے۔ اور وہ اس کو جائز قرار نہیں دیتے کہ اس طریقہ کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو جائے۔ تعجب ہے کہ اس طریقہ کے مبتدی کی دوسرے طریقوں کے منتہی حضرات کیساتھ مساوات انہوں نے کہاں سے سمجھی ہے۔ نقشبندی بزرگوں نے نہایت کو بدایت میں درج کرنے کی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اور یہ عبارت مساوات پر دلالت نہیں کرتی اور (اس قول سے ان بزرگوں کا) مقصود یہ ہے کہ اس طریقہ میں شیخ منتہی اپنی توجہ و تصرف سے انعکاس کے طور پر اپنی نہایت کی دولت کی چاشنی سے مبتدی رشید کو عطا فرماتا ہے۔ اور اس کی بدایت میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ مساوات کی جائے اشتباہ کہاں ہے۔ اور اس کی حقیقت میں شک کی کیا گنجائش ہے۔ اندراج بڑی دولت ہے۔ اس طریق کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا۔ تاہم نہایت کی دولت سے بے نصیب نہ رہے گا۔ اور نمک کا وہ ذرہ اسے مکمل طور پر ملیح اور نمکین کر دے گا بخلاف دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے کہ نہایت سے بہت دور ہیں۔ اور منزلوں اور مسافتوں کے طے کرنے میں

زیر بار ہیں۔ افسوس ہزار افسوس اگر انھیں ان منازل کے قطع کرنے کی فرصت نہ دیں اور مسافتوں کے طے کرنے کو ان کے حق میں تجویز نہ کریں۔ اور جب اس طریق کے مبتدی اور دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور اس مبتدی کی فضیلت دوسرے ارباب ہدایت پر ظاہر ہو گئی۔ تو جاننا چاہئے کہ اس طریق کے منتہیوں اور دوسرے طرق کے منتہیوں میں بھی اسیقدر فرق ہے اور اس منتہی کی دوسرے طرق کے منتہیوں پر اسی مقدار میں ثابت ہے۔ بلکہ اس طریقہ علیہ کی نہایت دوسرے تمام طرق کے مشائخ کی نہایات سے وراء الوراء ہے۔ میری اس بات کا انھیں یقین آئے یا نہ آئے۔ اگر انصاف سے کام لیں گے تو شاید باور کریں۔ وہ نہایت جس کی بدایت نہایت آمیز ہو دوسروں کی نہایات سے البتہ ممتاز ہوگی اور بہرحال باقی تمام نہایتوں کی نہایت ہوگی

سالیکہ نکوست از بہارش پیدا است[1]

دوسرے سلاسل کے متعصب لوگوں کی ایک جماعت ہمیں کہتی ہے کہ ہماری نہایت وصول الی سبحانہٗ ہے۔ اور تم اُسے اپنی بدایت کہتے ہو۔ تو حق سے آگے کہاں جاؤ گے۔ اور حق سے آگے تمہاری نہایت کیا چیز ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق جل سلطانہٗ کی طرف جاتے ہیں۔ اور شائبۂ خلقیت سے بھاگ کر اصل الاصل کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور تجلیات سے اعراض کر کے متجلی کو طلب کرتے ہیں اور ظہورات کو پیچھے چھوڑ کر ظاہر کو الباطن بلطون میں چاہتے ہیں۔ اور جب کہ الباطنیت میں مختلف مراتب ہیں۔ اس لئے ایک الباطنیت سے دوسری الباطنیت کی طرف جاتے ہیں۔ اور اس دوسری الباطنیت سے تیسری الباطنیت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں جہاں تک اللہ چاہئے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اگرچہ بسیط حقیقی ہے۔ لیکن فراخ بھی ہے۔ نہ وہ وسعت جس میں طول و عرض ہو۔ کیونکہ وہ تو نشانات امکان اور علامات حدوث میں سے ہے بلکہ اس بلندذات کی وسعت اس سبحانہٗ کی طرح بے چوں و بے چگون ہے۔ اور جو سیر اس وسعت میں واقع ہوتی ہے وہ بھی بے چوں و بے چگون ہے۔ اور صاحب سیر بھی چونی اور چندی کے باوجود بے چونی اور بے چگونی کی قوت سے ان بے چونی کی منازل کو قطع کرتا ہے اور چوں سے بے چوں میں آجاتا ہے۔ بے سروسامان بے چارے حقیقت معاملہ کو کیا پائیں۔ عالم چوں میں گرفتار بے چوں سے کیا خبر دے سکتے ہیں۔ اپنی نارسائی کو اعتراض گمان کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے فخر و مباہات کرتے ہیں[2]

بے خرد چند ز خود بے خبر عیب پسندند بزعم ہنر،

---

[1] سال کی خوبی اور تروتازگی اسکی بہار کے دم قدم سے ہے۔ [2] حاشیہ صفحہ ہذا پر ملاحظہ ہو۔

اس قدر نہیں سمجھتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت بلکہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی نہایت بھی حق سبحانہٗ ہے۔ اور اعتراض کرنے والوں کی نہایت ان بزرگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ بلکہ دونوں نہایتیں ایک دوسری سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت کو ایسی نہایت میسر آ چکی ہو جو ان اعتراض کرنے والوں کی نہایت سے وراء ہو۔ لیکن ان بزرگ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی نہایت سے نیچے ہو۔ تو درست ہو گیا کہ سب کی نہایت حق سبحانہٗ ہے۔ اور گروہوں کے درمیان ان کے درجات کے مطابق فرق وتفاوت ہے۔ یا ہم یوں کہتے ہیں کہ سب اپنی نہایت وصول بحق جل سلطانہٗ ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جو حق کے ظلال اور ظہورات کو ان ظلال وظہورات کے تفاوت کے باوجود حق تعالیٰ وتقدس سمجھ لیتے ہیں۔ پس تمام ارباب نہایات کی نہایتیں نفس الامر میں وصول بحق تعالیٰ وتقدس نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کے گمان کے مطابق اس کا منتہا حق سبحانہٗ ہے۔ جس کے ماوراء بھی ظلال اور ظہورات ہیں اور یہ کوئی بعید نہیں اور یہ بات کس طرح انکار واشتباہ کا محل ہو سکتی ہے۔

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور حاش للہ کہ برآرم بزبان ایں گلہ را[1]

ہمہ شیران جہان بستۂ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۴۴

محمد صادق ولد محمد مومن کی طرف صادر فرمایا۔

اس کے استفسار کے جواب میں جو اس نے وحدت الوجود کے متعلق کیا تھا۔ اور

حاشیہ: ۱ یہ بے عقل اپنے آپ سے پیغمبر اپنے زعم میں عیب کو کمال خیال کرتے ہیں۔

۲ کوئی کوتاہ فکر اس گروہ میں نقص وکمی کا عیب نکالے تو حاشا للہ کہ میں اس گلے کو زبان پر لاؤں۔ جہان کے تمام شیر اس سلسلہ سے منسلک ہیں۔ لومڑی کیسے حیلے بہانے سے اس سلسلے کو کیسے درہم برہم کر سکتی ہے۔

علوم شرعیہ سے اس کی تطبیق دینا۔ نیز انہوں نے دریافت کیا تھا کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَبْدًا الخ کے کیا معنی ہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط آپ نے پوچھا تھا کہ صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اور علماء اُسے کفر و زندقہ جانتے ہیں۔ حالانکہ دونوں گروہ فرقہ ناجیہ سے ہیں۔ اِس معاملے کی حقیقت تیرے نزدیک کیا ہے۔ محبت کے آثار والے! اس بحث کی تحقیق فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ اور فریقین کے اختلاف کو نزاع لفظی قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود جب آپ نے دریافت کیا ہے تو سوال کا جواب ضرور دینا چاہیئے۔ اس لئے ضرورۃً چند کلمات لکھتے ہیں۔

جان لیں کہ صوفیہ علیہ میں سے جو وحدت وجود کے قائل ہے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کا عین دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم لگاتا ہے۔ اس کی مراد یہ نہیں کہ اشیا حق جل وعلا کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ ہو گئی ہے۔ اور واجب ممکن بن گیا ہے۔ اور بے چون چوں میں آگیا ہے۔ کیونکہ یہ سب کفر و الحاد اور ضلالت و زندقہ ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل ہے نہ تشبیہ۔ تو وہ سبحانہٗ الآن کما کان ہے۔ تو پاک ہے وہ جو نہ اپنی ذات میں متغیر ہو سکتا ہے نہ صفات میں اور نہ حدوث اکوان میں اپنے اسماء کے اندر متغیر ہو سکتا ہے۔ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی اسی صرافت اطلاق پر ہے۔ اس نے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف میلان نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمہ اوست کا معنی ہے کہ اشیاء نہیں ہیں اور وہ تعالیٰ وتقدس موجود ہے۔ منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ معنی کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب۔ بلکہ اس کے قول کا معنی ہے۔ میں نہیں ہوں حق سبحانہٗ موجود ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ وتقدس کے ظہورات جانتے ہیں اور اس سبحانہٗ کے اسماء و صفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں بے شائبہ تنزل اور تغیر و تبدل کے گمان کے بغیر۔ جس طرح سایہ شخص سے دراز ہوتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے سایہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بلکہ وہ شخص اپنی اصالت کی صرافت پر ہے۔ اور سایہ اس سے وجود میں آیا ہے۔ بے شائبہ تنزل و تغیر۔ اگرچہ بعض اوقات ایک جماعت کو جس نے اس شخص کے وجود کے ساتھ کمال محبت پیدا کر لی ہوتی ہے۔ ان کی نظر سے سایہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور شخص کے سوا کوئی چیز انہیں مشہود نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ایسے لوگ کہیں کہ سایہ شخص کا عین ہے۔ یعنی سایہ معدوم ہے اور شخص موجود ہے۔ اور بس۔

اس تحقیق سے لازم آیا کہ صوفیہ کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ حق جل سلطانہٗ کا عین پس

پس اشیاء حق سے ہیں نہ کہ حق جل شانہٗ ہیں۔ پس ان کے اس کلام ہمہ اوست کا معنی ہمہ از اوست ہے جو علماء کرام کا مختار ہے۔ اور علماء کرام اور صوفیہ عظام کثرہم اللہ سبحانہٗ الی یوم القیامۃ کے درمیان فی الحقیقت کوئی نزاع ثابت نہیں ہوتی۔ اور دونوں باتوں کا مآل وانجام ایک بن جاتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ حلول اور اتحاد کے وہم سے بچنے کے لئے۔

سوال :۔ صوفیہ اشیاء کو ظہورات قرار دینے کے باوجود معدوم خارجی جانتے ہیں۔ اور خارج میں حق سبحانہٗ کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے۔ اور علماء اشیاء کو موجودات خارجیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا فریقین کے درمیان نزاع معنوی ثابت ہوگئی۔

جواب :۔ صوفیہ اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں لیکن خارج میں اس کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں اور اُسے اراوۃ خارجی کہتے ہیں۔ اور وہمی خارجی کثرت کا انکار نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اس وہمی وجود نے جو خارج میں نمود پیدا کیا ہے۔ اس قسم کے وجودات خارجیہ میں سے نہیں جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائے۔ اور قیام واستقرار نہ رکھے۔ بلکہ یہ وہمی وجود اور یہ خیالی نمود چونکہ حق سبحانہٗ کے فعل اور اس بلند ذات کی قدرت کاملہ کے انتقاش سے ہے۔ اس لئے زوال اور خلل سے محفوظ ہے۔ اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ اس سے وابستہ ہے۔ سو فسطائی جو عالم کو اوہام وخیالات جانتا ہے، اشیاء کا زوال وہم کے زوال سے متعلق کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے۔ نفس امر میں وجود وثبوت نہیں رکھتے۔ اگر آسمان کو زمین اعتقاد کریں تو زمین ہے اور زمین ہمارے اعتقاد سے آسمان ہے۔ اور اگر شیریں چیز کو تلخ جانیں تو تلخ ہے۔ اور تلخ ہمارے اعتقاد سے شیریں۔ مختصر یہ کہ یہ بے عقل لوگ صانع مختار جل سلطانہٗ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور اشیاء کو اس بلند ذات کے ساتھ قائم نہیں جانتے۔ تو خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

پس صوفیہ اشیاء کے لئے خارج میں وجود وہمی جو قیام واستقرار رکھتا ہے۔ اور وہم کے ارتفاع سے مرتفع نہیں ہوتا ثابت کرتے ہیں۔ اور اس جہان کو جو دائمی اور ابدی ہے۔ اس وجود سے وابستہ رکھتے ہیں۔ علماء اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں۔ اور احکام خارجی ابدی اس پر مرتب کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اشیاء کا وجود حق جل وعلا کے پہلو میں ضعیف وبخیف تصور کرتے ہیں۔ اور ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ وتقدس کے وجود کی نسبت نیست جانتے ہیں۔ پس فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہوگیا کیونکہ اس دنیا اور آخرت کے احکام اس سے وابستہ ہیں۔ اور وہم وخیال کے ارتفاع سے اس کا زوال

نہیں ہوتا۔ تو نزاع ختم ہو گئی اور خلاف دور ہو گیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیہ اُسے وجود وہمی کہتے ہیں۔ اس بناء پر کہ عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور حق جل و علا شانہٗ کے وجود کے سوا ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا۔ علماء اس وجود پر وہم کے اطلاق سے پرہیز کرتے ہیں اور وجود ہی نہیں کہتے۔ تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے زوال کا اعتقاد نہ کرلے۔ اور اس طرح ثواب و عذاب ابدی سے انکار کر بیٹھے۔

سوال ۱۔ صوفیہ جو اشیاء کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود قیام و استقرار کے باوجود نفس امری نہیں ہے۔ صرف وہم میں ہے اور نمود کے سوا اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور علماء اشیاء کو خارج میں نفس امری وجود کے ساتھ موجود مانتے ہیں لہٰذا نزاع و اختلاف باقی رہا۔

جواب ۱۔ وجود وہمی اور نمود خیالی جب کہ وہم و خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتا تو نفس امری ہو گیا اس لئے کہ اگر تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کرلیں تب بھی یہ وجود ثابت رہتا ہے۔ ان کے زوال سے ہرگز زائل نہیں ہوتا۔ اور واقع اور نفس الامر کے یہی معنی ہیں۔ البتہ اس قدر ہے کہ جو نفس الامر ممکن کے وجود میں ثابت کیا جاتا ہے۔ اس نفس الامر کے سامنے جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے، لاشئی کا حکم رکھتا ہے۔ اور نزدیک ہے کہ اُسے موہومات اور متخیلات میں سے شمار کیا جائے۔ جس طرح کلی مشکک کے افراد کہ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ جس طرح ممکن کا وجود کہ واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت لاشئی کا حکم رکھتا ہے۔ اور نزدیک ہے کہ اُسے عدمات میں شمار کریں۔ لہٰذا فی الحقیقت کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔

سوال ۱۔ جب سب اشیاء کا وجود نفس الامری ہو گیا تو لازم آیا کہ نفس الامر میں اشیاء متعدد ہوں۔ اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو۔ اور یہ وحدتِ وجود کے منافی ہے۔ جو صوفیہ وجودیہ کے ہاں طے شدہ امر ہے

جواب ۱۔ دونوں چیزیں نفس امری ہیں۔ وحدتِ وجود بھی نفس امری ہے اور تعدد وجود بھی نفس امری ہے۔ لیکن جب کہ جہت اور اعتبار مختلف ہے۔ اجتماع نقیضین کا وہم بھی مرتفع ہے۔ یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ زید کی صورت جو آئینے میں دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت آئینے میں کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ صورت نہ آئینہ کے جرم میں موجود ہے اور نہ ہی آئینہ کی سطح میں۔ بلکہ آئینہ میں اس صورت کا وجود وہم کے اعتبار سے ہے۔ اور آئینے میں ارادۂ خیالی سے زیادہ اس کا ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کہے کہ میں نے زید کی صورت آئینے میں دیکھی ہے۔ اسے اس کلام میں عقلاً و شرعاً سچا جانتے اور حق پر گمان کرتے ہیں۔ اور جب کہ قسموں کا مبنیٰ حق پر ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ اللہ کی قسم میں نے زید کی شکل آئینے میں دیکھی ہے۔ تو چاہیئے کہ حانث نہ ہو۔ پس اس صورت میں

آئینے میں صورتِ زید کا عدم حصول بھی نفس امری ہے اور تخیل و توہم کے اعتبار سے آئینے میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے۔ لیکن پہلا نفس امر مطلقاً نفس امر ہے۔ اور یہ دوسرا نفس امر توہم و تخیل کے واسطہ سے عجب معاملہ ہے۔ توہم و تخیل کا اعتبار جو نفس امر کے منافی ہے۔ یہاں وہی نفس امر کا اصل بن گیا ہے اسلئے کہ اگر توہم و تخیل کا اعتبار نہ ہوتا تو یہاں نفس امر کا حصول و ثبوت نہ ہوتا۔

دوسری مثال۔ لفظ جوالہ ہے جس نے توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں دائرے کی صورت پیدا کرلی ہے۔ یہاں خارج میں دائرے کا عدم حصول بھی نفس امری ہے اور توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے۔ لیکن دائرے کا عدم حصول مطلقاً نفس امری ہے۔ اور اس کا حصول توہم و تخیل کے لحاظ سے نفس امری ہے تو پہلا مطلق اور دوسرا مقید ہے۔ تو ہماری اس بحث میں وحدتِ وجود مطلق نفس امری ہے۔ اور تعدد وجود توہم و تخیل کے اعتبار سے نفس امری ہوا ہے۔ پس اطلاق و تقیید کے ملاحظہ سے ان دونوں میں نفس الامر میں تناقض نہ رہا اور اجتماع نقیضین ثابت نہ ہوا۔

سوال ۱:۔ جب کہ سب وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کرلیا جائے تو وجود وہمی اور نمودِ خیالی کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب ۱:۔ یہ وہمی وجود محض اختراعِ وہم سے حاصل نہیں ہوا۔ کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے۔ بلکہ حق تعالیٰ جلّ و علا کے فضل سے مرتبہ وہم سے حاصل ہوا۔ اور استحکام پیدا کیا ہے۔ اس بناء پر ناچار وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا۔ اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اُسے مرتبہ حس و وہم میں اُسے پیدا فرمایا ہے۔ اور جب اس بلند ذات کا فضل خلق ہے تو جس مرتبہ میں بھی ہوگا زوال و خلل سے محفوظ ہے۔ اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے جب اُسے پیدا کیا ہے تو ناچار نفس امری بھی ہوا۔ جس مرتبے میں بھی اُسے پیدا کیا گیا ہو۔ اگرچہ وہ نفس نفس امری نہ ہو صرف اعتبار ہو۔ لیکن اس مرتبے میں اس کی پیدائش نفس امری ہے اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے یعنی اشیاء کو مرتبہ ایجاد میں فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے لئے حصول و ثبوت نہیں ہے مگر صرف حس و وہم میں۔ جیسے ایک شعبدہ باز غیر واقع اشیاء کو واقع کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ اور ایک چیز کو دس چیزیں کر کے دکھاتا ہے حالانکہ ان دس چیزوں کے لئے حس و وہم کے سوا کوئی ثبوت نہیں اور نفس امر میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور ان دس چیزوں کو جو ظاہر کیا ہے۔ اگر قدرت کاملہ خداوندی جلّ سلطانہ اسے ثبات و استقرار پیدا کر دیں۔ اور خلل اور جلد زائل ہونے سے محفوظ کر لیں۔ تو وہی دس چیزیں نفس الامری بن جائیں گی۔ تو اس اعتبار سے وہ دس چیزیں نفس امری ہیں بھی اور نہیں بھی۔ لیکن دو اعتبار سے۔ اگر مرتبہ حس و وہم سے قطع نظر کر لی جائے تو معدوم ہیں۔ اور اگر حس و وہم کا لحاظ کیا جائے تو موجود ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ بلادِ ہندوستان میں چند شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ

کے سامنے شعبدہ بازی کی۔ اس درمیان میں طلسم و شعبدہ سے باغ اور آم کے درخت لوگوں کے سامنے لائے اور ایک عارضی نمود سے انہیں ظاہر کیا۔ اور انہوں نے اسی مجلس میں یہ بھی دکھایا کہ وہ درخت بڑے ہوئے۔ اور انھیں پھل بھی لگا۔ اور اہل مجلس نے ان پھلوں سے کچھ کھائے بھی۔ عین اسی وقت بادشاہ نے ان شعبدہ بازوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ اگر ظہور شعبدہ کے بعد شعبدہ باز کو قتل کر دیں تو وہ شعبدہ قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے اپنی حالت میں موجود رہتا ہے۔ اتفاق سے جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو آم کے وہ درخت قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے اسی حالت میں موجود رہے۔ اور میں نے سُنا ہے کہ وہ درخت اس وقت تک موجود ہیں۔ اور لوگ ان کے میوے کھاتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

پس متنازع فیہ صورت میں حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے جس کے سوا خارج اور نفس امر میں کوئی موجود نہیں ہے اپنی قدرت کاملہ سے اسمائی اور صفاتی کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردے میں حس و وہم کے مرتبے میں ظاہر کیا ہے۔ اور وجود وہمی اور ثبوت خیالی سے ان کمالات کو اشیاء کے آئینوں میں جلوہ گر کیا ہے یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا تو انہوں نے نمود وہمی اور ثبوت خیالی پیدا کیا۔ لہٰذا اشیاء کی ہستی نمود خیالی کے اعتبار سے ہے۔ لیکن جب کہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اس نمود کو استقرار و ثبات عطا فرمایا ہے۔ اور اشیاء کی آفرینش میں استواری و استحکام کی رعایت کی ہے۔ اور معاملہ ابدی کو ان سے مربوط کیا ہے۔ اس بناء پر ناچار اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی نفس الامری ہو چکا ہے اور خلل سے محفوظ ہو گیا ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء خارج میں نفس الامر کے اعتبار سے موجود ہیں بھی اور نہیں بھی لیکن دو مختلف اعتبار سے جیسا کہ مکرر گزرا۔

اس فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہٗ جو علماء محققین میں سے تھے، فرماتے تھے کہ قاضی جلال الدین اگری نے جو متبحر علماء میں سے تھا، مجھ سے پوچھا کہ نفس الامر میں وحدت ہے یا کثرت۔ اگر وحدت ہے تو شریعت جس کا مبنیٰ احکام متباینہ اور متمایزہ ہیں، باطل ہوتی ہے۔ اور اگر نفس الامر میں کثرت ہے تو ان صوفیہ کا قول باطل ہوتا ہے جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرہٗ نے اس کے جواب میں فرمایا دونوں نفس الامری ہیں۔ اور اُسے بیان فرمایا۔ فقیر کے ذہن میں نہیں آرہا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔ جو کچھ اس وقت فقیر کے دل میں ڈالا گیا ہے، تحریر کر دیا گیا ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ

پس جو صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں، حق پر ہیں اور علماء جو کثرت وجود کے معتقد ہیں، وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیہ کے حالات کے مناسب وحدت ہے۔ اور علماء کے حالات کے مناسب کثرت۔ کیونکہ شرائع کی بناء کثرت پر ہے۔ اور احکام کا تغایر کثرت سے وابستہ ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت اور ہدیٰ

تنعیم و تعذیب بھی کثرت سے متعلق ہے۔ اور جب حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ مطابق فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کراؤں) کثرت کو چاہتا اور ظہور کو پسند کرتا ہے۔ تو اس مرتبہ کو باقی رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس مرتبہ کی ترتیب اللہ رب العالمین کی پسندیدہ اور محبوب ہے۔ سلطان ذی شان کیلئے نوکر چاکر ہونے چاہئیں اور اس کی عظمت و کبریائی کے لئے خواری محتاجی اور شکستگی درکار ہے۔ وحدت وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی مانند ہے اور اس کی نسبت کثرت کا معاملہ مجاز کی طرح۔ اسی طرح اس عالم کو عالم حقیقت کہتے ہیں۔ اور اس عالم کو عالم مجاز۔ لیکن چونکہ ظہورات اس بلند ذات کو پیارے لگتے ہیں۔ اور اس نے اشیاء کو بقائے ابدی عطا فرمائی ہے۔ اور قدرت کو لباس حکمت میں لایا ہے۔ اور اسباب کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔ اس بناء پر وہ حقیقت، حقیقت مجورہ کی طرح ہو گئی ہے۔ اور یہ مجاز متعارف ہو چکی ہے۔ نقطہ حوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے۔ اور اس سے پیدا ہونے والا دائرہ مجاز کی طرح۔ لیکن وہاں حقیقت مہجور ہے اور جو کچھ متعارف ہے مجاز ہے۔

آپ نے اس قول (فَاِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ) کے معنی بھی دریافت کئے تھے۔ جان لیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے۔ تو گناہ اس سے صادر ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اولیاء حق جل وعلا ارتکاب ذنوب سے محفوظ ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ گناہ ان سے صادر ہو بخلاف انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کہ وہ گناہ سے معصوم ہیں۔ اور ان سے صدور گناہ کا جواز بھی مسلوب ہے۔ اور جب گناہ اولیاء سے صادر نہیں ہوتا تو یقین ہے کہ گناہ ضرر بھی نہیں ہوگا۔ پس عدم صدور ذنب کی صورت میں لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ درست ہے۔ جیسا کہ ارباب علم پر پوشیدہ نہیں۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ذنب سے پہلا ذنب مراد ہو جو درجہ ولایت تک وصول سے پہلے صادر ہوا ہو۔

فَاِنَّ الْاِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهٗ — بیشک اسلام ماقبل کی سب باتوں کو مٹا دیتا ہے

اور حقیقت حال خدا تعالیٰ سبحانہٗ کو معلوم ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا — اے ہمارے پروردگار! ہمیں نہ پکڑنا۔ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ

الْعُلٰى

مکتوب نمبر ۴۵

حقائق آگاہ، معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ سارا جہان واجب جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کا آئینہ ہے۔ بخلاف ذات واجب کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے۔ اور ممکن کو اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا نہیں فرمایا گیا۔ اور وہ سارے کا سارا عرض ہے۔ اس نے جوہریت کی بو تک نہیں پائی۔ اور اس کے مناسب الجھنے کے بیان میں

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى "

محمود و ماکیا! ؎

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

کچھ معارف عجیبہ احاطۂ تحریر میں لائے جاتے ہیں کان لگا کر سنیں۔ اور اخص خواص کا طریق مراقبہ بیان کیا جاتا ہے پوری توجہ مبذول فرمائیں۔ جاننا چاہیئے۔ کہ سارا جہان واجب تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کا آئینہ اور مظہر ہے۔ چنانچہ ممکن میں حیات ہے تو واجب تعالیٰ کی حیات کا نمونہ ہے۔ اگر علم ہے تو اس سبحانہٗ کے علم کا آئینہ ہے۔ اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اس بلند ذات کی قدرت کا آئینہ ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس اور اس کی بلند ذات کے لئے عالم میں کوئی مظہر و آئینہ نہیں۔ بلکہ اس کی بلند ذات کی عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں اشتراک نہیں۔ اگرچہ وہ مناسبت اسم میں اور وہ مشارکت صورت میں ہو

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ط بیشک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے

بخلاف اسماء و صفات کے کہ عالم کے ساتھ اسمی مناسبت رکھتے ہیں اور ظاہری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے۔ چنانچہ جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی علم کی صورت ثابت و موجود ہے۔ اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرت کی صورت موجود ہے بخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے بہرہ ہے۔ اور اسے اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ ممکن جب اس بلند ذات کے اسماء و صفات کی صورتوں پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے سارے کا سارا عرض ہے۔ اسے جوہریت کی بو تک نہیں پہنچی اور اس کا قیام ذات واجب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ہے اور ارباب معقول نے جو ممکن کو جوہر و عرض کی طرف

تقسیم کیا ہے، ظاہر ہونے کے باعث ہے۔ اور ایک ممکن کا دوسرے ممکن کے ساتھ جو قیام ثابت ہے۔ یہ قیام عرض بعرض کے قبیلے سے ہے نہ از قبیلہ قیام عرض بجوہر۔ بلکہ فی الحقیقت وہ دونوں عرض ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ جو ہریت ان کے درمیان ثابت نہیں۔ تمام ممکنات کو قائم رکھنے والا وہی تعالیٰ وتقدس ہے۔ پس ممکن کے لئے فی الحقیقت ذات نہیں ہے۔ کہ صفات اس ذات کے ساتھ قائم ہوں۔ بلکہ ذات صرف واجب کے لئے ہے۔ کہ اس بلند ذات کی صفات اور اسی طرح تمام ممکنات اس کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ہر شخص جو اشارہ لفظ انا سے اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔ وہ اشارہ فی الحقیقت اس ایک ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جس کے ساتھ قائم ہیں۔ اس بات کو اشارہ کرنے والا جانے یا نہ جانے اگرچہ وہ بلند اور پاک ذات کسی اشارہ کی مشارٌ الیہ نہیں اور کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں۔ ان پوشیدہ معارف کو کوتاہ نظر لوگ کہیں توحید وجودی کے ساتھ خلط ملط نہ کر دیں اور انہیں ایک دوسرے کا گریبان تصور نہ کر لیں۔ توحید وجودی والے سوائے ایک بلند اور پاکیزہ ذات کے کچھ موجود نہیں جانتے۔ اور اس بلند ذات کے اسماء وصفات کو بھی اعتبارات علمی گمان کرتے ہیں۔ اور حقائق ممکنات کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ان تک وجود کی بو نہیں پہنچی۔ اَلْاَعْیَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ یعنی موجودات خارجیہ نے وجود کی بو نہیں سونگھی۔ یہ ان صوفیہ کا کلام ہے کہ یہ فقیر اس بلند ذات کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود مانتا ہے جس طرح علماء اہل حق نے فرمایا ہے۔ اور ممکنات کے لئے بھی جو واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آئینے ہیں وجود ثابت کرتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ممکنات کو اعراض کے سوا جو اپنے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ کچھ نہیں جانتا اور جو ہریت جو اپنے ساتھ قیام رکھتی ہے۔ ممکنات میں ثابت نہیں کرتا۔ اور سب کا قیام اس بلند ذات کے ساتھ یقین کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔

سوال ۱:- اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات ممکن ذات واجب تعالیٰ کی عین ہے اور ممکن واجب جل شانہٗ کے ساتھ متحد ہے۔ اور یہ محال ہے کیونکہ یہ قلب حقائق کو مستلزم ہے؟

جواب ۱:- ہم کہتے ہیں کہ ذات ممکن یعنی اس کی حقیقت وماہیت وہی اعراض متعددہ مخصوصہ ہیں جو واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آئینے ہیں۔ اور ان اعراض کے لئے ذات واجب تعالیٰ وتقدس کے ساتھ کسی طرح کی عینیت نہیں ہے۔ اور کسی وجہ سے بھی اتحاد نہیں۔ تاکہ قلب حقائق لازم آئے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ان اعراض کا اس بلند ذات کے ساتھ قیام ہے۔ اور وہی پاک ذات تمام اشیاء کو قائم رکھنے والی ہے۔

سوال ۱:- جب ہر ایک کا اشارہ جو وہ لفظ انا سے اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔ ذات واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ ذات ممکن یعنی اس کی ماہیت وحقیقت واجب تعالیٰ کی ذات کا عین ہو۔ کیونکہ ہر ایک کا اشارہ لفظ انا سے اپنی ماہیت وحقیقت کی طرف ہے اور یہ بات قلب حقیقت کو مستلزم ہے

اور بعینہٖ ارباب توحید وجودی والوں کی بات ہے!

جواب ۱:- ہاں لفظ انا سے ہر شخص کا اشارہ اگرچہ اپنی حقیقت کی طرف ہے۔ لیکن اس کی حقیقت جب کہ چند اعراض کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس اشارہ کی قابلیت و استعداد نہیں رکھتی۔ کیونکہ اعراض مستقلاً اور اصالۃً اشارہ حسی کے قابل نہیں۔ اور جب اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہ کیا تو لازماً وہ اشارہ اس حقیقت کے قائم کرنے والے کی طرف رجوع کر گیا۔ پس ممکن کی ماہیت وہی اعراض مجتمعہ ہیں۔ اگرچہ لفظ انا کا اشارہ اس کی حقیقت کے عدم قابلیت کے واسطہ سے اس کے قائم کرنے والے کی طرف راجع ہو چکا ہے۔ جو کہ ذات واجب تعالیٰ وتقدس ہے تو قلب حقیقت نہ ہوئی اور ممکن واجب تعالیٰ وتقدس نہ بنا۔ اور یہ بات توحید وجودی والوں کی بات سے الگ ہو گئی۔ عجیب معاملہ ہے کہ ممکن کا انا تو واجب کی طرف رجوع کرتا ہے اور ممکن اپنے حال پر ممکن ہی رہتا ہے۔ اور سبحانی اور انا الحق کا لفظ زبان پر نہیں لاتا۔ بلکہ نہیں لا سکتا۔ کیونکہ صاحب ہوش تمیز ہے

سوال ۱:- ممکن کا ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قیام مستلزم ہے۔ حوادث کے قیام کو ذات واجب تعالےٰ کے ساتھ اور یہ ممتنع ہے!

جواب ۱:- حوادث کے قیام کا امتناع بمعنی حلول حوادث ہے ذات واجب تعالیٰ میں۔ اور یہی محال ہے لیکن یہاں قیام بمعنی حلول نہیں۔ بلکہ بمعنی ثبوت وتقرر ہے۔ یعنی ممکن کا ثبوت وتقرر ذات واجب تعالےٰ کے ساتھ ہے۔

سوال ۲:- جب کہ ممکن تمام عرض ہوا تو اس کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے۔ جس کے ساتھ وہ قائم ہو اور وہ محل کیا چیز ہے۔ ذات واجب تعالیٰ تو ہے نہیں۔ اسی طرح ممتنع بھی محل قیام نہیں ہو سکتا!

جواب ۲:- عرض اُسے کہتے ہیں جس کا قیام اپنی ذات کے ساتھ نہ ہو۔ بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو۔ اور جبکہ فلاسفہ نے قیام عرض کے معنی حلول کے سوا اور کچھ نہیں سمجھے۔ تو مجبوراً عرض کے لئے محل کا اثبات کیا ہے اور محل کے بغیر اس کے ثبوت کو محال جانا ہے۔ اور جب قیام کے دوسرے معنی پیدا ہو گئے جیسا کہ گزرے تو محل کی کچھ ضرورت نہ رہی۔ یہ بات ہمارے مشاہدے اور جس میں ہے کہ تمام اشیاء کا قیام ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ لیکن کسی قسم کا حلول ومحل درمیان میں نہیں۔ فلاسفہ کو اس کا یقین آئے یا نہ آئے۔ ان کا کسی کو شک میں ڈالنا بداہت سے متصادم نہیں ہو سکتا۔ اور بداہۃً یقین ان کے شک سے زائل نہیں ہو سکتا۔ ہم اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ طلسمیات اور سیمیا کے ماہر لوگ اجسام غریبہ اور اعراض عجیبہ کی جنس سے کئی قسم کی چیزیں دکھاتے ہیں۔ اس صورت میں سب جانتے ہیں۔ کہ ان اجسام کا اعراض کی طرح اپنے ساتھ قیام نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں کا قیام صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے۔ لیکن کسی طرح کا محل ان کے لئے ثابت نہیں۔ اور یہ بھی جانتے

ہیں کہ اس قیام میں حالیت اور محلیت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ثبوت و تقرر حلول کے وہم کے بغیر صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے۔ اور ہماری اس گفتگو میں بھی یہی صورت ہے کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اشیاء کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا فرمایا۔ اور استواری و مضبوطی ان کی پیدائش میں ملحوظ رکھی۔ اور معاملہ ابدی اور تنعیم و تعذیب سرمدی ان سے وابستہ کیا۔ پس ان اشیاء کا قیام اپنی ذات سے نہیں بلکہ ذات حق سبحانہٗ کے ساتھ قائم ہیں بے شائبہ حلول اور بغیر گمان حلول کرنے اور محل بننے کے۔ دوسری مثال پہاڑ یا آسمان کی صورت ہے۔ جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ عاقل کو چاہیئے کہ ان صورتوں کو اجسام گمان کرتے ہوئے جواہر خیال کرے۔ اور ان تماثیل کو جواہر جانتے ہوئے اپنی ذات کے ساتھ قائم جانے۔ اور اگر فرضاً کوئی شخص ان صورتوں کو اعراض جانے اور قائم بغیر تصور کرے اور ان کے عرض ہونے کی وجہ سے ان کے لئے جگہوں کا طالب بنے۔ اور جگہوں کے بغیر ان کے ثبوت کو محال جانے تو ایسا شخص بھی بے وقوف ہے۔ جو لوگوں کی تقلید میں اپنی بداہت کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ تھوڑی سی تمیز رکھنے والا بھی بداہت سے جانتا ہے۔ کہ ان صورتوں کے لئے بالکل جگہیں ثابت نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں جگہوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ارباب کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات ان صورتوں کی طرح ہیں۔ اور تماثیل سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان صورتوں اور تماثیل کو اپنی کامل کاریگری سے ایسی استواری اور ایسا استحکام بخشا ہے۔ کہ خلل و زوال سے محفوظ و مصون ہیں۔ اور معاملہ اخروی اور ابدی ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ کئی دفعہ گذر چکا ہے۔

متکلمین سے نظام نے جو معتزلہ علماء میں سے ہے۔ اپنے الکل پچو سے عالم کو مجموعہ اعراض جانا اور جواہر سے خالی مانا ہے۔ ہاں کبھی چھوٹے سے بھی سچی بات نکل جاتی ہے۔ جب اس نے کوتاہ نظری کے باعث ان اعراض کا قیام ذات واجب جل سلطانہٗ کے ساتھ نہیں جانا ہے۔ اس بناء پر وہ عقلاء کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا ہے۔ کیونکہ عرض کے لئے غیر کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں۔ اور وہ جوہر کے وجود کا قائل نہیں۔ تاکہ اس کے ساتھ قیام تسلیم کرے اور صوفیہ میں سے صاحب فتوحات مکیہ نے عالم کو عین واحد میں اعراض مجتمعہ قرار دیا ہے۔ اور عین واحد ذات احدیت جل سلطانہٗ کو قرار دیا ہے۔ لیکن ان اعراض کو دو زمانوں میں عدم بقا کا حکم لگایا ہے اور کہا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہوتا ہے۔ اور اس کی مثل دوسری آن میں پھر وجود میں آتا ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے وجودی نہیں۔ جیسا کہ فقیر نے رباعیات کی شرح کے حواشی میں اس بحث کی تحقیق کی ہے۔

سالک کو احوال کے درمیان میں اس سے قبل کہ اس کی نظر بالکلیہ زائل ہو، ہر آن میں اس طرح دیکھنا

ہے کہ عالم معدوم ہوا ہے۔ اور دوسری آن میں محسوس کرتا ہے کہ عالم موجود ہے۔ تیسری آن میں پھر معدوم پاتا ہے۔ اور چوتھی آن میں پھر موجود۔ یہاں تک کہ قطعاً سے مشرف ہوتا ہے اور ہمیشہ ماسوا کو معدوم پاتا ہے اس وقت اس کے شہود میں عالم مستمر العدم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وسط میں حصول بقا اور عالم کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کبھی عالم اُسے نظر آتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہاں سے تعدد امثال کی حالت کا وہم ہوتا ہے۔ اور جب عارف معاملۂ بقا اور عالم کی طرف رجوع انجام کو پہنچتا ہے۔ اور مقام تکمیل وارشاد میں قیام فرماتا ہے۔ تو عالم اس کی نظر میں آجائے گا۔ اور عالم مستمر الوجود ہو جائے گا۔ پس یہ معاملہ سالک کے شہود کی طرف راجع ہو گیا نہ کہ عالم کے وجود کی طرف کیونکہ اس کا وجود ہمیشہ یک ہی وتیرے پر ہے۔ اگر تذبذب ہے تو شہود میں ہے۔ واللہ سبحانہ الہادی للصواب

اور اعراض کے لئے دو زمانوں میں عدم بقا کا حکم جاری کرنا جیسا کہ بعض متکلمین نے کہا ہے، قابل اعتراض ہے اور ثبوت تک نہیں پہنچا اور جو دلائل اعراض کے عدم بقا کے سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں، سب ناتمام اور نامکمل ہیں۔ یہ معارف وقیعہ وہاں کے اکثر یاروں کے لئے گویا سبق ہے۔ توجہ کر کے ہر شوق رکھنے والے کو اس کی نقل عنایت کریں۔ چونکہ فقیر کو ضعف لاحق تھا۔ اس بناء پر دوستوں کو علیحدہ علیحدہ خط نہیں لکھا جا سکا۔ اور انہیں معارف پر اکتفا کیا گیا

والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

مکتوب نمبر ۴۶

مولانا حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا

کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت، حقیقت اور شریعت کا جامع ہے۔ اور اس میں کہ ولایت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے سامنے کچھ قدر وقیمت نہیں۔ اور اس بیان پر کہ ولایت کے لئے شریعت ضروری ہے۔ اور ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملے کا گرفتار اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط یہ کلمہ طیبہ طریقت، حقیقت اور شریعت کو متضمن ہے سالک جب تک مقام نفی میں ہے مقام طریقت میں ہے۔ اور جب نفی سے مکمل طور پر فارغ ہوگیا۔ اور سب ماسوا اس کی نظر سے پوشیدہ ہوگیا۔ تو طریقت کو مکمل کر لیا اور مقام فنا میں پہنچ گیا۔ اور جب نفی کے بعد مقام اثبات میں آتا ہے۔ اور سلوک سے جذبہ میں داخل ہوتا ہے تو مرتبہ حقیقت سے متحقق اور بقا سے موصوف ہوجاتا ہے۔ اور اس نفی واثبات اور طریقت وحقیقت اور اس فنا وبقا اور اس سلوک وجذبہ سے ولایت کا اسم صادق آتا ہے۔ اور نفس امارگی سے اطمینان میں داخل ہوجاتا ہے اور پاک وطاہر ہوجاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے جزو اوّل سے وابستہ ہوئے۔ اور یہ جزو نفی واثبات ہے۔ باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا جزو دوم جو حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رسالت کا مثبت ہے۔ یہ جزو اخیر شریعت کا محصل اور اسے مکمل کرنے والا ہے۔ کیونکہ ابتداء اور درمیان میں جو کچھ حاصل ہوا تھا شریعت کی صورت تھی۔ اور اسم ونشان تھا۔ حقیقتِ شریعت کا حصول اس مقام میں ہوتا ہے۔ جو مرتبۂ ولایت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور نبوت کے کمالات جو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی وراثت وتبعیت کے طور پر کامل پیروکاروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ طریقت وحقیقت جو ولایت کے حصول کا سبب ہیں۔ حقیقت شریعت اور کمالاتِ نبوت کی تحصیل کے لئے گویا شرائط ہیں۔ ولایت طہارت کی طرح ہے۔ اور شریعت نماز کی طرح۔ طریقت میں گویا نجاسات حقیقہ کا ازالہ ہے۔ اور حقیقت میں نجاسات حکمیہ کا ازالہ۔ طہارت کاملہ کے بعد احکام شرعیہ کی بجاآوری کے لائق ہوتا ہے۔ اور نماز جو مراتبِ قرب کی نہایت دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ اس کے بعد اس کی ادا کے قابل ہوتا ہے۔ میں نے اس کلمہ مقدسہ کے جزو آخیر کو ایک ناپیدا کنار دریا پایا ہے۔ جس کے سامنے جزو اوّل قطرے کی طرح ہے۔ ہاں ہاں کمالاتِ ولایت کی کمالاتِ نبوت کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ ذرّے کی آفتاب کے سامنے کیا حیثیت ہے۔

سُبحان اللہ۔ ایک گروہ نے کج بینی کے باعث ولایت کو نبوت سے افضل جانا ہے۔ اور شریعت کو جو کہ لُبِ لُباب ہے چھلکا گمان کیا ہے۔ کیا کریں ان کی نظر صورت شریعت پر بند ہے۔ اور مغز کی بجائے پوست ہی ان کے ہاتھ آیا ہے۔ اور نبوت کو مخلوق کی طرف توجہ کے باعث کم مرتبہ گمان کیا ہے۔ اور اس توجہ کو عوام کی توجہ کی طرح ناقص جانا ہے۔ ولایت کو جس کی توجہ حق جل وعلا کی طرف ہے اس توجہ پر فضیلت دی ہے۔ اور ولایت کو نبوت سے افضل کیا ہے۔ نہیں جانتے کہ کمالاتِ نبوت بھی عروج میں حق سبحانہ کی طرف رُخ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مرتبہ ولائیت میں ہے۔ بلکہ مرتبہ ولائیت میں ان کمالات عروجی کی صورت ہے

جو مقام نبوت میں حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ذکر آگے آئے گا۔ اور وقت نزول میں نبوت کا ولایت کی طرح رخ خلق کی طرف ہوتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ ولایت میں بظاہر خلق کی طرف متوجہ ہے اور باطن میں حق سبحانہٗ کی طرف۔ اور نزول نبوت میں ظاہر و باطن دونوں طرح خلق کی طرف متوجہ ہے۔ اور انھیں مکمل طور پر حق جل شانہٗ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور یہ نزول ولایت کے نزول سے اتم و اکمل ہے۔ جس طرح کہ کتب و رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے۔ اور مخلوق کی طرف ان کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے۔ جس طرح کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ عوام کی توجہ مخلوق کی طرف ان کے ماسوا میں گرفتاری کی بناء پر ہے۔ اور خواص کی توجہ مخلوق کی طرف گرفتاری کی بناء پر نہیں۔ کیونکہ یہ بزرگوار ماسوا کی گرفتاری اول قدم میں وداع کر چکے ہیں۔ اور اس کی بجائے خالق جل سلطانہٗ کی گرفتاری اختیار کر چکے ہیں۔ بلکہ مخلوق کی طرف ان بزرگوں کی توجہ ہدایت و ارشاد کے لئے ہے۔ تاکہ انھیں خالق خلق جل سلطانہٗ کی طرف راہنمائی کریں۔ اور ان کے مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی رضامندی کے کاموں کی طرف دلالت کریں۔ اور شک نہیں کہ اس قسم کی توجہ خلق جس سے مقصود لوگوں کو ماسوا کی غلامی سے نجات دلانا ہو بہت افضل ہے اس توجہ حق جل و علا سے جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو۔ مثلاً ایک شخص ذکر الٰہی میں مصروف ہوتا ہے۔ اس دوران میں وہ ایک نابینا دیکھتا ہے۔ جس کے راستے میں کنواں ہے۔ کہ ہر ایک قدم اٹھائے گا۔ کنویں میں گر جائے گا۔ اس حالت میں اس شخص کے لئے ذکر میں مصروف رہنا بہتر ہے یا نابینا کو کنویں میں گرنے سے نجات دلانا۔ شک نہیں کہ ذکر میں مصروف سے اس نابینا کو نجات دلانا بہتر ہے۔ کیونکہ وہ بلند ذات اس سے اور اس کے ذکر سے بے نیاز ہے۔ اور نابینا ایک محتاج بندہ ہے۔ اس کی تکلیف دور کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً جبکہ اس نجات دلانے کا حکم مل چکا ہو۔ اس وقت اس کا نجات دلانا ذکر ہی ہے کیونکہ حکم کی فرمانبرداری ہے۔ اس کے ذکر میں ایک حق کی ادائیگی ہے جو حق مولیٰ جل شانہٗ ہے۔ اور نجات دلانے میں جو حکم کی بجاآوری کے تحت ہو۔ دو حق کی ادائیگی ہے۔ ایک حق بندہ کا اور ایک حق مولیٰ تعالیٰ کا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ اس وقت ذکر میں مصروف رہنا گناہ میں داخل ہو۔ کیونکہ تمام اوقات ذکر کرتے رہنا مستحسن نہیں۔ بعض اوقات ایسے ہیں۔ کہ ان میں ذکر نہ کرنا مستحسن ہے۔ جن ایام میں روزہ رکھنے سے روکا گیا ہے۔ ان میں اور اوقات مکروہ میں روزہ، نماز نہ ادا کرنا۔ روزہ نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ جس طریقے سے بھی میسر آئے۔ نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کے تکرار میں بند اور منحصر ہے۔ یا اسم ذات تعالیٰ کا تکرار جس طرح لوگوں کا گمان ہے۔ پس جو کچھ احکام کی بجاآوری اور منہیات شرعیہ سے باز رہنے کی صورتیں ہیں۔ سب ذکر میں داخل ہیں۔ بیع و شراء حدود شرع کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی طرح نکاح و طلاق وغیرہ اس رعایت کے ساتھ ذکر ہیں۔ کیونکہ رعایت

مذکورہ کے ساتھ ان امور کے کرنے کے وقت حکم دینے والا اور روکنے والا اللہ جل سلطانہٗ ان امور کے کرنے سوائے کالنصب العین ہوتا ہے۔ لہٰذا غفلت کی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں اتنی بات ہے کہ جو ذکر مذکورہ اسم وصفت کے ساتھ واقع ہو جلد تاثیر کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ اور مذکور تک جلد پہنچانے والا ہے بخلاف اس ذکر کے جو اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے پرہیز کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ کہ ان صفات خصوصیات سے کم حصہ رکھتا ہے۔ اگر ان صفات سے بھی بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر میں بجاآوری اور منہیات شرعیہ سے پرہیز کی صورت ہوتا ہے۔ برہمیں قلت پایا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا تاج الدین[1] تابیادی قدس سرہٗ علم کے راستے خدا جل سلطانہٗ تک پہنچے ہیں۔

نیز جو ذکر اسم وصفت کی شکل میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ وہ اس ذکر کا ذریعہ بنتا ہے جو حدود شریعہ کی رعایت میں حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اُمور میں احکام شرعیہ کی رعایت شرع شریف برپا کرنے والے کی کامل محبت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ محبت تام اللہ تعالیٰ کے اسم وصفت کے ذکر سے وابستہ ہے۔ لہٰذا پہلے وہ ذکر چاہیئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہو۔ ہاں عنایت الٰہی کا معاملہ جُدا ہے۔ وہاں نہ کوئی شرط ہے اور نہ کسی ذریعے کی حاجت۔

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ[2] اللہ برگزیدہ بنا لیتا ہے اپنی ذات کے لئے جسے چاہتا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے اور کہتے ہیں۔ کہ ان تینوں معاملوں یعنی طریقت، حقیقت اور شریعت کے علاوہ ایک اور معاملہ اور ایک الگ کاروبار بھی ہے (وہ اس حد تک ان سے الگ ہے) کہ یہ کہنا درست ہے کہ ان تین چیزوں کا معاملہ اس معاملے کے سامنے کچھ اہمیت اور اعتبار نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس صورت کی حقیقت کے مرتبے میں جو کچھ حاصل ہوا تھا اثبات (الّا اللہ) سے تعلق رکھتا تھا وہ اس معاملے کی صورت تھی اور یہ معاملہ اس

---

[1] مولانا زین الدین رحمۃ اللہ علیہ ظاہری علوم میں مولانا نظام الدین ہروی کے شاگرد ہیں۔ اتباع شریعت اور متابعت سُنّت کی برکت سے باطنی علوم کے دروازے آپ پر کھل گئے۔ اور ارباب ولایت کے احوال و مقامات عالیہ میسر آئے۔ آپ فی الحقیقت اویسی النسبۃ ہیں۔ شیخ الاسلام احمد الناطقی کے زیر تربیت رہے۔ مدت دراز تک آپ کے مزار پُرانوار پر خادم کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اس دوران میں وہاں ایک ہزار ختم قرآن کیا۔ محرم الحرام ۸۹۱ھ میں جمعرات کے روز دوپہر کے وقت وصال فرمایا۔ نفحات باختصار

[2] سورۃ شوریٰ پارہ اِلَیْہِ یُرَدُّ۔

اس صورت کی حقیقت ہے۔ جس طرح شریعت کی صورت کا ابتداء میں مرتبہ عوام میں حاصل ہوتی ہے۔ اور طریقت وحقیقت کے حصول کے بعد اس صورت شریعت کی حقیقت میسر آتی ہے۔ اور خیال کرنا چاہیئے کہ وہ معاملہ جس کی صورت حقیقت ہو اور جس کا مقدمہ ولایت ہو۔ گفتگو میں کیسے آسکتا ہے۔ اور بیان میں کیسے سما سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض بیان کیا بھی جائے تو کون سمجھ سکتا اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ یہ معاملہ انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کی وراثت ہے جو بہت ہی کم لوگوں کے حصے آتی ہے۔ اس معاملہ میں جب کہ اصول ہی کم ہیں تو فروع لازماً بہت ہی کم ہونگے۔

سوال :۔ ان معارف سے لازم آتا ہے کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر قدم رکھتا ہے اور شریعت کے ماوراء میں عروج کرتا ہے۔

جواب :۔ شریعت ظاہر کا عمل ہے۔ اور وہ معاملہ اس دنیا میں باطن سے متعلق ہے۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملے کا گرفتار ہے اور جب کہ یہ دنیا دار عمل ہے۔ اور باطن کو ظاہری اعمال کی عظیم مدد پہنچتی ہے۔ اور باطنی ترقیات شریعت کی بجا آوری کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جو ظاہر سے متعلق ہے۔ لہٰذا تمام اوقات میں اس دنیا کے اندر ظاہر و باطن دونوں کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ ظاہر کا کام شریعت کے مطابق عمل ہے اور باطن کا حصہ شریعت کے نتائج وثمرات ہیں۔ اس لئے شریعت تمام کمالات کی اصل وبنیاد ہے۔ نیز تمام مقامات کی اصل ہے۔ اور شریعت کے ثمرات ونتائج اسی دنیوی زندگی میں ہی منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ عالم آخرت کے کمالات اور دائمی نعمتیں، بھی شریعت کے ثمرات ونتائج ہیں۔ پس شریعت پاک درخت ہے۔ کہ اس کے ثمرات ومیوہ جات سے سارا جہاں نفع اندوز ہو رہا ہے۔ اور ہمیشہ فوائد اس سے حاصل کئے جا رہے ہیں۔

سوال :۔ اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ کمالات نبوت میں بھی باطن حق سبحانہ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ۔ اور تو نے اپنے رسائل میں لکھا ہے اور ابھی اوپر بھی گذرا ہے۔ کہ مقام نبوت میں جو محل دعوت ہے پوری توجہ خلق کی طرف ہوتی ہے۔ دونوں باتوں میں موافقت کی کیا صورت ہے۔

جواب :۔ وہ معاملہ عروج سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مقام دعوت نزول سے وابستہ ہے۔ پس عروج کے وقت باطن حق سبحانہ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ۔ اسی وجہ سے وہ ان کے حقوق شریعت غرا کے مطابق ادا کرتا ہے۔ اور نزول کے وقت پورے طور پر خلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور پورے طور پر مخلوق کو حق جل و علا کا راستہ دکھاتا ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے۔ کہ خلق کی طرف توجہ عین حق سبحانہ کی طرف توجہ ہے۔ "تم جس طرف بھی منہ کرو گے اُدھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے" نہ بایں معنی کہ ممکن عین واجب سبحانہ ہے۔ یا واجب کا آئینہ ہے۔ ممکن حقیر کو کیا طاقت ہے۔ کہ واجب تعالیٰ وتقدس کا عین ہو۔

یا اس بلندیات کا آئینہ بن سکے۔ بلکہ ایسا کہنا درست ہے۔ کہ واجب ممکن کا آئینہ ہے۔ اور واجب تعالیٰ میں اشیاء اس طرح متوہم ہوتی ہیں۔ جس طرح اشیاء کی صورتیں ظاہری آئینے میں۔ لیکن جس طرح اشیاء کے لئے آئینے میں حلول یا سریان نہیں اس طرح واجب تعالیٰ کے آئینے میں بھی ان اشیاء کا حلول یا سریان نہیں۔ حلول کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ مرتبہ مرآت میں صورتوں کا وجود نہیں۔ بلکہ صورتوں کا وجود مرتبہ توہم و تخیل میں ہے۔ اور بس۔ جہاں آئینہ ہے وہاں صورت نہیں اور جہاں صورت ہے وہاں آئینے کے لئے ہزاروں عار ہیں۔ اس لئے کہ صورتوں کے لئے نمود خیالی کے سوا کچھ ثبوت نہیں اور تحقق وہمی کے سوا ان کی کچھ ہستی نہیں۔ اگر مکان رکھتے ہیں درجہ توہم میں رکھتے ہیں اور زمانہ رکھتے ہیں تو وہ بھی مرتبہ تخیل میں۔ لیکن اشیاء کے لئے یہ بے بود نمود خداوند جل سلطانہ کی کاریگری سے ہے۔ جو خلل اور فنا ہونے سے محفوظ ہے۔ اور ابدی معاملہ اس سے مربوط۔ اور عذاب و ثواب دائمی اس سے وابستہ ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ظاہری آئینے میں اولاً صورتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ اور آئینے کے لئے دوسری توجہ درکار ہے۔ اور واجب تعالیٰ کے آئینے میں اولاً ملحوظ وہ آئینہ ہے۔ اور اشیاء کے شہود کے لئے دوسری توجہ درکار ہے۔ اور نیز ظاہری آئینوں میں صورتیں بھی آئینوں کے احکام و آثار کے آئینے ہیں۔ مثلاً اگر آئینے لمبے ہوں گے۔ تو اس میں صورتیں بھی لمبی ظاہر ہوں گی۔ اور آئینوں کی لمبائی کے آئینے نہیں گے۔ اسی طرح اگر آئینے چھوٹے ہوں گے۔ تو وہ چھوٹاپن صورتوں کے آئینوں میں ہوگا۔ بخلاف واجب تعالیٰ کے آئینے میں کہ اشیاء اس کے احکام و آثار کے آئینے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس مرتبہ علیا میں کوئی حکم و اثر نہیں۔ بلکہ وہاں تمام نسبتیں مسلوب ہیں۔ اشیاء کس چیز کے آئینے بنیں اور کس چیز کو ظاہر کریں۔ ہاں مراتب تنزل میں جو اسماء و صفات کے ثبوت کا مقام ہے۔ اگر اشیاء واجب تعالیٰ کے احکام کی صورتوں کے آئینے نہیں تو البتہ گنجائش ہے۔ اس لئے کہ سمع، بصر، علم اور قدرت مثلاً جو اشیاء کے، آئینوں میں ظاہر ہیں۔ مرتبہ وجوب کے سمع، بصر و قدرت کی صورتیں ہیں۔ جو ان اشیاء کے آئینے ہیں۔ یہ احکام مرآت کے ہیں۔ جو ظاہری اشیاء کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں۔

اور وہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ واجب تعالیٰ کے آئینے میں اولاً ملحوظ وہ آئینہ ہے۔ اور شہود اشیاء کے لئے جو صورتوں کی طرح ہیں۔ اس مرآت میں توجہ ثانی کی ضرورت ہے تو یہ دراصل ابتداء رجوع کا حال ہے۔ جس میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ بعد اس کے کہ وہ صورتیں تمام کی تمام زائل ہو چکی تھیں۔ اور جب رجوع کا معاملہ آخر کو پہنچتا ہے۔ اور اشیاء میں دور و دراز سیر واقع ہوتی ہے۔ اور دائرہ امکان کے مرکز میں استقرار میسر آتا ہے تو لازماً شہود غیب سے تبدیل ہو جائے گا۔ اور ایمان شہودی ایمان غیبی ہو جائے گا۔ تا آنکہ معاملہ دعوت مکمل ہو۔ اور الترحیل کی ندا لگائیں اس وقت غیب نہ رہے گا۔ اور شہود ہی شہود رہ جائے گا۔ لیکن اتنی بات ہے کہ یہ شہود اتم اور اکمل ہوگا اس

شہود سے جو رجوع سے پہلے تھا۔ کیونکہ جو شہود آخرت سے تعلق رکھتا ہے اکمل ہے اس شہود سے جو دنیا سے متعلق ہے۔

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ[1]

جاننا چاہیئے۔ کہ تحقیق سابق سے واضح ہو گیا کہ شئی کی صورت کے لئے جو آئینے میں ظاہر ہوتی ہے تخیّل کے سوا کہیں ثبوت نہیں۔ حصولِ صورت کے باوجود آئینہ اپنی صلاحیتِ تجرّد پر قائم ہے۔ اس صورت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ آئینہ اس کے قریب ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ آئینہ اس صورت کو محیط اور اس صورت کے ساتھ ہے۔ یہ قرب و احاطہ اور معیت نہ جسم کے جسم کے قرب و احاطہ کے قبیل سے ہے یا جوہر کے عرض، کے ساتھ ہے وہاں وہ قرب و احاطہ ہے جس کی تصویر سے عقل عاجز اور اس کی کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے۔ پس اس صورت میں قرب و معیت و احاطہ ثابت ہے۔ لیکن اس کی کیفیت بالکل معلوم نہیں۔ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی[2]

اسی طرح ہے وہ قرب جو حضرت حق سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ حاصل ہے۔ اسی طرح اس بلند ذات کا احاطہ اور معیت معلوم[3] الانیت اور مجہول الکیفیت ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بلند ذات قریب و محیط اور عالم کے ساتھ ہے۔ لیکن اس بلند ذات کے قرب و احاطہ اور معیت کی کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کیسی ہے۔ کیونکہ یہ صفات اشیاء کی صفات سے جُدا اور امکان و حدوث کے نشانات سے علیحدہ ہیں۔ تاہم اس کی نظیر و تشبیہ عالمِ مجاز میں جو حقیقت کا پَل ہے۔ بیان کی گئی ہے۔ اور آئینہ و صورت کے ذریعے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تاکہ تیز بین لوگ اس بلند ذات کی عنایت سے مجاز کے واسطے سے حقیقت کا سراغ لگائیں۔ اور صورت سے معنی کی طرف رغبت کریں

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۴۷

نصیحت و تنبیہ میں خواجہ محمد قاسم بدخشی کی طرف صادر فرمایا

---

[1] ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔ عاشق مسکین کے لئے تو وہی (غم و اندوہ) ہے جو گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہا ہے

[2] اور اللہ ہی بلند صفات والا ہے۔ سورۃ النحل پارہ رابعا

[3] یعنی اس احاطہ اور معیت کا وجود معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ۔ عرض کرتا ہے ۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے ۔ کہ اس بھائی کے کلمہ و کلام سے طلب کی حرارت معلوم ہوتی ہے ۔ اور جمعیت کی بُو آتی ہے ۔ بیشک یہ دولت قربِ صحبت کا اثر ہے ۔ بے فائدہ اُمور کی گرفتاری نے تمہیں نہ چھوڑا ۔ کہ ایک ہفتہ ہی صحبت میں رہو ۔ معلوم نہیں تمہاری صحبت کے کل دس دن ہوں ۔ خدائے جل سلطانہٗ سے شرم کرنی چاہیئے ۔ کہ ہزاروں میں سے صرف ایک دن بھی خدائے عزّوجلّ کے لئے منتخب نہیں کرتے ۔ اور اِدھر اُدھر کے تعلقات سے اپنے آپ کو جمع نہیں کرتے ۔ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے ۔ اور تم اپنے وجدان سے جان چکے ہو کہ اس صحبت کی ایک گھڑی ریاضت و مجاہدہ کے چلوں سے بہتر ہے ۔ اس کے باوجود اس صحبت سے گریز کر رہے ہو ۔ اور حیلوں اور بہانوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہو ۔ تمہاری استعداد کا جوہر نفیس ہے ۔ لیکن کیا فائدہ اگر قوت سے فعل میں نہ آئے ۔ تمہاری استعداد بلند ہے لیکن ہمت پست ہے ۔ بچوں کی طرح نفیس موتیوں کو چھوڑ کر خسیس خزف ریزوں (ٹھیکریوں) کے ساتھ آرام پذیر ہوئے

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

اب بھی کچھ نہیں گیا ۔ اپنے اصل کام کی فکر کرنی چاہیئے ۔ اور اس کامِ طریقت کا عمدہ پہلو ارباب جمعیت کی صحبت ہے ۔ اور اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں جو صاحبِ دولت سے سیکھا گیا ہو ۔ مشغول رکھنا چاہیئے ۔ اور جو کچھ ذکر کے منافی ہے ۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور شرع شریف کے حلال و حرام میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے ۔ اور اس بارے میں سستی سے بچنا چاہیئے اور نماز باجماعت پابندی سے ادا کریں اور تعدیلِ ارکان میں بہت کوشش کریں اور اس بات کا دھیان رکھیں کہ نماز اوقات مستحبہ میں ادا ہو ۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

مکتوب نمبر ۴۸

ماتم پرسی اور مقامِ رضا کے حصول کی ترغیب میں خواجہ محمد طالب بدخشی کی طرف صادر فرمایا

لہ تجھے صبح کو روزِ روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا ۔ کہ شبِ تاریک میں تو کس سے عشق بازی کرتا رہا ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ وخواجہ محمد طالب ہمیشہ مطلوب کے خواہاں رہیں۔ آپکموں کی ٹھنڈک محمد صدیق کی خبر وفات آپ نے تحریر کی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ برادر عزیز! حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایمان والوں کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ چاہے اموال ہوں چاہے انفس۔ اور زندہ کرنا اور مارنا اس بلند ذات کا فعل ہے۔ جس میں دوسرے کا دخل نہیں ہے۔ تو لازماً اس بلند ذات کا فعل بھی عزیز تر اور بلند تر ہوگا۔ بلکہ یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ محبوبوں کے فعل سے لذت گیر اور خوشی محسوس کرنی چاہیئے۔ صبر کی کس بناء پر تلقین کرے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور مرتبہ رضا بھی اگرچہ رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے۔ تاہم مرتبہ التذاذ ایک الگ ہی شئی ہے

عشق آن شعلہ ست کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت[1]
تیغ لا در قتل غیر حق براند در نگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند[2]
ماند الا اللہ باقی جملہ سوخت شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت[3]

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۴۹

خواجہ گدا کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ غیر حق کو فراموش کر دینا اس راہ میں قدم اول ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں تو کوتاہی نہ ہو

نحمدہ ونصلی علی نبیہ وسلم علیہ وعلی الہ الکرام۔ مکرمی! عقائد کی درستی اور احکام شرعیہ کی بجاآوری کے بعد اپنے آپ کو بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رکھیں۔ چاہیئے کہ اس ذکر کا غلبہ اس قدر ہو کہ باطن میں غیر مذکور کا گذر نہ رہے۔ اور ماسوا سے تعلق حسی و علمی کو زائل کر دے۔

---

[1] عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔

[2] اس نے لا کی تلوار غیر حق کے قتل کرنے میں چلائی تو دیکھو کہ لا کے بعد پیچھے کیا رہ گیا

[3] باقی صرف اللہ رہا اس کے سوا سب کچھ جل گیا۔ اے شرکت کے خس و خاشاک کو مکمل طور پر جلا دینے والے عشق تو شاد اور خوش رہ

اس وقت قلب کو ماسوا سے فراموشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ غیر کے دید و دانش سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اگر تکلف و کوشش سے بھی اُسے یاد دلائیں تو اس کی یاد میں نہیں آتیں اور نہ ہی ان کو پہچانتا ہے اور ہمیشہ مطلوب میں فانی اور مستغرق رہتا ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ آتا ہے۔ تو اب اس راہ کا ایک قدم طے کرتا ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم کے اُٹھانے میں تو کوتاہی نہ ہو۔ اور دید و دانش میں غیر کے گرفتار نہ رہیں لہ

گوئے توفیق و سعادت در میان افگندہ اند کس بمیدان در نمے آید سواراں را چہ شد

بظاہر تمہارے تعلقات کم دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آپ شوقِ تعلق سے اپنے آپ کو ارباب تعلق کے ساتھ جمع رکھتے ہیں۔ "جو شخص اپنے نقصان میں خود راضی ہو۔ وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا" طے شدہ مسئلہ ہے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۵۰

میرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے۔ اور ایک حقیقت۔ اور اس بیان میں کہ از ابتدا تا انتہا شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور قلب کی تمکین، نفس کے اطمینان اور اجزاءِ قلب کے بیان میں جو مرتبۂ نبوت میں ہے اور جو باتیں اس کے مناسب ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی شریعت کی ایک صورت ہے اور اس کی ایک حقیقت۔ صورتِ شریعت ایمان باللہ و بالرسول اور ان تمام احکام پر ایمان رکھنے کے بعد احکامِ شرعیہ کے بجالانے سے عبارت ہے۔ جب کہ نفسِ امارہ کی مزاحمت اور اس کی سرکشی اور بغاوت جو اس کی سرشت میں رکھی گئی ہے، موجود ہو۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو صرف اس کی صورت ہے۔ اور اگر نماز ہے تو وہ بھی صورتِ نماز۔ اور اگر روزہ ہے تو وہ بھی صرف صورتِ روزہ۔ علیٰ ہذا القیاس، دوسرے تمام احکام۔ اس لئے کہ وجودِ انسان میں نفس جو ایک عمدہ جزو ہے۔ اور قول انا سے ہر ایک فرد کا مشارٌ الیہ بھی یہی نفس ہے۔ ابھی تک اپنے کفر و انکار پر قائم ہے۔ لہٰذا اس حالت میں حقیقت ایمان اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ

لہ توفیق و سعادت کا گیند درمیان میں ڈال دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی میدان میں نہیں آتا۔ سواروں کو کیا ہو گیا ہے۔

جل شانہٗ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر دخولِ جنت کی بشارت دی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کا مقام رضا ہے۔ اور یہ بھی اس کا احسان ہے۔ کہ نفسِ ایمان میں صرف تصدیق بالقلب کے ساتھ کفایت فرمائی۔ اور نفس کے اذعان و ایقان کے ساتھ مکلف نہیں فرمایا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ جنت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اصحابِ صورت، صورتِ جنت سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور اربابِ حقیقت، حقیقتِ جنت سے۔ اصحابِ صورت اور اربابِ حقیقت دونوں جنت کا میوہ تناول فرمائیں گے۔ صاحبِ صورت اس سے ایک قسم کی لذت پائے گا۔ اور صاحبِ حقیقت دوسری قسم کی لذت۔ ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک ہی جنت میں ہونگی۔ اور ایک ہی پھل تناول فرمائیں گے۔ لیکن ہر ایک کے لئے لذت و نعمت کی الگ الگ کیفیت ہوگی۔ اور اگر علیحدہ نہ ہو تو ہمارے پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم پر امہات المؤمنین کی افضلیت لازم آتی ہے۔ نیز لازم آتا ہے کہ جو شخص افضل ہو اس کی زوجہ بھی اس سے افضل ہو۔ کیونکہ بیوی خاوند کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔ یہ صورتِ شریعت بشرطِ استقامت فلاح کی موجب اور نجات اُخروی کو مستلزم ہے۔ اور دخولِ جنت کی مصحح ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ اور جب ایک شخص نے صورتِ شریعت درست کرلی تو ولایتِ عامہ حاصل ہوگئی

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے

اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے سالک اس امر کی استعداد پیدا کر لیتا ہے۔ کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایتِ خاصہ کی طرف رُخ کرے اور بتدریج نفس کو امارگی سے اطمینان کی طرف کھینچے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس ولایتِ خاصہ کے ساتھ منازل وصول طے کرنا بھی اعمالِ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ ذکرِ الٰہی جل شانہ جو اس راہ میں عمدہ چیز ہے۔ ماموراتِ شرعیہ میں سے ہے۔ اور ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب بھی اس راہ کی ضروریات سے ہے۔ اور ادائے فرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرنے والی چیز ہے۔ اور پیرِ راہ بین اور راہنما جو وسیلہ اور ذریعہ بننے والا ہے ماموراتِ شرعی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ[1] ۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو

---

[1] سورہ مائدہ پارہ ۶ یاد رہے کہ ابن ہے اور اس آیت میں الوسیلہ سے صرف اعمال صالحہ مراد لیتے ہیں۔ اور اہل اللہ کی ذوات مقدسہ کے وسیلہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ ذواتِ مقدسہ کو وسیلہ قرار دینے کو غلط سمجھتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اس تفسیر سے واضح ہے۔ کہ بے ادب لوگوں کا موقف غلط ہے۔ اور اعمال صالحہ کی طرح اہل اللہ بھی وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ از مترجم غفرلہٗ

بہر صورت شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ صورتِ شریعت ہو، چاہے حقیقتِ شریعت۔ کیونکہ ولایت و نبوت کے تمام کمالات کے بنیادی ارکان احکام شرعیہ ہیں۔ ولایت کے کمالات صورتِ شریعت کے نتائج ہیں۔ اور کمالاتِ نبوت حقیقتِ شریعت کے ثمرات۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ بھی آئے گا۔ ولایت کا مقدمہ حقیقت ہے جہاں مطلوب کے ماسوا کی نفی اور مقصود کے غیر و غیریت کو دور کرنا ہوتا ہے اور جب خداوند جل شانہ کے فضل سے غیر حق تعالیٰ کلی طور پر نظر سے ہٹ گیا۔ اور دید میں اغیار کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ تو فنا حاصل ہو گئی۔ اور مقامِ طریقت اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اور سیر الی اللہ مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد مقامِ اثبات کا آغاز ہوتا ہے۔ جو سیر فی اللہ سے عبارت ہے۔ اور یہی مقامِ بقا ہے۔ جسے مقامِ حقیقت کہتے ہیں اور یہی ولایت کا مقصدِ اعلیٰ ہے۔ اس طریقت و حقیقت سے جو فنا اور بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سالک پر ولایت کا نام صادق آتا ہے۔ اور نفس سرکش نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اور اپنے کفر و انکار سے باز آجاتا ہے۔ اور اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور مولیٰ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سرشت میں احکام شریعت سے جو نفرت پائی جاتی تھی۔ زائل ہو جاتی ہے۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ نفس مقامِ اطمینان میں پہنچ جاتا ہے۔ تاہم اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا[1]

ہر چند کہ مطمئنہ گردد ہرگز صفات خود نگردد

اور جہادِ اکبر جس کا ذکر حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ[2]۔ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے، میں کیا ہے۔ اس سے مراد یہی نفس سے جہاد ہے۔

اور جو کچھ فقیر کے کشف میں آیا ہے۔ اور اپنے وجدان سے پایا ہے۔ مشائخ کے اس بیان مشہور کے خلاف ہے۔ یہ فقیر حصولِ اطمینان کے بعد نفس میں کسی قسم کی سرکشی اور بغاوت نہیں پاتا۔ اور نفس کو فرمانبرداری کے مقام میں قیام پذیر دیکھتا ہے۔ بلکہ نفس مطمئنہ کو مضبوط دل کی طرح جو غیر حق کو فراموش کر چکا ہو، پاتا ہے۔ جو غیر اور غیریت کی دید و دانش سے گذر چکا ہوتا ہے۔ اور جاہ و ریاست کی محبت اور لذت و تکلیف سے چھوٹ چکا

---

[1] نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اپنی صفات سے باز نہیں آتا۔

[2] اس حدیث کو شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے۔ اور عراقی نے بروایت جابر بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز خطیب بغدادی نے بھی اپنی تاریخ میں بروایت جابر اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جہاد کی تفسیر مجاہدۂ قلب اور خواہشات نفسانی کے خلاف مجاہدہ سے کی ہے۔

ہوتا ہے۔ مخالفت کہاں رہی۔ اور سرکشی کس نے کرنی ہے۔ یعنی مقام اطمینان میں پہنچ کر نفس تمام خرابیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ حصولِ اطمینان سے پہلے اگر بال برابر بھی فرق پڑے تو سرکشی اور بغاوت کے متعلق مشائخ جو کچھ فرماتے ہیں۔ اس کی گنجائش ہے۔ لیکن حصول اطمینان کے بعد مخالفت اور سرکشی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس باب میں اس فقیر نے اگرچہ بڑی تیز اور گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اور اس معمّا کے اندر دور گیا ہے۔ کہ یہ بات قوم کی طے شدہ بات کے خلاف ہے۔ لیکن اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے نفس مطمئنہ میں بال برابر بھی مخالفت اور سرکشی نہیں پائی۔ اور ہلاک اور نیست ہو جانے کے سوا اس میں اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ نفس جب اپنے آپ کو اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ و تعالیٰ پر قربان کر دے۔ تو پھر مخالفت کی کیا گنجائش رہتی ہے۔ اور جب نفس حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے راضی ہو گیا۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا۔ تو سرکشی کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بات رضا کے منافی ہے۔ جو چیز حق جل شانہٗ کے پسندیدہ ہو گی۔ وہ ہرگز ناپسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ اور فقیر کے نزدیک وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔ جہاد اکبر سے مراد ہو سکتی ہے۔ کہ بدن عنصری سے جہاد ہو جو مختلف طبائع سے مرکب ہے۔ اور اس کی ہر طبیعت ایک امر کی خواہاں ہے اور دوسرے امر سے دور ہونا چاہتی ہے۔ اگر شہوانی قوت ہے تو وہ بھی بدن عنصری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور قوتِ غضبیہ ہے۔ تو وہ بھی یہیں سے ظاہر ہوتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ باقی حیوانات جو نفس ناطقہ نہیں رکھتے۔ یہ کمینی صفات ان میں موجود ہیں۔ اور شہوتِ غضب، غلبہ حرص اور لالچ سے موصوف ہیں۔ یہ جہاد ہمیشہ برپا ہے۔ نفس کا اطمینان اس جہاد سے تسکین نہیں بخشتا۔ اور جنگ کی مضبوطی اس جنگ کو دور نہیں کرتی۔ اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فوائد ہیں۔ کیونکہ یہ بدن عنصری کے تنقیہ و تطہیر کو شامل ہے۔ تاکہ اگلی دنیا کے کمالات اور معاملہ آخرت بلا اصالت اس کے ساتھ وابستہ ہوں۔ کیونکہ اس دنیا کے کمالات جسم کے تابع ہیں۔ اور قلب متبوع ہے وہاں کام برعکس ہے کہ قلب تابع ہے اور بدن عنصری متبوع۔ اور جب اس دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور وہ جہان پر تو اندراز ہو گا۔ تو جہاد اور یہ لڑائی ختم ہو جائے گی۔ اور جب اللہ سبحانہٗ کے فضل سے نفس مقامِ اطمینان میں آگیا۔ اور خدائے جل شانہٗ کے حکم کا فرمانبردار بن گیا۔ تو اسلام حقیقی میسر آگیا۔ اور حقیقتِ ایمان، کی صورت جلوہ گر ہو گئی۔ اس کے بعد وہ جو عمل بھی کرے گا۔ حقیقتِ شریعت ہی ہو گا۔ اگر نماز ادا ہو گی۔ تو وہ بھی حقیقت نماز ہو گی۔ اور اگر روزہ ہے تو وہ بھی حقیقتِ روزہ۔ اور اگر حج ہو گا تو وہ بھی حقیقتِ حج۔ اسی قیاس پر باقی تمام احکام شرعیہ۔ پس طریقت و حقیقت شریعت کی صورت و حقیقت کے درمیان واقع ہیں۔ سالک جب تک ولایت خاصہ سے مشرف نہیں ہوتا۔ اسلام مجازی سے اسلام حقیقی تک نہیں پہنچتا۔ اور جب محض فضل خداوندی جل سلطانہٗ سے حقیقت شریعت سے آراستہ ہوا۔ اور اسلام حقیقی میسر ہوا۔ تو اب اس قابل ہوا کہ نبوت کے کمالات

سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت تبعیت میں پورا بہرہ ور اور کامل حصہ پاتا ہے۔ چنانچہ صورت شریعت کمالات ولایت کے لئے پاک درخت کی طرح ہے۔ کمالات ولایت حقیقت شریعت کے گویا ثمرات ہیں۔ اور حقیقت شریعت بھی کمالات نبوت کے لئے گویا شجرہ مبارکہ ہے۔ اور یہ کمالات اس کے ثمرات کی طرح ہیں۔ اور جب کمالات ولایت صورت کے ثمرات ہیں۔ اور کمالات نبوت حقیقت کے ثمرات۔ تو لازماً کمالات ولایت کمالات نبوت کے لئے صورتوں کی طرح ہیں۔ اور نبوت کے کمالات ان صورتوں کے حقائق۔

جاننا چاہیئے۔ کہ صورت شریعت اور حقیقت شریعت کے درمیان فرق نفس کے راستے سے آیا تھا۔ کہ درجہ صورت میں نفس امارہ سرکشی کی حالت میں اور اپنے انکار پر تھا۔ اور حقیقت کے درجہ میں نفس مطمئنہ اور مسلمان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کمالات ولایت کے درمیان جو صورتوں کی طرح ہیں۔ اور کمالات نبوت کے درمیان جو حقائق کی طرح ہیں فرق جسم عنصری کی طرف سے ہے۔ مقام ولایت میں جسم عنصری کے اجزاء بغاوت و سرکشی سے باز آجاتے ہیں۔ مثلاً جسم عنصری کا جزو ناری اطمینان نفس کی وجہ سے اپنے بہتر اور بڑا ہونے کے دعویٰ سے باز آجاتا ہے۔ اور خاکی جزو اپنی عاجزی اور کمینگی سے پشیمان نہیں ہوتا۔ اسی طرح باقی اجزاء اور کمالات نبوت کے مقام میں بدن کے اجزاء اعتدال پر آجاتے ہیں۔ اور افراط و تفریط سے نجات پا جاتے ہیں۔ اسی بناء پر ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ۔ یعنی میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے۔ شیطان جس طرح آفاق میں ہے۔ انفس میں بھی ہے۔ اور وہ ناری جزو ہے۔ جو اپنے بہتر ہونے کا مدعی اور اپنی بڑائی اور بلندی کا خواہاں ہے۔ جو صفات رذیلہ میں سے بدترین صفت ہے۔ اور اس کا اسلام لے آنا اس کی ان بری صفات کے ازالے سے کنایہ ہے۔ پس کمالات نبوت میں اطمینان قلب بھی ہے۔ اور اطمینان نفس بھی۔ اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی۔ اور ولایت میں بس یہی اطمینان قلب ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اطمینان نفس۔ اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اطمینان نفس۔ اس بناء پر کہا۔ کہ نفس کو اطمینان کامل اور بے تکلف طور پر اجزائے قالب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ارباب ولایت نے اجزائے قالب کے عدم اعتدال کے واسطے سے نفس مطمئنہ کا رجوع صفات بشریت کی طرف جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ اور جو اطمینان اجزائے قالب کے اعتدال کے بعد نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ صفات رذیلہ کی طرف رجوع سے پاک اور مبرا ہے۔ پس نفس کے دائل کی طرف رجوع کرنے اور رجوع نہ کرنے کا اختلاف مقامات و افکار کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے مقام سے خبر دی ہے اور اپنی دانست کے مطابق بات کی ہے۔

سوال ۱۔ جب کہ قالب کی اجزاء بھی حد اعتدال پر آجاتی ہے۔ اور بغاوت اور سرکشی سے رک جاتی ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اور نفس مطمئنہ کی طرح ان کے ساتھ جہاد کرنے کا سلسلہ بھی زائل

ہو جاتا ہے۔

جواب :۔ نفس مطمئنہ اور ان اجزاء کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ نفس مطمئنہ ہلاکت اور نیستی کی صفت رکھتا ہے۔ اور عالم امر سے ملحق ہے۔ جو کمال نیستی اور سکر سے موصوف ہے۔ اور یہ اجزاء احکام شرعیہ کی بجا آوری کے واسطہ سے جن کی بناء صحو پر ہے۔ نیستی اور سکر سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اور فنا میں اس مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو صحو کی حالت میں ہو۔ وہ بعض مصالح اور منافع کی بناء پر صورت کے بعض امور میں اگر مخالفت کرے تو گنجائش ہے۔ امید ہے کہ یہ مخالفت فضل خداوندی جل سلطانہ سے ترکِ استحباب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور کراہت تنزیہیہ سے نیچے نہیں جائے گی۔ اس لئے اعتدال اجزاء کے باوجود مرتبہ قالب میں جہاد متصور ہے اور نفس مطمئنہ کے درجے میں جہاد جائز ہے۔ اس بحث کی تحقیق مکتوبات کی جلد اول کے اس مکتوب میں تفصیل سے تحریر ہو چکی ہے۔ جو اپنے بڑے فرزند مرحوم کے نام بیان طریقہ میں لکھا ہے۔ اگر کچھ پوشیدگی باقی رہ گئی ہو تو اس کی طرف رجوع کریں۔ اور اگر محض فضل خداوندی جل سلطانہ سے کمالاتِ نبوت جو حقیقت شریعت نتائج و ثمرات ہیں بھی اختتام کو پہنچ جائیں۔ اور وہاں ترقیاتِ اعمال کے ساتھ وابستہ نہ رہیں۔ تو اس مقام میں معاملہ حضرت رحمان جل سلطانہ کے محض فضل و احسان سے وابستہ ہے۔ اعتقاد کا وہاں کوئی اثر نہیں۔ اور علم و عمل کا وہاں کوئی فیصلہ جاری نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں فضل در فضل اور کرم در کرم ہے۔ یہ مقام سابق مقامات کی نسبت سے بہت بلند ہے۔ اور بڑا وسیع اور فراخ ہے۔ اور جو نورانیت یہ مقام رکھتا ہے۔ مقامِ سابق میں اس کا اثر بھی نہیں تھا۔ یہ مقام اصالۃً انبیاء اولی العزم علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے مخصوص ہے۔ اور ان کی فرمانبرداری میں، جسے چاہیں اُس سے نواز دیں۔ اور وراثت کے طور پر جسے چاہیں اس سے مشرف فرما دیں [1]

باکریماں کار ہا دشوار نیست

یہاں کوئی شخص غلطی نہ کھائے اور یہ نہ کہے۔ کہ اس مقام میں صورت شریعت اور حقیقتِ شریعت سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت اس کام کی اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت چاہے کتنا ہی اونچا اور بلندی میں چلا جائے۔ اور دیوار چاہے کتنی ہی بلندی میں چلی جائے۔ اور محلات بلند اس پر تعمیر کئے جائیں۔ اصل اور بنیاد سے بے نیازی نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی ضرورت سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ایک بلند مقام چاہے کتنی بھی بلندی پیدا کرے۔ اور پستی سے دور چلا جائے۔ نیچے والے مکان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور

---

[1] کریم لوگوں کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔

نیچے والے مکان سے اس کی مقابلی زائل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر فرض کے طور پر نیچے والے مکان میں خرابی پیدا ہو۔ تو وہ خرابی اوپر کے کمرے میں بھی اثر کرے گی۔ اور نیچے والے کا زوال اوپر والے کے زوال کا باعث بنے گا۔ پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے۔ اور اس کے احکام کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں۔ اور جب خدائے تعالیٰ جل شانہٗ کی مہربانی سے معاملہ اس مقام سے اور بلند ہوتا ہے۔ اور کام فضل سے محبت کی طرف رخ کرتا ہے۔ تو ایک اور مقام سامنے آتا ہے۔ جو بہت بلند ہے۔ اور اصالۃً خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلیٰ آلک کل الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے لئے مخصوص ہے۔ فرمانبرداری اور وراثت کے طور پر جسے چاہیں۔ اس دولت سے مشرف فرمادیں۔ وہ بلند ترین محل جو غایت بلندی کے باعث چھوٹا نظر آتا ہے۔ حضرت صدیق کے لئے اس مقام میں وراثت کے طور پر ناف تک داخل پاتا ہے۔ اور حضرت فاروق بھی اس دولت سے مستفید ہیں۔ امہات المؤمنین میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت صدیقہ کو بھی حضور علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ علاقہ زوجیت کی بنا پر اس مقام میں دیکھتا ہے۔ اور اصل معاملہ اللہ سبحانہٗ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں نیکی اور آسانی مہیا فرما۔

میرے عزیز بھائی معارف آگاہ شیخ عبدالحی نے جب کہ سال ہا سال صحبت میں گزارے ہیں۔ اور اب اپنے وطن کو روانہ ہوا ہے۔ اور وہ مقام اور علاقہ ان کی جناب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے ضرورتاً چند سطریں لکھی ہیں۔ اور مشارٌ الیہ کے حالات سے اطلاع دی ہے۔ اہل اللہ کا وجود جہاں بھی ہوں غنیمت ہے۔ اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔ تو مبارک ہو اُسے جس نے اُسے پہچان لیا۔ اور اسی مقام میں میرے برادر عزیز شیخ نور محمد بھی اقامت پذیر ہیں۔ اور فکر و نامرادی میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ وہ مقام جائے رشک ہے۔ جہاں اس طرح کے دو اہل اللہ ہوں۔ اور دو مبارک ستارے یکجا موجود ہوں۔

والسلام

خدائے تعالیٰ کی مدد اور اس کی حسنِ توفیق سے مکتوبات شریف کے چھٹے حصے اور دفتر دوم کے پہلے حصے کا اردو ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اصل کتاب کی طرح اس ترجمے کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اور مترجم کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ پڑھنے والوں سے التماس ہے۔ کہ مترجم گناہگار کو اپنی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

محمد سعید احمد نقشبندی غفرلہٗ
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لاہور پاکستان
مؤرخہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء بروز جمعرات بمطابق
۶ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ ہجری

بسم الله الرحمن الرحيم ه

تحفتاً پيش ڪيي وئي - صاحبزاده حضرت
آغا عبدالوحيد جان سرهندي مجددي جي موڪلڻ
لڪ ديستار فضيلت تي.

٦-١١-١٩٨٢ء

پير سليم احمد جان ولد ظهير سلطان
احمد جان سرهندي - تندو جام - دادو

ميڙيه ڪنڊ بخش جوڻيجو لڪ ٩١

60



صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اردو ترجمہ

مکتوبات امام ربّانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرّہٗ

دفتر دوم ——— حصہ دوم

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی - بندر روڈ کراچی

(جملہ حقوق ترجمہ بحق ناشر محفوظ ہیں)

طبع اول ——— آفسٹ ایڈیشن ——— سنہ ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر: ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

مطبع: ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد: ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت: ——— حصہ ہفتم ہشتم نہم مجلد مع پلاسٹک کور

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ کراچی (پاکستان)

فہرست مضامین حصہ ہفتم از مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۵۱:- اس بیان میں کہ بعض کاملین سے خدا تعالیٰ بلاواسطہ گفتگو فرماتے ہیں۔	۱۹
مکتوب نمبر ۵۲:- اس طائفہ علیہ کی محبت کی ترغیب میں۔	۲۰
مکتوب نمبر ۵۳:- اس سوال کے جواب میں کہ اگر میں عبادت کرتا ہوں۔ تو غرور پیدا ہوتا ہے اور اگر خلاف شرع واقع ہو تو اپنے آپ کو محتاج اور عاجز خیال کرتا ہوں۔	۲۱
مکتوب نمبر ۵۴:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سات درجے اور مرتبے اور پہلا درجہ عام مسلمانوں کا ہے۔ اور علماء ظاہر اور عابد و زاہد لوگ اسی درجہ میں شریک ہیں۔	۲۲
متابعت کا دوسرا درجہ آنحضرت کے اقوال و اعمال کی اتباع ہے۔ اور یہ باطن سے تعلق رکھتا ہے۔	〃
متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت کے مواجید و اذواق و احوال کی اتباع ہے۔	〃
نماز۔ روزہ اور دیگر اعمال کی حقیقت کے متعلق سوال و جواب۔	〃
متابعت کا چوتھا درجہ جو علمائے راسخین سے مخصوص	۲۴

مضمون	صفحہ
ہے۔ اور علمائے راسخین کی علامت اور سنت کی متابعت کا التزام اور بدعت سے پرہیز جو بدعت حسنہ ہو۔ اور یہ معنی آج کل مشکل ہے۔ اور علمائے وقت کی مذمت اور ان کی تردید کے بیان میں۔	۲۵
متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت کے کمالات کی اتباع کہ اس کے حصول میں علم اور عمل کو دخل نہیں ہے۔	۲۷
چھٹا درجہ ان کمالات کی اتباع کا ہے۔ جو مقام محبوبیت سے مخصوص ہیں۔	〃
ساتواں درجہ جو کہ تمام درجات کا جامع ہے۔ وہ نزول اور ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور کامل متابع کا بیان علماء ظاہر پہلے درجہ پر خوش ہیں۔ کاش وہ اسی درجہ کو سرانجام دیتے	〃
مکتوب نمبر ۵۵:- اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے مناقب	۲۹
قرآن مجید کے احکام صرف تین قسم ہیں اور سنت اور قیاس دونوں احکام کے مظہر ہیں۔ نہ کہ مثبت	〃
اجتہادی احکام میں غیر پیغمبر پیغمبر کے ساتھ اختلاف رائے کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں اجتہاد کے شرائط	〃

مضمون	صفحہ
موجود ہوں۔	۳۰
اس جگہ ایک باریک نکتہ ہے۔ وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبروں کے متابع ہیں۔ الخ	〃
اس کے متعلق سوال و جواب۔	〃
اس کے متعلق اور سوال و جواب۔	〃
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد اس شریعت کی اتباع کریں گے۔	۳۲
عیسیٰ علیہ السلام کی مثال امام ابو حنیفہؒ جیسی ہے جو کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی برکت سے اجتہاد کے بلند مقام پر پہنچے ہیں۔	〃
خواجہ محمد پارسا کا قول کہ عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں گے۔	۳۱
امام ابو حنیفہ سنت کی تقلید میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ چند ایک ناقص لوگوں نے کچھ احادیث یاد کر لی ہیں، اور احکام شریعت انہی میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں۔	〃
فقہ کے بانی امام ابو حنیفہ ہیں۔ اور فقہ کے تین حصے صرف انہی کے لئے مسلم ہیں۔ اور چوتھے حصہ میں دوسرے ان سے شرکت رکھتے ہیں۔	〃
الہام حلال حرام کا مثبت نہیں ہوتا۔ اور اہل باطن کا کشف فرض و سنت کا اثبات کرتا ہے۔	۳۵
فقہ القنون اور بسطامی اور جنید اور شبلی زید و عمر کے	〃

مضمون	صفحہ
ساتھ اجتہادی احکام میں مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ ہاں ان بزرگواروں کی فضیلت دوسرے امور میں ہے۔	۳۵
خواجہ محمد پارسا نے لکھا ہے۔ کہ لدنی علوم کے افاضہ میں حضرت خضر کی روحانیت متوسط ہے۔	〃
حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے منبر پر وعظ کہتے ہوئے حضرت خضر کو مخاطب کر کے کہا۔ اے اسرائیلی الکلام محمدی سن۔	۳۶
علوم و معارف احکام شرعیہ کے سوا اور چیز ہیں کہ اہل اللہ ان سے مخصوص ہیں۔ اگرچہ وہ معارف احکام شرعیہ ہی کے نتائج ہیں۔ شریعت کی پابندی کرنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے میں فرق اور احکام شرعیہ اور احکام الہامیہ میں فرق کا بیان۔ علماء ظاہر غیبی اخبار کو پیغمبروں سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کو اس میں شریک نہیں سمجھتے۔ اور یہ معنی وراثت کے منافی ہے۔	〃
دینی امور احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت ہیں اور اس میں پانچواں اصل الہام ہے۔ بلکہ تیسرا اصل ہے اور یہ اصل قیامت تک قائم رہے گا۔	۳۷
اس کے متعلق سوال و جواب	〃
مکتوب نمبر ۵۶:۔ اس بیان میں ہے کہ عارف کا معاملہ اس حد تک جا پہنچتا ہے۔ کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکی کا حکم پیدا کر لیتی ہیں۔	〃

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۵۷:- اس بیان میں کہ خدا تعالےٰ کا ذکر آنحضرت پر درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ لیکن وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہو۔ یا جو شیخ متصدانے بتایا ہو۔ اور اس دعوی کے ثبوت کے لئے دو وجوہات کا بیان۔	۴۸
امت کا کوئی آدمی بھی خواہ وہ کتنے ہی بلند مقام پر ہو۔ اپنے پیغمبر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی دوسرے پیغمبر کے درجہ ہی کو پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ اس نبی کی کسی نے پیروی نہ کی ہو۔	۴۹
اس امت کے مبلغین اور داعی لوگوں کی بزرگی اور انکے درجات میں فرق۔ اور اس جماعت کا رد جو امت کے محدثین کو افضل جانتے ہیں	۴۱
مکتوب نمبر ۵۸:- عالم مثال اور روح تناسخ اور نقل روح اور اس کے بروز وحلول کا بیان۔ اور اس حدیث کا بیان کہ اللہ تعالےٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کئے۔ اور اس کے متعلق ابن عربی کا مشاہدہ۔ اور مجدد الف ثانی کی تحقیق۔	۴۲
تناسخ کے متعلق عجیب وغریب سوال وجواب اور کاملین کے ارواح کا جسم اختیار کر لینا اور مختلف اشکال میں جنوں کی طرح تبدیل ہونا۔ اور بعض اولیا۔ کا ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر حاضر ہونا اور اسے مختلف افعال کا صادر ہونا اور ان کے فرد عات کا بیان۔	۴۴

مضمون	صفحہ
بروز کمون اور تناسخ میں فرق کا بیان۔	۴۵
عالم صغیر میں عالم مثال خیال کا نمونہ ہے۔ اور خیال کی دو ڑ ظلال کے مراتب تک ہے۔	″
اس کا بیان کہ جو اللہ کو پہچان لے۔ اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ اور جو اللہ کو پہچان لے۔ اس کی زبان لمبی ہو جاتی ہے۔	۴۶
سوال:- کچھ لوگ کشف اور خواب میں عالم مثال میں دیکھتے ہیں۔ کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں۔ یا قطب ہو گئے ہیں۔ اور عالم شہادت میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس رویت میں کچھ صداقت ہوتی ہے۔ یا نہیں؟	۴۷
جواب:- اس میں بھی کچھ صداقت ہوتی ہے۔ یہ نقشبندی۔ اکابر واقعات کا اعتبار نہیں کرتے۔ اور ماسوی کا نسیان ان کے حق میں دائمی ہو چکا ہے۔ اور ان کے دل میں یار کا گذر ہمیشہ کے لئے منتفی ہو چکا ہے	″
مکتوب نمبر ۵۹:- اس بیان میں کہ معقول موہوم اور مکشوف اور مشہود سب ماسوی میں داخل ہیں۔	۴۹
مکتوب نمبر ۶۰:- اس بیان میں کہ فضولیات کو چھوڑ کر ضروریات دین کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور امامت کی بحث اصول دین سے نہیں ہے۔	۵۰
مکتوب نمبر ۶۱:- دوستوں کو نصیحت اور مولانا حسن کو اس حلقہ کا سردار مقرر کرنے کے بیان میں مولانا احمد کی تعریف	۵۲

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۶۲:- اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اور وہ بنی نوع کے ساتھ زندگی گذارنے کا محتاج ہے۔ اور اس کی خوبی اسی محتاجی میں ہے۔	۵۳
مکتوب نمبر ۶۳:- اس بیان میں کہ مرید اول کی زندگی میں بھی اگر مرید اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے پیر کے پاس طلب حق کے لئے جائے۔ تو یہ جائز ہے لیکن پہلے پیر سے انکار نہ کرے۔	۵۶
اس وقت کے اکثر پیر اپنی خبر بھی نہیں رکھتے۔ اور نہ کفر و ایمان میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ یہ خدا کی خبر کیا رکھیں گے۔	〃
مکتوب نمبر ۶۴:- اس بیان میں کہ احوال کی تبدیلی اور کمینی دنیا کی امیدوں کے پورا نہ ہونے سے دل تنگ نہ ہونا چاہیئے	۵۰
مکتوب نمبر ۶۵:- بے فائدہ کاموں سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔	〃
مکتوب نمبر ۶۶:- توبہ و انابت اور پرہیزگاری و تقوی کے بیان میں اور توبہ و گناہوں کی تفصیل۔ بعض علماء نے کہا ہے۔ کہ دس چیزوں کے بغیر پرہیزگاری پوری نہیں ہوتی۔ اور تمام محرمات اور مشتبہات سے پرہیز کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔ ورنہ بعض گناہوں اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید	۵۸
مکتوبات نمبر ۶۷:- اہل سنت و جماعت کے عقائد کے بیان میں۔	۶۱

مضمون	صفحہ
پہلا عقیدہ:- اللہ تعالے بذات قدیم خود موجود ہیں۔	۶۲
دوسرا عقیدہ:- اللہ تعالے اکیلے ہیں۔ ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ وجوب وجود میں اور نہ استحقاق عبادت میں۔	〃
تیسرا عقیدہ:- اللہ تعالے کی صفات کاملہ ہیں۔ ان میں سے علم۔ حیوۃ۔ قدرت۔ الخ	〃
چوتھا عقیدہ:- اللہ تعالے جواہر و اجسام و اعراض کی صفات و لوازمات سے پاک ہیں۔ اور زمان و مکان اور جہت کی اس بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے جو آدمی اللہ تعالے کو عرش کے اوپر جانتا ہے۔ اور اس کے لیے فوق کی جہت تجویز کرتا ہے۔ وہ بے خبر ہے۔	〃 ۶۳
پانچواں عقیدہ:- اللہ تعالے جسم اور جسمانی نہیں ہیں۔ جواہر اور عرض نہیں ہیں	〃
چھٹا عقیدہ:- اللہ تعالے کسی چیز سے متحد نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی کوئی چیز اللہ تعالے سے متحد ہوتی ہے۔ اسمائے الٰہی توقیفی ہیں۔ صاحب شریعت سے سننے پر موقوف ہیں۔	〃
ساتواں عقیدہ:- قرآن خدا کا کلام ہے جس کو خدا تعالے نے حرف اور آواز کا لباس پہنا کر ہمارے پیغمبر پر نازل کیا ہے۔	۶۱
آٹھواں عقیدہ:- مومنوں کا قیامت کے روز	〃

مضمون	صفحہ
خدا تعالیٰ کو جنت میں بے جہت۔ بے کیف اور بے احاطہ دیکھنا برحق ہے۔	۶۴
نواں عقیدہ:۔ اللہ تعالیٰ جس طرح بندوں کے خالق ہیں۔ انکے افعال کے بھی خالق ہیں۔	۶۵
دسواں عقیدہ:۔ انبیاء علیہم السلام مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں۔	۶۶
گیارہواں عقیدہ:۔ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے احوال اور قبر کے عذاب اور منکر نکیر کے سوالات کے متعلق بتایا ہے۔ سب برحق ہے۔ میزان قیامت کا ہلکا اور بھاری ہونا دنیا کے میزان کے برخلاف ہے۔	〃
بارہواں عقیدہ:۔ نبیوں کی پھر نیک لوگوں کی شفاعت برحق ہے۔	〃
تیرھواں عقیدہ:۔ پل صراط جس کو دوزخ پر رکھا جائے گا۔ مومن اسکو عبور کریں گے۔ اور کافر دوزخ میں گریں گے۔ یہ سب کچھ برحق ہے۔	〃
چودھواں عقیدہ:۔ بہشت اور دوزخ دونوں مخلوق ہیں۔ اور ہمیشہ باقی رہیں گی۔	۶۰
پندرہواں عقیدہ:۔ فرشتے خدا تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں۔ اور ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔	〃
سولھواں عقیدہ:۔ ایمان یہ ہے۔ کہ جو چیزیں ہم تک اجمالاً و تفصیلاً پہنچی ہیں۔ ان پر دل سے یقین اور زبان سے اقرار کیا جائے۔	〃

مضمون	صفحہ
امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں۔ کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں۔ میں یقیناً مومن ہوں۔ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔	۶۷
سترھواں عقیدہ:۔ مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اور نہ کافر ہوتا ہے۔ اور اس میں امام ابو حنیفہؒ کی ایک حکایت اہل سنت کے نزدیک خلافت و امامت کی بحث اصول دین سے نہیں ہے۔ لیکن چونکہ شیعہ اس میں غلو کرتے ہیں۔ الخ	۶۶
رسول اللہ کے بعد ترتیب خلافت اور ترتیب خلافت کے مطابق ان کی فضیلت کا بیان	۶۱
حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت فاطمہؓ کی بزرگی کا بیان	۷۲
صحابہ کرام کی بزرگی اور محبی اور محبوب ہونیکا حکم اور حضرت علی کا حق بجانب ہونا۔	〃
اٹھارہواں عقیدہ:۔ قیامت کی نشانیاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ امام مہدی کا آنا اور حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نزول سب برحق ہیں۔ ان میں تخلف کا کوئی احتمال نہیں ہے۔	〃
مہدوی فرقہ کا رد اور مہدی موعود کی علامات۔	〃
عقیدہ درست کرنیکے بعد شریعت کے اوامر اور نواہی کی تعمیل سے چارہ نہیں ہے۔ اور اسلام	〃

مضمون	صفحہ
کے پنجگانہ ارکان کا بیان	۷۴
اس پر آمادہ کرنا کہ عقیدہ اہل سنت کے مطابق اسلام کا کلمہ بادشاہ کے گوشگذار کریں۔ اور کافروں اور ان کے معبودان باطل کی تردید کا بیان۔	۷۵
بدعتی گروہوں کا بیان۔ اور یہ بقول شیخ عبدالقادر جیلانی نو فرقے ہیں۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فرقہ ناجیہ اہل سنت سے بنایا ہے۔ اور معتزلہ و شیعہ و خوارج و مجسمہ سے نہیں بنایا۔	۷۶
مکتوب نمبر ۶۸:۔ نورانی ستون اور دمدار ستارے کا بیان جو کہ مشرق سے طلوع ہوا تھا۔ اور اس ستارے کا پہلے بھی طلوع ہونا اور قیامت کی نشانیاں اور امام مہدی اور رسول اللہ کے ارہاصات کا بیان۔	۷۷
ستاروں کے متعلق تین اغراض ہیں۔ اور ان کے علاوہ جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ وہ ثابت نہیں ہے۔	۸۰
مکتوب نمبر ۶۹:۔ نماز میں ارکان کا درست کرنا اور طمانیت اور صفوں کا برابر کرنا۔ اور جہاد کفار میں نیت درست کرنا۔ اور نماز تہجد کا حکم دینا اور حلال روزی کھانے کا بیان۔	۸۱
مکتوب نمبر ۷۰:۔ اسرار کعبہ کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے۔ کعبہ کا بھی ہے۔	۸۴
مکتوب نمبر ۷۱:۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اسرار کے بیان میں۔	۸۶
مکتوب نمبر ۷۲:۔ بیت اللہ شریف کا معاملہ تجلیات و ظہورات اور ظہور عرشی سے اوپر ہے اور حقیقت کعبہ کے وصول و الحاق کا بیان اور خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق۔	۸۸
مکتوب نمبر ۷۳:۔ انسان کامل کے ظاہر و باطن کے بیان میں	۸۹
سوال:۔ عارف جتنا بھی کمال پیدا کرلے۔ وہ ممکنات ہی سے ہے۔ وجوب سے متصف نہیں ہوتا۔ پھر وہ اسم جو مرتبہ وجوب سے ہے اسکی حقیقت کیونکر ہوتا ہے۔	۱۰
جواب:۔ یہ حقیقت باعتبار شہود ہے۔ نہ کہ باعتبار وجود الخ	″
آہی یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ تو نے اپنے دوستوں کو ایسا بنایا ہے۔ کہ جس نے ان کو پہچانا تجھ کو پایا۔ اور جب تک تجھ کو نہ پایا۔ ان کو نہ پہچانا	″
مکتوب نمبر ۷۴:۔ اس آیت کریمہ کے بیان میں فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ اور آیت کریمہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ اور انسان کامل کے بیان میں کہ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچتا ہے۔ کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں۔ اور وہ ظالم لنفسہ ہے۔ اور مقتصد کی تعبیر ندیم اور خلیل سے کی ہے۔ اور سابق بالخیرات کی تعبیر محب اور محبوب سے کی ہے۔ جن کے سردار حضرت محمد رسول اللہ	

مضمون	صفحہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس معنی کا بیان کہ اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔	۹۱
مکتوب نمبر ۵۷: اس بیان میں مصیبت اور آزمائش دوستوں کے لئے کفارہ ہے۔ اور تضرع و زاری سے معافی اور عافیت طلب کرنا چاہیئے۔	۹۱
مکتوب نمبر ۵۶: عرش کی حقیقت کے بیان میں جو کہ عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے۔ اور اس میں دونوں کا رنگ ہے۔ اور زمین و آسمان کی جنس سے نہیں ہے۔ اور کرسی اور اس کی وسعت کا بیان۔	۹۵
کرسی آسمانوں سے الگ ہے۔ اور عالم امر سے نہیں ہے کیونکہ عالم امر عرش سے اوپر ہے۔ اور کرسی عرش سے نیچے ہے۔ اور اس کی پیدائش ان چھ روز کے علاوہ ہوئی ہے۔	۹۶
اس تحقیق سے دو قوی اعتراض رفع ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب زمین و آسمان نہ تھے۔ تو چھ روز کی تشخیص کہاں سے ہوئی۔ اور دوسرا اعتراض یہ تھا۔ کہ حدیث قدسی اور آنجناب کے کلام میں تعارض معلوم ہوتا تھا۔	〃
زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ وہ عرش کے مقابل ہیچ اور ناچیز ہے۔ سوائے انسانی قلب کے اور اسی طرح عرش اپنے اوپر کی نسبت سے ناچیز ہو جاتا ہے۔ اور ہر نچلا اپنے اوپر کی نسبت سے یہی حکم رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ عالم امر ختم ہو جائے۔	۹۷

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۵۷: ملا حسن برکی کے اعتراضات کے جواب میں جو کہ انھوں نے صوفیاء کے کلام پر کئے تھے۔ اور لکھا تھا۔ کہ احکام شرعیہ میں سے ہر حکم شہر مقصود تک پہنچنے کا ایک دریچہ ہے۔ اور دوسرے استفسارات کا بیان۔	۹۸
اس طریق کے منتہی و متوسط کے پہچاننے کا بیان۔	۱۰۰
جو لوگ سود کا کھانا اور لباس استعمال کرتے ہیں۔ ان کو طریقہ کہنے کی اجازت دینا۔ اور ان کو حرام سے پرہیز کرنے کی ترغیب دینا	۱۰۱
انھوں نے پوچھا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے کلام کو ختم کرنا اور نفل پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور ان کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو دینا۔ بہتر ہے یا نہ دینا بہتر ہے۔	〃
جاننا چاہیئے۔ کہ ثواب دینا بہتر ہے۔ کہ اس میں غیر کا نفع بھی ہے۔ اور اپنا بھی۔	〃
مکتوب نمبر ۵۸: اس بیان میں کہ اس طائفہ علیہ سے محبت و اخلاص رکھنا فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا زینہ ہے۔	〃
مکتوب نمبر ۵۹: اس بیان میں کہ جس طرح اسلام مجازی کفر مجازی سے بہتر ہے۔ اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔	۱۰۲
مکتوب نمبر ۶۰: عین الفضاۃ کے معنی میں کہ تم جس کو خدا جانتے ہو۔ وہ ہمارے نزدیک محمد	

مضمون	صفحہ
ہے۔ اور جسے تم محمد سمجھتے ہو۔ وہ ہمارے نزدیک خدا ہے۔	
مکتوب نمبر ۸۱: نصیحت اور یقینی دنیا کے مزخرفات سے پرہیز کرنے کے بیان میں	۱۰۳
رسم اور عادت سے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں۔ لیکن پرہیزگار بہت تھوڑے ہیں۔ اور حق اور باطل والے میں فرق کرنے والی چیز یہی پرہیزگاری ہے۔	۱۰۵
مکتوب نمبر ۸۲: یقینی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر ترغیب دینے کے بیان میں۔	″
نفلی عبادتیں فرائض کے مقابلہ میں اعتبار سے ساقط ہیں۔ اور اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرائض کی تخریب میں لگے ہوئے ہیں۔	۱۰۶
مکتوب نمبر ۸۳: اس طائفہ علیہ کی محبت کے بیان میں جو کہ تمام سعادت کا سرمایہ ہے۔	″
مکتوب نمبر ۸۴: بعض مواعظ کے بیان میں	۱۰۷
مکتوب نمبر ۸۵: شیخ عبدالحی کے بعض کمالات کے بیان میں۔	۱۰۸
مکتوب نمبر ۸۶: اس بیان میں کہ ہر چیز کو چھوڑ دینا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا کتنی بڑی دولت ہے۔	″
مکتوب نمبر ۸۷: اتباع سنت اور بدعت سے پرہیز کرنے کی ترغیب اور متروک العمل سنت کو	۱۰۹

مضمون	صفحہ
زندہ کرنے سے سو شہید کا ثواب ملتا ہے۔ پھر جو فرض یا واجب کو زندہ کرے۔ اس کا اجر کتنا ہوگا۔	۱۱۰
تعدیل ارکان اکثر حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور ابو یوسف رح اور امام شافعی رح کے نزدیک فرض ہے اور بعض حنفیہ کے نزدیک سنت موکدہ اور اکثر آدمی اس عمل کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اس ایک ہی عمل کے زندہ کرنے کا اجر سو شہید کا اجر ہے۔ اگر کسی نے نیک عمل پیغمبر جتنے بھی ہوں۔ اور اس کے ذمہ آدمی و مٹی کسی کا حق ہو تو جب تک وہ ادا نہ کرے گا اس کو جنت میں نہ لے جائیں گے۔	″
علماء فتوی دیتے ہیں۔ اور کام اللہ والے کرتے ہیں جو باطن میں مشغول ہو۔ اور ظاہر میں عاجز ہو۔ وہ ملحد ہے۔ اور اس کے باطن کے احوال استدراج ہیں۔	″
مکتوب نمبر ۸۸: رضا بالقضاء اور فعل مولیٰ سے لذت حاصل کرنا اور طاعون کا بیان۔	″
مکتوب نمبر ۸۹: نصیحت کے بیان میں	۱۱۱
مکتوب نمبر ۹۰: سفارش میں۔	۱۱۲
مکتوب نمبر ۹۱: قاب قوسین اور ادنیٰ کے اسرار کے بیان میں	۱۱۲
مکتوب نمبر ۹۲: اس بیان میں کہ ولایت قرب الٰہی کا نام ہے۔ اور خوارق و کرامات اس کی شرط نہیں ہیں۔ اور بادشاہوں کو تعظیمی سجدہ کرنا قرب الٰہی اور غائب چیزوں پر اطلاع کی حیثیت سے آدمیوں	

مضمون	صفحہ
کی تین قسمیں ہیں۔ دو مقبول ہیں۔ اور ایک اہل استدراج سے مردود ہے۔ اور غیب چیزوں کے کشف سے ولایت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور ان کا کشف نہ ہونے سے ولایت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور اس مضمون کو عوارف المعارف کی عبارت سے مؤید کیا ہے۔	۱۱۱۴
فراست دو قسم کی ہے۔ ایک اہل معرفت کی فراست اور دوسری اہل جوع کی فراست اور ان دونوں کی تفصیل۔	۱۱۱۵
چونکہ اکثر لوگ حق سے منقطع اور دنیا میں مشغول ہیں اور ان کے دل صُوَر اور غیبی اخبار کی طرف مائل ہیں خیال کرتے ہیں۔ کہ اہل فراست جوع و ریاضت اللہ والے ہیں۔ اور خدا کے خواص ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ حضرت الخ	″
سوال ۱۔ جب ظہور خوارق ولایت میں شرط نہیں ہے۔ تو ولی غیر ولی سے اور حق والا باطل والے سے کس طرح جدا ہوگا۔	۱۱۱۶
جواب ۱۔ گو متمیز نہ ہو۔ اور محق و مبطل ملے رہیں الخ ولی کی ولایت کا علم ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت سے ولی اللہ ایسے ہیں۔ کہ ان کو اپنی ولایت کا خود علم نہیں ہوتا۔ تو دوسرے کی اطلاع کیسے لازم ہو گی۔	″
نبی میں خوارق سے چارہ نہیں ہے۔ نہ کہ ولی میں علماء ظاہر شریعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اولیاء حقا شریعت کی بھی اور باطن کی بھی۔ پیری مریدی اسی دعوت سے عبارت ہے۔	۱۱۱۶
سوال مذکور کا دوسرا جواب کہ مرید رشید سلوک میں ہر وقت پیر کی کرامات و خوارق کا احساس کرتا ہے یعنی عوام کے نزدیک جسم کا زندہ کرنا عظیم الشان ہے۔ اور خواص کے نزدیک قلبی اور روحی زندگی بڑی بلند دلیل ہے۔ اور دوسری کی نسبت سے پہلی زندگی محض بیکار ہے۔ اور عبث ہے۔ اور فی الحقیقت اہل اللہ کا وجود کرامت ہے۔ اور ان لوگوں کو خدا تعالےٰ کی طرف دعوت دینا رحمت ہے۔ اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا ایک نشان ہے۔ الخ	″
ہندوستان کے کفار کے حال کی شکایت۔ کہ وہ مسجدیں گراتے ہیں۔ اور کفر کی رسوم برملا بجالاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ	۱۱۱۷
امیر تیمور گورگان کا اس طائفہ علیہ سے حسن اعتقاد اور حضرت خواجہ بزرگ کا قول کہ تیمور مر گیا۔ اور ایمان لے گیا۔	″
جمعہ کے روز جو بادشاہوں کا نام خطبے در جہر پڑھا جاتا ہے۔ یہ بادشاہوں کی تواضع ہے۔ جو وہ رسول اللہ اور ان کے خلفائے راشدین کی نسبت کرتے ہیں	″
اے بھائی سجدہ کو جو کہ زمین پر پیشانی رکھنے سے عبارت ہے۔ واجب الوجود کی عبادت سے مخصوص رکھا ہے	۱۱۱۶

مضمون	صفحہ
اور اللہ تعالیٰ کے سوا یہ اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اگرچہ بعض فقہا نے سجدہ تعظیمی بادشاہوں کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن بادشاہوں کے حال کے لائق یہ ہے۔ کہ الخ	۱۱۹
مکتوب نمبر ۹۳:۔ اس بیان میں کہ ہر آدمی جو ظاہر لطائف رکھتا ہے۔ اور باطن اور اس باطن کا لحوق عارف کے اسم قیوم سے ہے۔ اور وہ جو عارف نزول کے وقت پوری طرح دعوت اور بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے	〃
وجہ خاص عارف اور باطن اور اس اسم کی حقیقت اس کی قیوم ہے۔ کہ اس کی نسبت سے عالم خلق و عالم امر عارف ظاہر اور صورت میں داخل ہے۔	۱۲۰
جاننا چاہیئے۔ کہ اس باقی ماندہ ظاہر کی پوری توجہ خلق کی طرف ہے۔ اور طاعات شرعیہ اس سے وابستہ ہیں اور دعوت و تکمیل کا معاملہ اس سے تعلق رکھتا ہے۔	〃
یہ گھر عمل کا مقام ہے۔ اور دعوت کی جگہ مشاہدہ کی حقیقت آخرت میں ہے۔ اور کشف و معائنہ کا معاملہ آگے ہے۔	۱۲۱
مکتوب نمبر ۹۴:۔ فنا و بقا کی حقیقت اور عارف کی صورت اور حقیقت کا عدم سے جدا ہونا اور ہمیشگی کی نسبت کی پہچان	〃
اس فقیر کے نزدیک۔ ممکنات کے حقائق عدمات سے عبارت ہیں۔ جو کہ ہر شر کا منشا ہے۔ اور یہ کہ اسماء و صفات	

مضمون	صفحہ
الٰہی کے صور علمیہ اپنے عکس کے ساتھ ان عدمات میں ظاہر ہوتے ہیں	۱۲۱
صور علمیہ کے عکوس کے غلبہ اور ان عدمات کے مضمحل ہونے اور نظر سالک سے ان کے مختفی ہونے کا بیان۔ اور یہ مقام مقام فنا ہے۔ اور بہت بلند ہے۔	۱۲۲
یہ فقیر کئی سال تک اس مقام میں رہا ہے اور اپنے عدم کو بالوں کے پیراہن کی طرح اپنے سے الگ پاتا۔	〃
اس مقام والا اگرچہ بشریت میں دوسرے لوگوں سے مشارکت رکھتا ہے۔ لیکن اس سے اور اس جیسے لوگوں سے صفات بشریت کا ظہور عارضی ہے اور دوسروں سے ذاتی	۱۲۳
عوام نے مشارکت صوری کو ملحوظ کیا۔ اور خواص اور اخص خواص کو اپنے رنگ میں تصور کیا اور مقام انکار و اعتراض میں آئے۔ اور محروم رہے	〃
مکتوب نمبر ۹۵:۔ اسلام حقیقی اور کفر حقیقی کا بیان۔ اور جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے طریقت میں بھی کفر و اسلام ثابت ہے۔ اور جس طرح شریعت میں کفر و شر نقص ہے۔ اور اسلام کمال ہے۔ طریقت میں بھی کفر طریقت نقص ہے۔ اور اسلام طریقت کمال اگرچہ شریعت کا کافر مردود ہے اور طریقت کا کافر مقبول ہے۔	۱۲۴

مضمون	صفحہ
کفر طریقت کفر شریعت سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ کفر طریقت مقام جمع میں ہے۔ اور اسلام طریقت مقام فرق میں۔	۱۲۵
اسلام طریقت کو اسلام شریعت سے پوری مناسبت ہے۔ بلکہ جب اسلام شریعت اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ تو اس اسلام سے اتحاد کی نسبت پیدا کرتا ہے۔ بلکہ الخ	″
کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بہت بلند ہے۔ اور شریعت کے حقیقی اسلام سے بہت نیچے اور کمتر ہے۔	۱۲۵
اس آدمی کے حکم کا بیان جو شطحیات سے گفتگو کرے اور تمام کے ساتھ مقام صلح میں رہے۔ اور سب کو صراط مستقیم پر سمجھے۔ اور خدا تعالےٰ اور مخلوق میں تمیز نہ کرے۔ اور دوئی کے وجود کا قائل نہ ہو۔	۱۲۶
منصور باوجود انا الحق کہنے کے ہر رات قید خانہ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے بھی پانچ سو رکعت نفل نماز ادا کرتا تھا۔ اور ظالموں کا کھانا نہ کھاتا تھا۔	″
مکتوب نمبر ۹۶: اس بات کے حل میں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا۔ تاکہ کچھ لکھیں۔ اور حضرت فاروق نے کچھ صحابہ کے ساتھ اس سے روک دیا۔	۱۲۷
صحابہ کرام کی مدح قرآن و حدیث سے قسم قسم کے فضائل اور فواضل منقولہ کا بیان	۱۲۸

مضمون	صفحہ
اس اشکال کا پورا حل چند مقدمات پر مبنی ہے۔ اور ہر مقدمہ ایک علیحدہ مستقل جواب جواب ہے۔	۱۲۹
پہلا مقدمہ۔ دوسرا مقدمہ۔ تیسرا مقدمہ۔	″
نبی کا غلطی پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔ کہ وہ اس کی شریعت کے احکام سے رفع اعتماد کو مستلزم ہے۔	۱۳۰
چوتھا مقدمہ کہ حضرت فاروق بلکہ خلفائے ثلاثہ کو از روئے قرآن و حدیث جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور اس باب میں آیات و احادیث کا بیان	″
پانچواں مقدمہ حضرت فاروق کا کاغذ لانے میں توقف کرنا۔ رد اور انکار کے طور پر نہ تھا	۱۳۱
وہ توقف جو صرف استفسار کے طور پر ہو۔ وہ برا نہیں ہے۔	۱۳۲
چنانچہ قرآن مجید میں حضرت مریم۔ حضرت زکریا اور ملائکہ کا استعلام و استفسار بیان کیا گیا ہے۔	″
چھٹا مقدمہ رسول اللہ کی صحبت اور آں حضرت کے صحابہ کرام سے حسن ظن کی ضرورت ہے اور اس چیز کو جاننا کہ بہترین زمانہ رسول اللہ کا زمانہ تھا۔	۱۳۳
اس وجہ کا بیان کہ صحابہ کرام بہترین بنی آدم کیوں ہیں۔ جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے۔ تو اس شبہ اور اس جیسے اور شبہات کا جواب بے تکلف معلوم	

مضمون	صفحہ
ہوگیا۔ بلکہ بہت سے جواب حاصل ہوگئے۔	۱۱۲
بلکہ اس قسم کے شبہات اس فقیر کے نزدیک اسیر ہی کے ہیں۔ کہ کوئی صاحب فن بیوقوفوں کی جماعت کے پاس آئے۔ اور دلائل سے اس پر ثابت کردے کہ یہ پتھر سونا ہے۔ الخ	۱۱۳
صحابہ کرام کے حق میں ایک دوسرے سے عداوت رکھنے کا گمان قرآن مجید کی نص کے خلاف ہے۔ اور اس میں دونوں فریق کی توہین ہوتی ہے۔ اور دونوں جماعتوں سے امان اٹھ جاتا ہے۔ الخ	۱۱۴
ان بزرگواروں کے نزدیک خلافت کا معاملہ مرغوب اور پسندیدہ نہ تھا۔ اور حضرت علی کے امیر معاویہ سے جنگ کرنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ باغیوں سے جنگ کرنا فرض ہوچکا تھا۔	۱۱۵
مکتوب نمبر ۹۷۔ جلد ثانی کے مکتوب ششم کی اس عبارت کے حل میں کہ میں سمجھتا ہوں۔ کہ میرے پیدا ہونے کا مقصد یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی کو ولایت ابراہیمی سے رنگ دوں۔ اور حسن ملاحت صباحت کے جمال کے ساتھ مل جائے	۱۱۶
وہ انتفاع و استفادہ جو امراء کو غلاموں اور خادموں کی راہ سے میسر ہو۔ وہ منع نہیں ہے۔ اور نہ وہ امراء کے نقصان اور قصور کو مستلزم ہے۔	۱۱۷
مکتوب نمبر ۹۸:۔ اللہ تعالیٰ سے عالم کی معیت و قرب کا بیان اور عدم اور ابلیس کی شرارت کے	۱۱۸

مضمون	صفحہ
فرق کے بیان میں	۱۱۷
سوال:۔ علماء نے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نہ عالم میں داخل ہے۔ نہ خارج اور نہ متصل ہے۔ اور نہ عالم سے منفصل اس مبحث کی تحقیق کیا ہے۔ جواب اس نسبت کا حصول الخ	۱۱۸
اس بحث کو میں ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ نقطہ جو آلہ اپنی سیر کی سرعت سے دائرہ کی صورت میں معلوم ہوتا ہے۔ اور اس جگہ موجود صرف وہی ایک نقطہ ہے۔	۱۱۸
سوال:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب و احاطہ کی عالم سے نسبت ثابت فرمائی ہے۔ حالانکہ موجود کو موجود سے کیا نسبت۔ کون سا قرب اور کون سا احاطہ؟	۱۱۹
جواب:۔ یہ قرب و احاطہ وہ نہیں۔ جو جسم کو جسم سے ہوتا ہے۔ بلکہ یہ قرب و احاطہ اس نسبت سے ہے۔ جو مجہول الکیفیت اور معلوم التحقق ہے۔	۱۱۹
عالم کو جو موہوم اور متخیل کہا ہے۔ وہ اس معنی سے ہے۔ کہ خلق عالم مرتبہ خیال و وہم میں واقع ہوئی ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی صنعت درجہ حس میں حاصل ہوئی ہے۔ اس طرح کہ کوئی کمال پر قادر واہب موہوم کو الخ	۱۱۹
بیوقوف فلسفی کے مذہب کا بیان وہ بھی موجودات عالم کا قائل ہے۔	۱۱۲۰

مضمون	صفحہ
سوال :- عالم کے لئے جب ثبوت و استقرار کی نسبت ثابت ہوگئی۔ اگرچہ وہ مرتبہ وہم و خیال ہی میں ہو تو کیوں اس پر وجود کا اطلاق نہیں کرتے۔ کیونکہ ثبوت و وجود متراف ہیں جیسا کہ متکلمین کا مذہب ہے۔	۱۱۴۰
جواب :- اس طائفہ کے نزدیک وجود سب اشیاء سے اشرف ہے۔ خدا تعالےٰ کے سوا اور کسی چیز پر جو کہ سراسر نقص ہے۔ اس کا اطلاق نہیں کرتے۔	″
مختصر یہ کہ ممکن جو کچھ رکھتا ہے۔ وہ مرتبۂ وجود سے مستفاد ہے۔ وہ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے اسکو خلعت کے ملاحظہ کے بغیر موجود خارجی کہنا شنیع امر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں اسے شریک بنایا ہے۔ اور اس فقیر نے جو اپنے بعض مکاتیب و رسائل میں عالم کو موجود خارجی کہا ہے۔ اس کو بھی اسی معنی پر محمول کرنا چاہیئے۔	۱۱۴۱
ارباب کشف و شہود کی ایک جماعت نے وجود کو واجب الوجود کی عین حقیقت کہا ہے۔	″
جس طرح وجود ہر خیر و کمال کا مبدا ہے۔ اسی طرح جو عدم اس کے مقابل ہے۔ ہر شر اور نقص کا مبدا اور ہر قباحت و فساد کا منشا ہے۔ اور عدم کے شر اور اس کی خوبیاں۔	″
ابلیس اور عدم کی شرارت کے فرق کا بیان۔	۱۱۴۲
سوال :- ابلیس میں کثرت شرارت کہاں سے پیدا ہوگئی۔ کہ عدم کے سوا تو وجود ہے۔ جس میں شرارت	″

مضمون	صفحہ
نہیں ہے۔	۱۱۴۲
جواب :- جس طرح عدم وجود کا آئینہ ہے اسی طرح وجود بھی عدم کا آئینہ ہے۔ الخ	″
مکتوب نمبر ۱۹۹ :- ان سوالوں کے جواب میں جو میر محمد نعمان نے لکھے تھے۔	۱۱۴۳
انھوں نے پوچھا تھا۔ کہ سالک کبھی اپنے آپ کو اوج کے وقت انبیاء کے صحابہ کے مقامات میں۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کے مقامات میں بھی پاتا ہے۔ بعض آدمیوں نے اس جگہ سے اس سالک کی ان مقامات والوں سے مساوات کا وہم کیا ہے۔ اور اس وہم کی بنا پر ان کا رد اور ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اس مقام کو حل کرنا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ نچلے درجہ والوں کا بلند درجہ والوں کے مقامات میں پہنچنا کبھی تو ایسا ہوتا ہے۔ جیسے کہ فقیر امراء کے دروازہ پر جائیں۔	۱۱۴۴
طعنہ کرنے والے دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ اگر وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ اس حال والا ان بلند مقامات والوں کے ساتھ شرکت و مساوات کا معتقد ہے۔ پس اس لوگ کافر اور زندیق خیال کرتے ہیں اور اسے مسلمانوں کی جماعت سے باہر سمجھتے ہیں۔	″
صحابہ کرام کے فضائل خصوصاً حضرات شیخین کے۔	″
ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور شق ثانی کو بیان کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ اس صاحب حال والے کے متعلق یہ عقیدہ	″

مضمون	صفحہ
نہ بھی رکھیں۔ تو بھی دو حال سے خالی نہیں ہیں۔	۱۴۶
اگر پوچھیں کہ اس شور انگیز احوال کا اظہار کرنے کی وجہ کیا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ اس قسم کے احوال کا ظہور مشائخ طریقت سے بہت آیا ہے۔	〃
اس قسم کے احوال شور انگیز کے اظہار کے وجوہ کا بیان آپ نے پوچھا ہے۔ کہ کیا سبب ہے۔ کہ انبیاء و اولیاء دنیا میں بلاء اور مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اکثر مصیبتوں اور امتحانوں میں مبتلا رہتے ہیں۔	۱۴۷
اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی کرے۔ جاننا چاہیئے کہ دنیا تلذذ و تنعم کے لئے نہیں ہے اور آخرت ہے جو کہ نعمتوں اور لذتوں کے لئے تیار ہوئی ہے۔	〃
سوال :۔ کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم ہے اس کا دنیا میں درد پانا اس کی آخرت میں لذت کو مستلزم نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔	۱۴۸
ہم کہتے ہیں۔ کہ کافر خدا کا دشمن ہے۔ اور دائمی عذاب کا مستحق ہے۔ دنیا میں اس سے عذاب اٹھا لینا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا عین تنعم و تلذذ ہے۔	〃
سوال :۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے طاقت ہے۔ کہ دوستوں کو دنیا میں بھی تلذذات بخشے۔ اور آخرت میں بھی نعمتیں کرامت فرمائے۔ اور ایک جہان میں لذت ان کے حق میں دوسرے جہان کے عذاب کو مستلزم نہ ہو۔	۱۵۰
اس کا جواب کئی طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ اگر دنیا میں	〃

مضمون	صفحہ
دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصائب و شدائد اگرچہ عوام کے نزدیک اسباب تالم سے ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ بھی جمیل مطلق سے آئے۔ وہ انکے لذت حاصل کرنے کا سبب ہے۔	〃
الٰہی یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ تو نے اپنے دوستوں کو ایسا بنایا ہے۔ کہ جو چیز دوسروں کی تکلیف کا باعث ہے۔ وہ ان کے لذت حاصل کرنے کا سبب ہے اور جو کچھ دوسروں کے لئے زحمت ہے وہ انکے لئے رحمت ہے۔	۱۴۸
تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ یہ جہان امتحان کا گھر ہے۔ اور یہاں حق کے ساتھ باطل ملا ہوا ہے۔ اگرچہ دوستوں کو محنت اور بلا نہ دیں۔ تو امتحان کی حکمت باطل ہو جاتی ہے۔ الخ	۱۴۹
چوتھا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اسے طاقت ہے۔ کہ دوستوں کو اس جگہ بھی ناز و نعمت میں رکھے۔ اور اس جگہ بھی لیکن یہ صورت حکمت و عادت کے برخلاف ہے۔	〃
ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور اصل سوال کے جواب کا تتمہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ درد و بلا کا سبب اگرچہ گناہ ہیں۔ لیکن وہ مصیبت اصل میں ان گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور ان گناہوں کو زائل کرنے والی ہے۔ پس مہربانی یہی ہے۔ کہ دوستوں	〃

مضمون	صفحہ
کو زیادہ مصیبت میں مبتلا کرے۔	۱۵۱
دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کی طرح خیال نہ کریں۔	〃
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کے وقت بے آرامی و بیقراری کا بیان۔	〃
لکھا تھا کہ آدمی مٹتا اور ملاقی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دوستوں کو کیوں محنت اور مصیبت دیتے ہیں۔ اور کیوں ہمیشہ ناز و نعمت میں نہیں رکھتے اور اس گفتگو سے اس جماعت کی نفی کرتے ہیں۔	۱۵۲
کافر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور ان جیسی قول کا دار و مدار آخرت کے انکار پر ہے۔ اور آخرت کے ثواب و عذاب کے انکار پر مبنی ہے۔	〃
اور اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصیبت محبوب کا تازیانہ ہے۔ جو محب کو ماسوائے محبوب کے اور طرف توجہ کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور پوری طرح اس کو جناب قدس کی طرف متوجہ کرتا ہے پس بلا کے لائق دوست ہیں، نہ کہ دشمن الخ	〃
بعض دفعہ بلا اور مصیبت کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔؟	۱۵۳
جواب:۔ وہ اضطراب ظاہری ہے۔ اور بشریت کا تقاضا ہے۔ کہ اس کے باقی رکھنے میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔	〃

مضمون	صفحہ
درد و بلا کے لئے دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ سچے دوست اور جھوٹے مدعی میں تمیز پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے۔ تو وہ مصیبت آنے سے لذت پائے گا اور اگر جھوٹا ہے۔ تو اس کا حصہ مصائب سے درد و الم ہے۔	۱۵۳
اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ عدم کو خالص لاشے کہا ہے۔ پس اس کا وجود نہ ہوگا۔ اور جب وجود نہیں رکھتا ہے۔ اگرچہ اس نے ذہن میں وجود پیدا کیا ہو تو اس کے لئے آثار اور ترقیات کس طرح متحقق ہوں گے۔؟	〃
جواب:۔ جان لیں کہ عدم الخ	۱۵۴
عدم کی ترقیات سے کیا تعجب کرتے ہو۔ اس کائنات کا تمام کرو فر عدم پر مبنی ہے۔	〃
اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا مشاہدہ کریں۔ کہ عدم سے یہ تمام وسیع کارخانہ بنایا ہے	〃
فرق درمیان خلق مرتبہ خیال اور درمیان اختراع وہم و خیال ہیں۔	〃
اور آپ نے فنا و بقا کے متعلق بھی پوچھا تھا۔ اس فقیر نے اس بات کے متعلق اپنی کتابوں اور رسالوں میں بہت جگہ لکھا ہے۔ اس کے بعد اگر کچھ پوشیدگی ہو تو الخ	〃
فنا و بقا شہودی ہے۔ وجودی نہیں ہے۔ کہ بندہ لاشے نہیں ہوتا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ سے متحد ہوتا ہے	۱۵۵

مضمون	صفحہ
وہ بے دین لوگ ہیں۔ جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ بندہ تعینات وجودی کو اٹھا کر اپنے اصل کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے	۱۵۵
فنا کی حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سوا ہر چیز کو بھول جائے۔ اور سینہ کے میدان کو اپنی تمام مرادوں سے پاک و صاف کر دے۔ اور مقام بقا کے مناسب یہ ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالےٰ کی مرادات پر قائم ہو جائے۔	″
اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ وہ سیر جو انفس سے باہر ہے۔ وہ کونسی سیر ہے؟	″
جاننا چاہیئے۔ کہ انفس بھی آفاق کی طرح اسماء الٰہی کے	

مضمون	صفحہ
ظلال ہیں۔ اور چونکہ ظل الخ	۱۵۵
اور آپ نے اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اور افعال کے متعلق پوچھا تھا۔ ان کا بیان حاضری سے تعلق رکھتا ہے۔	۱۵۶
اور آپ نے مرتبہ نبوت کے کمالات کے متعلق بھی پوچھا تھا۔ کہ فنا و بقا و تجلی اور مبدائیت تعین یہ سب نبوت کے کمالات کے مراتب میں کس طرح پر ہیں؟	″
اس کے جواب کو دوسرے وقت پر ڈال دیا ہے زمانہ اور زمانہ والوں سے کچھ وقت چرا کر کچھ لکھا گیا ہے فقیر پر رحم کرو۔	″

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اردو ترجمہ مکتوبات شریف

دفتر دوم حصہ دوم

مکتوب نمبر ۵۱

خواجہ محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بعض کاملین کے ساتھ بالمشافہہ کلام فرماتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

میرے پیارے دوست! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا انسان کے ساتھ کلام کبھی بالمشافہہ بھی ہوتا ہے۔ کلام کی یہ قسم بعض انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو حاصل ہے۔ اور کبھی یہ نعمت عظمیٰ ان کے بعض کامل ترین متبعین کیساتھ وراثت اور وراثت کے طور پر بالمشافہہ گفتگو ہوتی ہے۔ اور اگر کسی متبع کے ساتھ گفتگو نہ ہوتی ہو تو اس کو محدث کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔

اور یہ گفتگو الہام اور دل میں القاء کرنے کے علاوہ ہوتی ہے۔ اور یہ گفتگو وہ بھی نہیں ہے۔ جو فرشتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ بلکہ اس کلام کا مخاطب وہ انسان ہوتا ہے۔ جو عالم امر و خلق اور روح اور نفس اور عقل و خیال کا جامع ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

اور روبرو گفتگو کرنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ مخاطب کو متکلم نظر بھی آئے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے۔ کہ سننے والے کی نظر کمزور ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نور کی چمک دمک برداشت کرنے سے قاصر ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ وہ تو نور ہے۔ میں اسے کیسے دیکھ

لہ مسلم شریف بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ

سکتا ہوں۔

اور اس لئے بھی دیکھنا سننے کو لازم نہیں آتا۔ کہ بالمشافہہ گفتگو کرنے میں شہودی حجابات دور ہوتے ہیں۔ نہ کہ وجودی۔ اس فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔ کہ یہ ایک عمدہ معرفت کی بات ہے۔ اس کے متعلق بہت ہی کم کسی نے گفتگو کی ہوگی۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۵۲

خواجہ مہدی علی کشمیری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اس بلند مرتبہ جماعت کے ساتھ محبت رکھنا چاہیئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ کا گرامی نامہ جو کہ کمال محبت و اخلاص سے لکھا گیا تھا۔ بمع تحفہ تحائف پہنچا۔

حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ اس جماعت کی محبت پر استقامت نصیب فرمائے۔ اور انہی کے ساتھ قیامت کو اٹھائے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے ساتھ بیٹھنے والا بدقسمت نہیں رہتا۔ ان سے محبت رکھنے والا محروم نہیں رہتا ان سے میل جول رکھنے والا بے مراد نہیں رہتا۔ یہی لوگ اللہ تعالےٰ کے جلیس ہیں۔ جب ان پر نگاہ پڑتی ہے۔ تو خدا یاد آجاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جو ان کو پہچان لے۔ وہ اللہ تعالےٰ کو پالیتا ہے۔ ان کی نگاہ دوا ہے۔ انکی گفتگو شفا اور ان کی صحبت نور اور رونق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جس نے صرف ان کے ظاہر کو دیکھا۔ وہ نامراد رہا۔ اور گھاٹے میں پڑا۔ اور جس نے ان کے باطن پر نگاہ رکھی۔ وہ نجات پاگیا۔ اور کامیاب ہوا۔

جس نے کہا ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔ کہ اے خداوندا تو نے اپنے دوستوں کو کیسے بنا دیا ہے۔ کہ جس نے ان کو پہچان لیا۔ اسنے تجھے پالیا۔ اور جب تجھے نہ پایا۔ ان کو نہ پہچانا۔

یعنی ان کا پہچان لینا اور تجھے پالینا ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ تقدم ذاتی کس طرف سے ہے ایک لحاظ سے تو شناخت کو ہے۔ اور ایک لحاظ سے پالینے کو۔ اور ترجیح اسی قول کو ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی شناخت پہلے ہے۔ کیونکہ وہی پہلے ہے۔ اور ابتدا اسی سے زیادہ اچھی اور بہتر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدَیْکُمْ۔

مکتوب نمبر ۵۳

قرب وجوار کے ایک شیخ کی طرف صادر فرمایا۔

(اس سوال کے جواب میں کہ انہوں نے دریافت کیا۔ کہ اگر میں نیکی کرتا ہوں۔ تو نفس میں غرور وتکبر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر مجھ سے کوئی کام خلاف شریعت ہو جائے۔ یا لغزش واقع ہو جائے۔ تو ندامت اور شکستگی پیدا ہوتی ہے۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

آپ نے دریافت فرمایا ہے۔ کہ اگر میں ریاضت کروں۔ تو نفس میں غرور پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرے جیسا کوئی آدمی نیک نہیں ہے۔ اور اگر خلاف شرع کروں۔ تو اپنے آپ کو محتاج اور ذلیل ترین خیال کرتا ہوں۔ اس کا کیا علاج ہے۔"

خدا تجھے توفیق بخشے احتیاجی اور عاجزی جو دوسری شق (گناہ کرنے) میں ندامت اور افسوس سے خبر دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور پناہ بخدا کہ شریعت کے حرام کاموں سے کسی کا ارتکاب کر لینے کے بعد بھی ندامت پیدا نہ ہو۔ جو کہ توبہ کا ایک حصہ ہے کہ گناہ پر مصلحت گیر ہونا گناہ پر اصرار کے مترادف ہے۔ اور اگر چھوٹے صغیرہ گناہ پر اصرار ہو تو وہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اور کبیرہ پر اصرار کفر کی دہلیز ہے۔

آپ اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کریں۔ تاکہ ندامت میں اضافہ ہو۔ اور شریعت کی خلاف ورزی سے باز رکھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر تم شکر کرو گے۔ تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

سوال کے پہلے حصے کا ماحصل یہ ہے۔ کہ نیک اعمال کی بجاآوری کے بعد غرور پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ غرور زہر قاتل ہے۔ اور لاعلاج اور ہلاک کرنے والا مرض ہے۔ جو نیک اعمال کو اسی طرح نیست ونابود کر دیتا ہے جس طرح خشک لکڑیوں کو آگ جلا کر تباہ کر دیتی ہے۔ اور غرور اس لئے پیدا ہوتا ہے۔ کہ عمل کرنے والے کی نگاہ میں اپنے اعمال نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کو اچھا سمجھتا ہے۔ تو اس کا علاج اسکی ضد سے کرنا چاہیئے۔

چاہیئے کہ اپنی نیکیوں کو ناخالص سمجھے۔ اور نیکیوں کے پوشیدہ قبائح کو اپنی نگاہ میں رکھے۔ تاکہ اپنے آپ کو قاصر سمجھے۔ بلکہ لعنت ملامت کے قابل جانے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ بہت سے قرآن پڑھنے

والے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ خود قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ اور کتنے ہی ایسے روزہ دار ہیں۔ جن کو روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہیئے۔ کہ اس کی اپنی نیکیوں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور اگر تھوڑی بہت بھی توجہ کرے گا۔ تو خدا تعالےٰ کی توفیق سے ان میں از سرتاپا قباحتیں دیکھے گا۔ اور حسن کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوگا۔ عذر کیسا اور نخوت کیسی۔ بلکہ اپنے اعمال میں قصور اور نقصان دیکھنے میں اتنا غلبہ ہو۔ کہ نیکی کرنے سے نادم اور شرمندہ ہو۔ نہ کہ مغرور اور بے پروا۔ اور جب اعمال میں قصور دیکھنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اعمال کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اور قبولیت کے قابل ہو جاتے ہیں۔ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ایسی نگاہ پیدا ہو۔ اور مغرور نہ ہو۔ اس کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا الا ماشاء اللہ۔

وہ لوگ جن کو پورے طور پر اپنے اعمال میں قصور دیکھنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ وہ ایسا تصور کرتے ہیں۔ کہ دائیں جانب کا (نیکیاں) لکھنے والا فرشتہ تو بے کار اور معطل ہے۔ اور ان کی نیکیوں میں کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جو لکھنے کے قابل ہو۔ اور بائیں جانب والا (برائیاں) لکھنے والا فرشتہ ہمیشہ کام میں لگا رہتا ہے۔ کہ تمام برائیاں ہی برائیاں ہیں۔ اور جب عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے۔ وہ حد بیان و تحریر سے باہر ہے۔ ع

قلم اینجا رسید سر بشکست

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

مکتوب نمبر ۵۴

سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے درجات اور مراتب مختلف ہیں۔ اور اس کے سات درجے ہیں۔ اور ہر ایک درجے کی دوسرے پر فضیلت کا بیان۔ اور ان سے متعلقہ مسائل۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت جو کہ دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے۔ کئی ایک مراتب اور درجات رکھتی ہے۔

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کا ہے۔ جو کہ شریعت کے احکام اور سنت سنیہ کی متابعت سے وابستہ ہے جب کہ اس کے ساتھ دل کی تصدیق تو ہو۔ لیکن اطمینان نفس ابھی حاصل نہ ہوا ہو کیونکہ وہ درجہ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور علماء ظاہر اور وہ عابد اور زاہد لوگ جن کا معاملہ ابھی اطمینان نفس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا۔ سب اسی درجہ متابعت میں شریک ہیں۔ اور اتباع کی ظاہری صورت کے حصول میں سب برابر ہیں۔ اور چونکہ نفس اس مقام میں کفر اور انکار سے آزاد نہیں ہوتا۔ تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے۔ اور متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی طرح آخرت کی کامیابی اور سلامتی کا ذریعہ ہے۔ اور جہنم کے عذاب سے نجات اور جنت کے داخلہ کی بشارت دینے والی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال بخشش سے نفس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ اور صرف دل کی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے۔ اور نجات کا دارومدار اسی تصدیق پر رکھا ہے۔ ؎

لے بیتوانی کہ ز بہر شبک مراحسن قبول اے کہ ز دُر ساختہ قطرۂ باراں را

متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی اتباع ہے۔ جو کہ باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اخلاق کی تہذیب اور رذیل صفات کی مدافعت اور امراض باطنی اور معنوی بیماریوں کا ازالہ ہے۔ جو کہ طریقت کے مقام سے متعلق ہیں۔ اور اتباع کا یہ درجہ ان ارباب سلوک کے ساتھ خاص ہے۔ جنہوں نے صوفیاء کے طریقہ کو اپنے مقتدا شیخ سے اخذ کیا ہو۔ اور سیر الی اللہ کے صحراؤں اور بیابانوں کو قطع کر رہے ہوں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال اور اذواق اور مواجید کی متابعت ہے۔ یہ درجہ ولایت خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ ان ارباب ولایت کے ساتھ خاص ہے۔ جو کہ مجذوب سالک ہوں۔ یا سالک مجذوب۔

جب کہ ولایت کا مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ تو نفس مطمئنہ ہو گیا۔ اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آگیا۔ اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آجاتا ہے۔ اس کے بعد اب متابعت کی جو بھی کوشش کرے گا۔ وہ حقیقی متابعت ہو گی۔ اگر نماز ادا کرے گا۔ تو متابعت کی حقیقت بجالائے گا۔ اور اگر روزہ ہے۔ تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔ اور اگر زکوٰۃ ہو گی۔ تو وہ بھی اسی طریقہ پر ہو گی۔ وعلی ہذا القیاس۔ شریعت کے تمام احکام کی بجاآوری میں اتباع کی حقیقت موجود ہو گی۔

سوال :۔ نماز روزہ کی حقیقت کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ نماز روزہ مخصوص افعال ہیں۔ اگر وہ افعال ارشاد شارع

لے اے وہ ذات کہ جس نے بارش کے ایک قطرے کو موتی بنا دیا۔ تو بھی کر سکتا ہے۔ کہ میرے آنسو کے قطرے کو حسن قبول عطا فرمائے۔

کے مطابق ادا ہو جائیں گے۔ تو ان کی حقیقت ادا ہو جائے گی۔ ان کی ظاہری صورت کیا ہے۔ اور اس سے حاصل حقیقت کیا ہے۔؟

جواب :۔ مبتدی کا نفس جب تک امارہ ہے۔ جو اصل میں آسمانی احکام کا منکر ہے۔ اس سے احکام شرعیہ کی ادائیگی صورت کے اعتبار سے ہوگی۔ اور منتہی کا نفس جب مطمئنہ ہو جاتا ہے اور شریعت کے احکام کو برضا و رغبت قبول کر لیتا ہے۔ تو اس سے ان احکام کی ادائیگی حقیقت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس کی مثال منافق اور مسلمان کی سی ہے۔ کہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں۔ منافق چونکہ باطن میں انکار رکھتا ہے۔ اس لیئے صرف نماز کی صورت ادا کرتا ہے۔ اور مسلمان باطنی فرمانبرداری کے ذریعہ سے نماز کی حقیقت سے مزین ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ صورت اور حقیقت کا اعتبار باطنی انکار و اقرار کے اعتبار سے ہے یہ درجہ یعنی اطمینان نفس اور اعمال صالحہ کی حقیقت کا درجہ ولایت خاصہ کے کمالات جو درجہ سوم سے متعلق ہیں۔ کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

متابعت کا چوتھا درجہ وہ ہے۔ جو پہلے درجہ میں تھا۔ پہلے درجے میں اس کی صورت تھی۔ اور اس درجہ میں اتباع کی حقیقت ہے۔ اور یہ چوتھا درجہ اتباع علماء راسخین شکر اللہ تعالےٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو نفس کے اطمینان کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم کو ہر چند تمکین تقلب کے بعد ایک طرح کا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نفس کو کمال درجہ کا اطمینان کمالات نبوت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے۔ جو کہ بطریق وراثت علمائے راسخین کو کمالات حاصل ہوتے ہیں۔

پس علمائے راسخین بواسطہ کمال اطمینان نفس شریعت کی حقیقت سے جو حقیقی اتباع ہے موصوف ہیں۔ اور دوسروں کو چونکہ کمالات حاصل نہیں ہوتے۔ لہذا کبھی تو وہ شریعت کی صورت سے موصوف ہوتے ہیں اور کبھی شریعت کی حقیقت سے متصف۔

علماء راسخین کی علامت بیان کر دیتا ہوں۔ تاکہ ہر ظاہر دان عالم راسخ ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے۔ اور اپنے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ نہ سمجھنے لگے۔ عالم راسخ وہ ہے۔ جس کو کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ حاصل ہو۔ اور قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہیں۔ ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو۔ اور متشابہات کی تاویل بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ تاویل ید (ہاتھ) کی تاویل قدرت کی طرح ہے۔ اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات کی طرح کیونکہ یہ تاویلیں تو ظاہری علوم سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان اسرار کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ اور یہ رموز انہی کے معاملہ کی طرف اشارہ ہیں۔ اور یہ اس برگزیدہ لوگ ہیں۔ جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت عظمیٰ سے سرفراز کیا جائے۔

اور اس درجہ متابعت کا حصول جو کہ اطمینان نفس اور صاحب شریعت علیہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی حقیقت کو پالینے سے تعلق رکھتی ہے۔ کبھی تو بغیر وسیلہ فنا و بقا اور بغیر سلوک و جذبہ کے ہو جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات قسم کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی درمیان میں نہ آئے۔ اور یہ دولت حاصل ہو جائے۔ لیکن اس دولت تک ولایت کی راہ سے پہنچنا بہت زیادہ قریب ہے۔ بہ نسبت اس کے جو دوسری راہ سے پہنچے۔ اور وہ دوسری راہ اس فقیر کے خیال میں سنت سنیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی اتباع کا التزام اور بدعت کے نام و نشان سے بھی پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور بدعت حسنہ[1] سے بھی جب تک بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کرے گا۔ اس دولت کی خوشبو بھی اس کی جان کے دل و دماغ میں نہ پہنچے گی۔

---

[1] مکتوبات شریف کے بہت سے مقامات میں حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی نے بدعت کی بڑی شدت سے مذمت کی ہے۔ یہاں تک کہ بعض مقامات میں آپ نے فرمایا ہے۔ کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں۔ اور ہر بدعت سے بچنا ضروری ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرح کے الفاظ کو وہ لوگ دلیل بناتے ہیں۔ جنہیں بدعت کا ہیضہ ہو چکا ہے۔ اور ہر چیز انہیں بدعت نظر آتی ہے۔ لیکن دراصل یہ لوگ آپ کی عبارت سے لوگوں کو دھوکے اور مغالطے میں ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ نظر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو بات صرف اس قدر ہے۔ کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک بدعت حسنہ سرے سے بدعت میں داخل ہی نہیں۔ بلکہ وہ سنت میں داخل ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے۔ بدعت نہیں۔ بلکہ ملحق بالسنۃ ہے۔ جیسا کہ استحسان اور قیاس فقہی کو آپ نے اسی مکتوب میں ملحق بالسنۃ قرار دیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف و مسلک کی یہ توجیہ توجیہ بالارضی بالقاہ کے قبیل سے نہیں ہے۔ بلکہ مکتوبات کے متعین کی تصریحات کے علاوہ خود مکتوبات میں اس توجیہ کے زبردست اور واضح شواہد موجود ہیں۔ یہ شواہد اور بدعت سے متعلق حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ کے حاشیے میں ہم نے قدرے تفصیل سے تحریر کر دیا ہے۔ قارئین حضرات اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ نیز مسئلہ بدعت میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کا مسلک و موقف میں نے اپنی تالیف "مسلک امام ربانی" میں "مسئلہ بدعت" کے عنوان سے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور مخالفین کے مغالطوں کی حقیقت طشت از بام کی ہے۔ اس کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے۔ تاکہ غلط فہمی نہ ہو۔

خاکسار محمد سعید احمد غفرلہٗ

اور یہ بدعت سے اجتناب آج کل تو بہت مشکل ہو گیا ہے۔ کہ ساری دنیا بدعت کے دریا میں غرق ہو چکی ہے۔ اور بدعت کے اندھیروں میں آرام حاصل کر رہی ہے۔ کس کی مجال ہے۔ کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے۔ اور سنت کو زندہ کرنے کے لئے لب کشائی کرے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ عالمگیر بدعات کو خلق کا تعامل قرار دیتے ہوئے اس کے جواز بلکہ اس کے استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اچھا یہ تو بتائیں۔ کہ کیا فتویٰ دیتے ہو۔ اس صورت میں کہ گمراہی عام پھیل جائے۔ اور باطل متعارف ہو جائے۔ اور لوگ اس پر عمل کرنے لگیں؟ ان علماء کو شاید یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ مطلقاً تعامل استحسان کی دلیل نہیں ہے۔ اور وہ تعامل جو معتبر ہے۔ وہ ہے۔ جو کہ ابتدائی دور سے آرہا ہو۔ اور یا پھر تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے اقوال کو قبول کرینگے کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ جواز پر وہ تعامل دلالت کرے گا۔ جو کہ اسلام کے ابتدائی دور سے مسلسل آرہا ہو۔ تاکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر پر دلیل ہو۔ کہ آنحضرت نے لوگوں کو اس پر چھوڑا۔ تو یہ حقیقت میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا۔ ماسوائے اس صورت کے کہ تمام شہروں کے تمام آدمی اس پر عمل کریں۔ تاکہ یہ اجماع ہو جائے۔ اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے۔ کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج کو تعامل بنالیں۔ تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔"

اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ تمام لوگوں کے تعامل اور تمام شہروں اور بستیوں کے عمل کا علم حاصل کرنا بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ باقی رہا ابتدائی دور کا تعامل جو کہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا ہے۔ اور حقیقت میں وہ آپ ہی کی سنت ہے۔ وہ تعامل بدعت کیسے ہو سکتا ہے۔ اور بدعت حسنہ وہ کب ہے۔؟

صحابہ کرام کو تمام کمالات کے حصول میں صرف خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت ہی کافی تھی۔ اور علماء سلف میں سے جو بھی رسوخ کی دولت سے مشرف ہوا ہے۔ اور صوفیاء کے طریق کے اختیار کرنے اور سلوک اور جذبہ سے قطع مسافت کرنے کے بغیر اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ کی دوامی متابعت اور ناپسندیدہ بدعات سے پرہیز کرنے کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچا ہے۔ اے اللہ ہمیں ہمیشہ صاحب سنت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سنت کی متابعت پر ثابت قدم رکھ۔ اور بدعات کے ارتکاب سے بچا آمین

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کی اتباع کا ہے۔ کہ ان کمالات کے حصول میں علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے وابستہ ہے۔ اور یہ نہایت ہی بلند مقام ہے۔ پہلے ذکر شدہ مراتب کو اس مرتبہ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

اصل میں یہ کمالات اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور تبعیت وراثت کے طور پر جس کو بھی اس دولت سے مشرف فرمادیں

اور متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کی اتباع ہے۔ جو آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل اور احسان سے تھا۔ اسی طرح اس چھٹے درجہ میں آنحضرت کے کمالات کا فیضان صرف محبت سے ہے۔ جو کہ پہلے فضل اور احسان سے بلند ہے۔ اور متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

پہلے درجہ کو چھوڑ کر متابعت کے باقی پانچ درجے سب کے سب عروج کے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کا حصول عروج سے وابستہ ہے

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے۔ جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے۔ اس لئے کہ اس مقام میں نزول بھی تصدیق قلب اور اطمینان نفس ہے۔ اور جسم کے عناصر اربعہ کا اعتدال بھی اس میں ہے۔ کہ وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز آجاتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ پہلے درجات اس متابعت کے اجزاء تھے۔ اور یہ درجہ ان کے لحاظ سے کل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مقام میں پہنچ کر تابع اپنے متبوع سے اس طرح کی مشابہت پیدا کرلیتا ہے۔ کہ گویا پیروی (تبعیت) کا نام درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ اور تابع اور متبوع کا امتیاز دور ہوجاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تابع اپنے متبوع کی طرح جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ اصل سے براہ راست حاصل کرتا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک ہی پہلو کی آغوش میں ہیں۔ اور دونوں ایک ہی بستر میں ہیں۔ اور دونوں شیر و شکر کی طرح ملے جلے ہوتے ہیں۔ تابع کہاں ہے۔ اور متبوع کون ؟ اور تبعیت کیسی ؟ اتحاد نسبت میں تغایر نسبت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عجب معاملہ ہے۔ کہ اس مقام میں جتنا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ تبعیت کی نسبت بالکل معلوم نہیں ہوتی۔ اور تابعیت اور متبوعیت کا کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ بس اتنا ہے۔ کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کے کمالات کا وارث جانتا ہے۔ (علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام) یہ تو یقینی بات ہے۔ کہ تابع اور متبوع ہوتا ہے۔ اور طفیلی اور وارث اور ہر چند کہ یہ سب بظاہر تابع کی قطار میں نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے۔ کہ تابع میں

متبوع کی حیلولۃ (حائل ہونا) درکار ہے۔ اور طفیلی اور وارث کے لئے متبوع کا حائل ہونا درکار نہیں ہے۔ تابع اپنے متبوع کا بچا کھچا کھانا کھاتا ہے۔ اور طفیلی ضمنی طور پر ساتھ بیٹھ کر کھانے والا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے۔ وہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے آئی ہے۔ اور امتیوں کی سعادتمندی اس میں ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی طفیل اس دولت سے مستفید ہوں۔ اور ان کا پس خوردہ تناول فرمائیں۔ ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم ایں بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

کامل متبع وہ شخص ہے۔ جو ان سات درجات میں پوری طرح متابعت سے آراستہ ہو۔ اور جو بعض درجات میں تو متابعت رکھتا ہو۔ اور بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو۔ وہ منجملہ تابعین میں سے ہے۔ گو ان کے درجات الگ الگ ہیں۔ علماء ظاہر پہلے درجہ میں ہی خوش ہیں۔ کاش کہ وہ اس درجہ کو ہی اچھی طرح سرانجام دیتے۔ ان لوگوں نے صرف شریعت کی صورت میں ہی متابعت کو منحصر کر رکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے امور کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور صوفیاء کے طریقہ کو جو کہ درجات متابعت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ بیکار تصور کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر مقتدا اور پیر سوائے ہدایہ[1] اور بزودی[2] کے اور کسی کو نہیں سمجھتے۔ ؎

چوں[3] کی کرے کہ در سنگے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والتحیہ کی پسندیدہ متابعت میں پوری طرح ثابت قدم رکھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے دوسرے بھائیوں انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اور ان کے تمام تابعداروں پر قیامت تک اپنی رحمتیں اور سلامتی اور برکات نازل فرمائے۔ آمین۔

؎۱ جس قافلہ میں وہ ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میں اس میں نہیں پہنچ سکتا بس اتنا کافی ہے۔ کہ دور سے مجھے گھنٹی کی آواز آتی ہے۔ ۱۲

؎۲ ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ کی مشہور و مستند تصنیف ہے۔ ۱۲

؎۳ یعنی فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن حسین بزدوی۔ ۱۲

؎۴ اس کیڑے کی طرح جو کہ پتھر میں پوشیدہ ہے۔ اس کا آسمان اور زمین تو وہی پتھر ہے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۵۵

عالی درجات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کیطرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ قرآن مجید شریعت کے تمام احکام کا جامع ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب اور صوفیائے کرام کی مدح اور اس بات کے بیان میں کہ تصوف کا دارومدار شریعت پر ہے۔ اور اس بیان میں کہ الہامی احکام ہر وقت ثابت ہیں۔ اس سے مناسب امور کے بیان میں۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے۔ بلکہ تمام پہلی شریعتوں کا بھی جامع ہے۔ ہاں اتنی بات ہے۔ کہ اس شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں۔ جو عبارۃ النص اور اشارۃ النص اور دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اہل لغت میں سے عوام اور خواص ان کو سمجھنے میں برابر ہیں۔ اور احکام کی دوسری قسم وہ ہے۔ جو کہ اجتہاد اور استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان احکام کا سمجھنا ائمہ مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔ بقول جمہور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور آپ کی امت کے تمام مجتہد سب شامل ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کہ وحی کا زمانہ تھا۔ اجتہادی احکام خطا اور ثواب میں متردد نہ تھے۔ بلکہ یقینی وحی سے خطا کرنے والے کی غلطی اور درست اجتہاد کرنے والے کی درستی بالکل الگ الگ ہو جاتی تھی۔ اور حق اور باطل آپس میں ملے جلے نہ رہتے تھے۔ کیونکہ غلطی پر ثابت اور برقرار رکھنا نبی کے لیئے جائز نہیں ہے برخلاف ان احکام اجتہادیہ کے جو کہ وحی کے زمانہ کے بعد مجتہدین کو بطریق استنباط حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں خطا اور ثواب دونوں کا احتمال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ اجتہادی احکام جو کہ وحی کے زمانہ میں ثابت ہو چکے ہیں۔ وہ موجب یقین ہیں۔ اور عمل اور اقتداء کے اثبات کے لئے مفید ہیں۔ اور جو وحی کے زمانہ کے بعد ثابت ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ موجب ظن ہیں۔ عمل کے لئے تو مفید ہیں۔ لیکن اعتقاد کے اثبات میں ناکافی ہیں۔

اور قرآن مجید کے احکام کی تیسری قسم وہ ہے کہ انسانی طاقت ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب تک خداوند تعالیٰ جل سلطانہ کی طرف سے ان کی اطلاع نہ ہو۔ ان احکام کو نہیں سمجھا جا سکتا اور اس اطلاع کا حصول پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔

یہ احکام اگرچہ قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا اظہار نبی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تو مجبوراً ان کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اظہار سنت کی طرف سے ہوتا ہے بلکہ اسی طرح جیسے کہ احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مظہر قیاس ہے۔ پس سنت اور قیاس دونوں مظہر احکام ہیں۔ اگرچہ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ کہ ان میں سے ایک (قیاس) کا اعتماد تو رائے پر ہے جس میں غلطی کا امکان ہے۔ اور دوسرے سنت کو خدا تعالیٰ کی اطلاع کی تائید حاصل ہے۔ جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ آخری قسم اصل (قرآن مجید) کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے۔ گویا کہ احکام کی مثبت یہی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام احکام کی مثبت وہی کتاب عزیز (قرآن مجید) ہے

جان لینا چاہیے۔ کہ اجتہادی احکام میں امتی کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اختلاف ممکن ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ وہ غیر نبی امتی اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہو۔ اور وہ احکام جو کہ عبارت النص اور اشارۃ النص اور دلالۃ النص سے ثابت ہوں۔ اور اسی طرح وہ جو سنت سے ثابت ہوں۔ ان میں کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہے۔ بلکہ تمام امت پر ان کی اتباع لازم ہے۔ پس امت کے مجتہدین کے لئے اجتہادی احکام میں پیغمبر کی رائے کی متابعت لازم نہیں ہے۔ بلکہ اس مقام پر درست یہ ہے۔ کہ مجتہد اپنی رائے پر عمل کرے۔

اس جگہ ایک باریک نکتہ ہے۔ جان لینا چاہیے۔ کہ وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبر کی شریعت کے تابع ہیں۔ ان پر صرف انہی احکام کی اتباع لازم ہے۔ جو کہ ان کی کتابوں اور صحیفوں سے بطریق عبارت و اشارۃ و دلالۃ النص ثابت ہوں نہ کہ وہ احکام جو ان کے اجتہاد اور سنت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اجتہادی احکام میں جب ایک امتی مجتہد کو بھی پیغمبر سے اجتہاد میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ تو متابع پیغمبر پر ان احکام کی اتباع کیسے لازم ہو سکتی ہے۔ اور وہ احکام جو سنت سے ثابت ہوئے ہوں۔ ان میں جس طرح پیغمبر اولوالعزم کو اطلاع خداوندی ہوتی ہے۔ ایسے ہی غیر اولوالعزم پیغمبر کو بھی ہوتی ہے پھر متابعت کیسی؟ بلکہ متابعت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر وقت اور ہر گروہ کے اندازہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے الگ الگ احکام نازل ہوتے ہیں۔ کبھی حلت مناسب ہوتی ہے۔ تو کسی وقت حرمت۔ اور یہ حل و حرمت دونوں ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ صحیفہ سے ماخوذ ہوتی ہیں جیسے کہ دو مجتہد ایک ہی ماخذ سے دو مختلف حکم اخذ کرتے ہیں۔ ایک اسی عبارت سے حل سمجھتا ہے۔ اور دوسرا حرمت۔

سوال:۔ اس اختلاف کی اجتہاد میں تو گنجائش ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا دارومدار قیاس و رائے پر ہے۔ جس میں غلط اور صحیح دونوں کا احتمال ہے۔ لیکن یہ صورت خداوند تعالیٰ کے اعلام (اطلاع) میں گنجائش نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ وہاں غلط اور درست میں تردد جائز نہیں ہے۔ بلکہ حق جل وعلا کے نزدیک تو یقینی طور پر ایک ہی حکم ہے۔ اگر حلال ہے تو حرام کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر حرام ہے۔ تو حلال کی مجال نہیں ہے۔

جواب : ہو سکتا ہے۔ کہ ایک قوم کی نسبت وہی چیز حلال ہو۔ اور دوسری قوم کے لئے وہ حرام ہو۔ پس خداوند تعالےٰ کا حکم ایک ہی واقعہ میں متعدد ہو سکتا ہے۔ جب قومیں الگ الگ ہوں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں خاتم الرسل کی امت میں یہ صورت درست نہیں ہے۔ کیونکہ تمام لوگ ایک ہی شریعت کے احکام کے محکوم ہیں۔ لہذا ایک ہی واقعہ میں خداوند تعالےٰ کے دو حکم مختلف نہیں ہوں گے۔

سوال : پیغمبر اولوالعزم ایک چیز کی حلت کا حکم کرتا ہے۔ اور پیغمبر متابع اسی چیز کو حرام ٹھہراتا ہے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ حکم ثانی حکم اول کا ناسخ ہو۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو منسوخ کرنا پیغمبر اولوالعزم کے ساتھ خاص ہے۔ کسی پیغمبر ناسخ نہیں ہو سکتا۔

جواب : نسخ اس صورت میں لازم آتا ہے۔ کہ حکم ثانی تمام لوگوں کے لئے عام ہو۔ تاکہ اس حکم کو رفع کرے۔ جو ایک گروہ کی نسبت دیا گیا تھا۔ اور یہاں حکم ثانی عام نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک گروہ کی نسبت اس کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کا پہلے حکم سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔ کہ ایک ہی واقعہ میں ایک مجتہد حلت کا فتوی دیتا ہے۔ اور اسی واقعہ میں دوسرا مجتہد حرمت کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان میں نسخ نہیں ہوتا۔

ہاں یہ تو صحیح ہے۔ کہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کہ اس جگہ انسانی رائے ہے۔ اور اس جگہ خداوندی اطلاع رائے میں تعدد حکم کی گنجائش ہے۔ اور اعلام میں گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن تعدد اقوام سے اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس پہلی شریعتوں میں بھی ان احکام میں جو کہ پیغمبران اولوالعزم کی کتابوں اور صحیفوں سے بلحاظ لفظ معلوم ہوتے ہیں پیغمبران متابع کو بھی ان میں مخالفت کی مجال نہیں ہے اور ان احکام میں بھی جو سب لوگوں کے لئے وارد ہوتے ہیں۔ ہر متابع پیغمبر جس قوم کو بھی وہ تبلیغ کرے گا۔ ان احکام کے خلاف تبلیغ نہ کرے گا۔ اگر حلال ہے۔ تو سب کے لئے حلال ہے۔ اور اگر حرام ہے۔ تو سب کے لئے حرام ہے۔ اس وقت تک کہ کوئی اور اولوالعزم پیغمبر آئے اور اس حکم کو الغاء دے۔ اس وقت نسخ متصور ہوگا۔

پس نسخ ان احکام میں ہوتا ہے۔ جو کہ بحسب لفظ صحیفہ منزلہ سے ثابت ہوں۔ اور وہ احکام جو اجتہاد اور استنباط سے ثابت ہوں۔ اور سنت اور اجتہاد کی طرف منسوب ہوں۔ ان میں نسخ نہیں ہوتا۔ کہ ایسے احکام بعض لوگوں کیلئے ہوتے ہیں۔ اور بعض اس سے مستثنی ہوتے ہیں۔ پس ایک پیغمبر کا اجتہاد اور اس کی سنت دوسرے پیغمبر کے اجتہاد اور سنت کی ناسخ نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ کسی دوسری قوم کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہ کسی اور قوم کے لئے۔ ہاں اگر یہ اختلاف سب لوگوں کے لئے یا کسی ایک ہی قوم کیلئے ہو تو اس صورت میں واقعی نسخ ہوگا۔ جیسا کہ اس شریعت میں ہے۔ جو کہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔ حکم ثانی حکم اول کے لئے ناسخ ہوگا۔ پس ہمارے پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی پچھلی سنت ان کی پہلی سنت کی ناسخ ہوگی۔

اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ بعد نزول اس شریعت کی اتباع کریں گے۔ آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اتباع ہی کریں گے۔ کہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ علماء ظواہر حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادات کی اپنے ماخذ کے کمال اور دقیق ہونے کی وجہ سے مخالفت کریں اور ان کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے۔ کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط کے نہایت بلند درجہ پر پہنچ چکے ہیں۔ کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اور دقت معانی کی وجہ سے ان کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھتے ہیں۔ اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے کہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ان کے علم اور درایت کی حقیقت اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاروں سے ان کی فقاہت کی دقت کو معلوم کیا۔ اور کہا تمام فقہا امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ افسوس ان قاصر نظروں کی جماعت پر کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ؎

؎ قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعن قصور — حاشش اللہ کہ بریں بر ہم بزنان ایں گلہ را

؎ ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

۱؎ مقلد حضرات کم فہمی کی بنا پر آئے دن کسی نہ کسی انداز میں مسلک حنفی پر اعتراض و تنقید کرتے رہتے ہیں۔ اور اس گروہ کے متشددین بے دریغی کے ساتھ تقلید ائمہ اربعہ اور اجتہادی مسائل کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت قرار دیتے ہیں

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکتوب میں نہایت جامع انداز میں مسلک حنفی کی تصویب و تائید کی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس مکتوب میں آپ نے اپنے حنفی اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور ناقدین و معترضین کی پوری پوری خبر لی ہے۔ حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کی تحقیق کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پرہیزگاری، تقویٰ اور متابعت سنت کی برکت سے اجتہاد و استنباط کے نہایت درجہ پر فائز ہیں۔ لوگ آپ کی بلندیٔ شان سمجھنے سے قاصر ہیں۔

۲ ناقدین و معترضین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اور آپ کی اجتہادی اور فقہی کاوشوں پر اس وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنی کم علمی کے باعث آپ کے دقیق اصول اجتہاد اور استنباط کو نہ سمجھ سکے۔ اسی کوتاہی کے باعث آپ کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے خلاف اور آپ اور آپ کے تلامذہ اور ساتھیوں کو اپنی رائے کی پیروی کرنے والے قرار دیتے ہیں۔

۳ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان کے اس قدر معترف ہیں۔ کہ تمام فقہا کو آپ کا عیال کہتے ہیں کوتاہ نظر معترضین پر افسوس کہ انھیں اپنا قصور نظر نہیں آتا۔ بلا سوچے سمجھے اعتراض کرتے ہیں۔ (حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

۵ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرب قیامت دین محمدی کے احیاء کے لئے آسمان سے نازل ہو کر زمین پر تشریف لائیں گے۔ تو شرعی فیصلے فقہ حنفی کے مطابق کریں گے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا ایک جلیل القدر نبی بھی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد و استنباط کی صداقت پر مہر تصدیق و توثیق ثبت کرے گا۔

۶ ارباب کشف کے مشاہدہ میں بھی یوں آتا ہے۔ کہ حنفی مذہب کی نورانیت دریائے عظیم کی طرح ہے۔ باقی مذاہب اس کے سامنے حوض اور چھوٹی چھوٹی نہروں کی طرح ہیں۔

۷ ظاہر دیکھنے میں بھی یہی نظر آتا ہے۔ کہ اہل اسلام کی اکثریت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پیرو ہے۔ اور یہ بات بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

۸ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع سنت اور اقتداء حدیث کا یہ عالم ہے۔ کہ آپ مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں۔ اور صحابی کی رائے کو بھی اپنی رائے سے مقدم جانتے ہیں۔ دوسروں کا یہ مسلک نہیں۔

۹ افسوس کہ اس قدر احتیاط کے باوجود یہ ناانصاف لوگ آپ کو اپنی رائے کا پیرو کار قرار دیتے ہیں۔ اور آپ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔

۱۰ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے۔ کہ اہل اسلام کے نامور امام کی دل آزاری نہ کریں۔ سواد اعظم گروہ اہلسنت کو دکھ نہ دیں۔ یہ مخالفین خدا تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن اپنے اس فاسد ارادے میں الخ۔ اللہ تا قیامت کامیاب نہیں ہوں گے۔

۱۱ مخالفین اگر دل سے اس بات کے قائل ہیں۔ کہ حنفی فقہ پر چلنے والے کتاب و سنت کے مقابلے میں اپنے امام کی رائے کے پیرو کار ہیں۔ تو پھر اعلانیہ طور پر احناف کو اسلام سے خارج قرار دیں۔ تاکہ دنیا صحیح صورت حال سے آگاہ ہو جائے۔

۱۲ ان کوتاہ اندیش لوگوں نے دراصل چند احادیث یاد کر رکھی ہیں۔ احکام دین کو صرف انہیں میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اپنی معلومات کے ماسوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں۔

۱۳ ہزار افسوس ان کے خشک تعصب اور فاسد نظر پر

مجھے امید ہے۔ کہ حاشیہ کی صورت میں دیا گیا یہ خلاصہ مزید تازگی ایمان و ایقان کا ذریعہ بنے گا۔ اور ممکن ہے کہ غیر مقلد حضرات میں سے جو منصف مزاج ہیں۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے۔ کہ وہ بھی سواد اعظم کے طریقہ کو اختیار کریں۔ اور تعصب اور کج روی سے باز آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت و درستی کی توفیق دینے والا ہے۔ محمد سعید احمد غفرلہٗ

۱۴ اگر کوئی کوتاہ نظر اس قافلہ پر قصور کا طعنہ کرتا ہے۔ تو خدا پاک ہے۔ کہ میں زبان پر اس کا گلہ لاؤں۔

۱۵ تمام دنیا کے شیر اس سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں۔ لومڑی حیلے سے اس زنجیر کو کیسے توڑ سکتی ہے۔

اور اسی مناسبت سے جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ خواجہ محمد پارسا نے فصول ستہ میں جو لکھا ہے۔ اسی لئے لکھا ہو۔ کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے مطابق ہوگا۔ نیز کہ وہ اس مذہب کی تقلید کرینگے۔ کہاں کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ کہ وہ علمائے امت کی تقلید کریں۔

بلا تعصب و تکلف یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے۔ اور باقی دوسرے تمام مذہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اور ظاہر میں بھی جو کچھ نظر آرہا ہے وہ یہ ہے۔ کہ اہل اسلام کی اکثریت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پیرو ہے۔ اور یہ مذہب کثرت متبعین کے باوجود اصل اور فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے۔ اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے۔ اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

عجیب معاملہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ سنت کی پیروی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اور مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں۔ اور ان کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح صحابی کے قول کو بھی خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی وجہ سے اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور دوسروں کا یہ مسلک نہیں ہے اس کے باوجود مخالف ان کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں۔ اور ان کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرتے ہیں۔ جن سے سوء ادبی ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سب ان کے کمال علم اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی کثرت کے بھی معترف ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو توفیق دے۔ کہ وہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کی دل آزاری نہ کریں۔ اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یہ لوگ خدا کے نور کو اپنی آنکھوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جو اکابر دین کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں۔ اگر یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت نہیں کرتے تھے۔ اس صورت میں وہ اپنے گمان فاسد کی بنا پر اہل اسلام کے سواد اعظم کو گمراہ اور بدعتی کہتے ہیں۔ بلکہ اپنے خیال میں ان کو اہل اسلام کی جماعت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ تو یہ عقیدہ رکھتا تو وہ جاہل رکھتا ہوگا۔ جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے۔ یا وہ بے دین آدمی جس کا مقصد نفس دین کو باطل کرنا ہے۔

چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں۔ اور احکام دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے معلومات کے سوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں۔ اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ؎

؎ چوں آں کرمے کہ در سنگے نہان است زمین و آسمان او ہمان است

ہزار افسوس ان کے خشک تعصب اور ان کی نظر فاسد پر کہ فقہ کے بانی ابو حنیفہ ہیں۔ اور لوگوں نے فقہ کا تین چوتھائی حصہ ان کے لئے مسلم رکھا ہے۔ اور صرف باقی چوتھائی حصہ میں دوسرے فقہا ان کے شریک ہیں۔ اور فقہ میں

؎ اس کیڑے کی طرح جو کسی پتھر میں پوشیدہ ہے۔ اس کا زمین و آسمان وہی پتھر ہے۔

صاحب خانوادہ ہے۔ اور دوسرے سب اس کے عیال ہیں۔ باوجود یکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں۔ لیکن مجھے امام شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے۔ ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ کہ دوسرے فقہا کو میں باوجود بے انتہا علم اور کمال تقوے کے امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔ اور حقیقت معاملہ خدا تعالےٰ کے سپرد ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اوپر گزر چکا ہے۔ کہ اجتہادی احکام میں مختلف ہونا اگرچہ وہ اختلاف پیغمبر ہی سے صادر کیوں نہ ہو۔ نسخ کو مستلزم نہیں ہے۔ برخلاف اس اختلاف کے جو کتاب و سنت کے احکام میں ہو۔ کہ وہ موجب نسخ ہے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ احکام شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب و سنت ہے۔ اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کا مثبت ہے۔ ان چار شرعی دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی۔ الہام حلت و حرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہل باطن کا کشف فرض رسنت کا اثبات نہیں کر سکتا۔ ولایت خاصہ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ اور کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی۔ اور وہ تقلید کی زنجیر سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی اور جنید بغدادی اور شبلی احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید۔ عمرو بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ عام مومنین میں سے ہیں۔ برابر ہیں۔

ہاں ان بزرگواروں کی فضیلت اور امور میں ہے۔ یہ لوگ اصحاب کشف و مشاہدہ ہیں۔ اور یہی لوگ تجلیات و ظہورات کے مالک ہیں۔ جو کہ محبوب حقیقی جل سلطانہ کی محبت کے غلبہ میں اس کے ماسوا سے تعلق توڑے ہوئے ہیں۔ اور غیر اللہ غیریت کو دیکھنے اور سمجھنے سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اگر یہ کچھ حاصل رکھتے ہیں۔ تو وہی ان کا حاصل ہے۔ اور اگر واصل ہیں۔ تو اسی سے واصل ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا میں نہیں ہیں۔ اور باخود ہوتے ہوئے بھی بے خود ہیں اگر یہ زندہ ہیں۔ تو اسی کے لئے زندہ ہیں۔ اور اگر یہ مرتے ہیں۔ تو اسی کے لئے مرتے ہیں۔ ان کے بلندی غلبہ محبت کے ذریعہ سے مطلوب کو دنیا کے ہر ایک ذرہ کے آئینہ میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ہر ذرہ کو اللہ تعالےٰ کے اسمائی و صفاتی تمام کمالات کا جامع سمجھتے ہیں۔ اور ان کے نقشوں کا کیا نشان دیا جائے۔ کہ وہ بے نشان ہیں۔ ان کا پہلا قدم ماسوا کو فراموش کرنا ہے۔ اور ان کے دوسرے قدم کو کیا بیان کیا جائے۔ کیونکہ وہ آفاق و انفس سے باہر ہے۔ الہام ان کو ہوتے ہیں۔ اور کلام ان سے ہوتا ہے۔ اکابر حقیقت میں یہی لوگ ہیں۔ یہ علوم اور اسرار بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں۔ اور مجتہدین کی طرح کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بھی معارف و مواجید میں اپنے الہام اور فراست کے تابع ہیں

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے۔ کہ علوم لدنی کے فیض دینے میں حضرت خضر کی روحانیت شیخ

ہے۔ علی نبینا و علی جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والسلام۔ ظاہر ایہ بات ابتدا اور توسط کی نسبت معلوم ہوتی ہے اور منتہی کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ جیسا کہ صاف کشف اس کی شہادت دیتا ہے۔ اور اس کی تخصیص کا موید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالےٰ سرہ کا وہ قول ہے۔ کہ ایک روز وہ منبر پر بیٹھ کر علوم اور معارف بیان کر رہے تھے کہ اس اثنا میں حضرت خضر کا گزر ہوا۔ تو شیخ نے فرمایا "اے اسرائیلی! آ کلام محمدی سن"۔ شیخ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت خضر محمدی نہیں ہیں۔ بلکہ پہلی امتوں میں سے ہیں۔ اور جب ایسا ہو تو محمدیوں کو ان سے کیا واسطہ!

پس معلوم ہوا۔ کہ علوم اور معارف احکام شرعیہ کے علاوہ اور چیزیں ہیں۔ جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ وہ معارف انہی احکام کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ اور درخت لگانے کا مقصد انہی ثمرات کا حصول ہے۔ لیکن جب تک درخت قائم ہے۔ ثمرات کی توقع ہے۔ اور جب اصل درخت میں خلل واقع ہوگا۔ تو پھل ختم ہو جائیں گے۔ یہ وقت ہے۔ وہ آدمی جو درخت کو تو کاٹے۔ اور پھلوں کی توقع رکھے۔ جس قدر درخت کی اچھی طرح پرورش کریں گے۔ اتنا ہی وہ پھل زیادہ دے گا۔ اور پھل اگرچہ مقصود ہے۔ لیکن پھر بھی وہ درخت کی فرع ہے۔ شریعت کی پابندی کرنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کی یہی مثال سمجھ لیں۔ جو شریعت کی پابندی کرتا ہے۔ وہ صاحب معرفت ہے۔ جتنی پابندی زیادہ کرے گا۔ اتنی ہی معرفت زیادہ ہوگی۔ اور جو سستی کرنے والا ہے۔ وہ معرفت سے بے نصیب ہے۔ اور اگر بالفرض وہ اپنے فاسد گمان کی بنا پر کچھ رکھتا ہے۔ تو وہ استدراج ہے۔ کہ جوگی اور برہمن بھی اس میں شریک ہیں۔ بہرحال وہ حقیقت جس کو شریعت رد کر دے۔ وہ بیدینی اور الحاد ہے۔

پس جائز ہے۔ کہ خواص اہل اللہ۔ اللہ تعالےٰ کے افعال اور ذات و صفات کے معارف میں بعضے اسرار دقائق معلوم کریں۔ کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہو۔ اور حرکات و سکنات میں خداوند تعالےٰ کا اذن یا عدم اذن معلوم کریں۔ اور خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم کو جان لیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات میں بعض نفلی عبادتوں کا ادا کرنا وہ ناپسندیدہ جانتے ہیں۔ اور ان کو ان کے چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے۔ اور کبھی وہ سونے کو جاگنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ احکام شرعیہ اوقات پر مقرر ہیں۔ اور احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں۔ اور چونکہ ان بزرگواروں کی حرکات و سکنات خدا تعالےٰ کے اذن سے وابستہ ہیں۔ تو لازماً دوسروں کے نوافل ان کے فرائض ہیں۔ مثلاً ایک کام ایک آدمی کی نسبت شریعت کا نفلی حکم ہے۔ اور وہی فعل کسی دوسرے کے لئے بطور الہام فرض ہے۔

پس دوسرے کبھی نوافل ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی امور مباحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور یہ بزرگوار چونکہ کام کو خدا تعالےٰ کی اجازت اور حکم سے کرتے ہیں۔ تو وہ سب ان کے لئے فرض ہوتے ہیں۔ دوسروں کے مباح اور مستحب ان کے فرائض ہیں۔ اس لحاظ سے ان بزرگواروں کی بلندی مرتبہ معلوم کرنا چاہیئے۔ علماء ظاہر امور دین میں غیبی اخبار کو صرف انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کی ان اخبار میں شرکت

جائز نہیں سمجھتے۔ اور یہ بات وراثت کے منافی ہے۔ اور بہت سے علوم اور معارف صحیحہ کی نفی ہے۔ جو کہ دین متین کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں شرعی احکام اور آداب سے وابستہ ہیں۔ کہ الہام کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

لیکن امور دنیویہ احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں۔ کہ جن میں پانچوں اس اصل الہام ہے۔ بلکہ کہنا چاہیئے۔ کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب و سنت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں۔ اور وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے۔ اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔ اور وہ چھوڑ دینا پسندیدہ ہوتا ہے۔ تو حق جل وعلا کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے۔ اور عوام اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں۔ اس کو عابد سمجھتے ہیں۔ اور اس کو مکار اور زنویں۔

سوال: جب دین کتاب و سنت سے مکمل ہو چکا۔ تو مکمل ہونے کے بعد الہام کی کیا ضرورت پڑی۔ اور کیا نقصان رہ گیا تھا۔ جو کہ الہام سے پورا ہوا۔

جواب: الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے۔ نہ کہ کمالات زائدہ کا مثبت۔ جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام دقائق و اسرار کا مظہر ہے۔ کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے۔ کہ اس کا دارومدار رائے پر ہے۔ اور اس کا دارومدار خداوند تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہو گئی۔ جو اجتہاد میں نہیں تھی۔ الہام کی مثال نبی کی مثال کی طرح ہے۔ جو کہ سنت کا ماخذ ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اگرچہ الہام ظنی ہے۔ اور اعلام قطعی۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ اور اسلام اس پر ہو۔ جو ہدایت کی پیروی کرے۔

مکتوب نمبر ۵۶

مولانا عبدالقادر انبالی کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکی کا حکم پیدا کر لیتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔" "عدیش کا

معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیاں بن جاتی ہیں۔ اور دوسروں کے رذائل ان کے لئے اوصاف حمیدہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ریا اور سمعہ جو کہ برائیوں سے ہیں۔ اور اوصاف رذائل میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے حق میں وہ حسن پیدا کرتے ہیں۔ اور شکر کا حکم اختیار کرتے ہیں۔

اس لئے کہ اہل درویش ہر قسم کی عظمت و کبریائی کو اپنے آپ سے مسلوب کر کے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے حسن و جمال اور خیر و کمال کو اپنے آپ سے دور کر کے خدا تعالیٰ کی طرف مخصوص کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سوائے برائی اور نقص کے اور کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ اور اپنے اندر ذلت و افتقار اور انکساری کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ اور اگر بالفرض عظمت اور کبریائی کے افراد میں سے کوئی فرد بظاہر ان کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کو اپنے لئے زینہ پائے گا۔ کہ اس کے راہ سے اوپر کی طرف چڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس ذات پاک تک پہنچ جائے گا۔ جو عظمت و کبریائی کے لائق ہے۔ اور حسن و جمال اور خیر و کمال کا بھی یہی حال ہے۔ کہ انہیں سے اس کا حصہ صرف زینہ بننے کا ہے۔ باقی امانتیں امانتوں کے مالکوں کی طرف راجع ہیں۔

پس ریا اور سمعہ کی صورت میں اس کا مقصود اپنی شہرت و فخر اور رفعت و عظمت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور اس کے احسان کی اطلاع ہے۔ جو کہ اس کی نسبت واقع ہوا ہے۔ پس اس صورت میں ریا اور سمعہ عین حمد و شکر حق سبحانہ و تعالیٰ ہو گا۔ کہ اب وہ رذالت سے نکل کر محامد میں شامل ہو گئے اور اسی پر تمام صفات کو قیاس کر لو۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۵۷

ملا غازی نائب کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ حق جلا و علا کا ذکر خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ لیکن وہ ذکر جو کہ قبولیت کے لائق ہو۔ یا وہ ذکر جو طالب اپنے شیخ مقتدا سے حاصل کرے۔ اور اس کے متعلقات)

کچھ مدت تک میں خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے میں مشغول رہا۔ اور میں کئی ایک قسم

کے درود پڑھا کرتا تھا۔ اور دنیوی ثمرات اور نتائج اس پر مرتب ہوتے محسوس کرتا۔ اور مجھے ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے دقائق اور اسرار کھلتے معلوم ہوتے۔ جب کچھ مدت اس عمل پر گزر گئی۔ تو اتفاقاً اس التزام میں سستی پیدا ہونے لگی۔ اس میں مشغول ہونے کی توفیق زائل ہو گئی۔ اور وقتی درود پر (یعنی نماز میں) اگر معاملہ رک گیا۔ اس وقت مجھے یہ پسند آتا۔ کہ تسبیح اور تقدیس اور تہلیل کا شغل اختیار کروں۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ اس مقام میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہو گی۔ دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا۔ کہ اس وقت ذکر کرنا درود بھیجنے سے زیادہ بہتر ہے۔ درود پڑھنے والے کے لئے بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ ہے۔ کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جس کو میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے روک دیا۔ میں اسکو سوال کرنے والوں کی نسبت زیادہ دوں گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ ذکر پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے۔ تو اس ذکر کا ثواب جس طرح ذاکر کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ رائج کیا۔ تو اس کو اپنا اجر بھی ملے گا۔ اور جو اس پر عمل کریں گے۔ ان کے برابر بھی اجر بھی ملے گا۔

اور یہی حال ہر نیک عمل کا ہے۔ جو کہ امتوں سے وجود میں آتے ہیں۔ اس عمل کا اجر جس طرح عامل کو پہنچتا ہے پیغمبر کو بھی پہنچتا ہے۔ جو کہ اس عمل کو مقرر کرنے والا ہے۔ عمل کرنے والے کے اجر میں سے کوئی چیز کم بھی نہیں ہوتی ہو یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ عمل کرنے والا پیغمبر کی نیت سے عمل کرے۔ کیونکہ وہ حق سبحانہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ عمل کرنیوالے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں اگر عمل کرنے والے سے پیغمبر کی نیت بھی وجود میں آ گئے۔ تو یہ عمل کرنیوالے کے لئے زیادتی اجر کا باعث ہو گا۔ اور یہ زیادتی پیغمبر کی طرف بھی عائد ہو گی۔ اور یہ اللہ کا احسان ہے۔ جس پر چاہے کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ ذکر کا اصلی مقصود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یاد ہے۔ اور اصلی طلب اس کی طفیلی ہے۔ اور درود میں اصلی مقصود حاجت کی طلب ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پس وہ فیوض جو کہ ذکر کی راہ سے پیغمبر تک پہنچتے ہیں۔ وہ ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ جو کہ درود کی راہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔

یہ جان لینا چاہیئے۔ کہ ہر ذکر کا یہ مرتبہ نہیں ہے۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہو۔ وہ اس بزرگ کے لئے مخصوص ہے۔ اور جو ذکر اس طرح کا نہ ہو۔ درود کو اس پر فضیلت ہے۔ اور درود سے برکات کے پہنچنے کی زیادہ توقع ہے۔ لیکن وہ ذکر طالب اپنے شیخ کامل مکمل سے حاصل کرے۔ اور طریقہ کی شرائط کے مطابق اس پر مداومت کرے۔ وہ درود بھیجنے

سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے۔ جب تک یہ ذکر نہ کرے گا۔ اس ذکر تک نہ پہنچ سکے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم مبتدی کے لئے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ تجویز نہیں کرتے اس کو صرف فرائض اور سنن کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں۔ اور نفلی امور سے منع کرتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوا۔ کہ امت کا کوئی فرد بھی خواہ وہ کمالات میں کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ چکا ہو۔ اپنے پیغمبر کے ساتھ برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تمام کمالات۔ جو اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس یہ تمام کمالات اس پیغمبر کو بھی حاصل ہیں۔ اور دوسرے پیروکاروں کے کمالات بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسی طرح وہ فرد کامل کسی پیغمبر کے بھی مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ اس پیغمبر کی کسی نے بھی پیروی نہ کی ہو۔ اور اس کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر پیغمبر بالاصل صاحب دعوت ہے۔ اور تبلیغ شریعت کا مامور اور امتوں کا انکار دعوت و تبلیغ میں کوئی قصور پیدا نہیں کرتا۔ اور یہ تو بالکل ظاہر ہے۔ کہ کوئی کمال بھی دعوت و تبلیغ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا[1]۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے وہ بندے سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ جو بندوں کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بندوں کو محبوب بنائیں۔ اور وہ دعوت دینے والے اور مبلغ لوگ ہیں۔

---

[1] آج کل دعوت و تبلیغ اسلام کی اہمیت اہل اسلام کے ذہن سے نکل چکی ہے۔ ان امور کی طرف زیادہ توجہ مبذول ہو چکی ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ نفل اور مستحب کا درجہ رکھتے ہیں۔ عوام اہل سنت کی اس بے حسی سے گمراہ فرقوں کے مبلغین بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور لوگوں کو اپنی چرب زبانی اور ملمع سازی سے بدراہ کر رہے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے یہاں دعوت و تبلیغ کی عظمت و فضیلت بیان کر کے واضح فرمایا ہے۔ کہ بزرگان دین نے ہمیشہ اس پہلو پر خاص زور دیا ہے۔ اہل اللہ نے تبلیغی مشن کے تحت دور دراز کے سفر طے کیے ہیں۔ اور طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کیں۔ موجودہ وقت کا شدید تقاضا ہے۔ کہ دینی احساس رکھنے والے اہل سنت اس فریضے کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ کریں۔ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور سلف صالحین کے ارشادات دعوت و تبلیغ کی ضرورت و فضیلت سے بھرے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے۔

آپ نے سنا ہوگا۔ کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ کل قیامت کے روز علماء کی سیاہی کو شہداء فی سبیل اللہ کے خون سے وزن کریں گے۔ اور اس سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے بڑھ جائے گا" اور امتوں کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ان کو ملا ہے۔ وہ طفیلی اور ضمنی ہے۔ اصل بہر حال اصل ہے۔ اور فرع اصل سے مستنبط ہے۔ اس جگہ سے اس امت کے مبلغین اور حق کی دعوت دینے والوں کی بزرگی معلوم کرنی چاہیے۔ ہر چند کہ دعوت اور تبلیغ کے مختلف مدارج ہیں۔ اور داعی اور مبلغ مختلف درجے رکھتے ہیں۔ علماء ظاہری تبلیغ سے مخصوص ہیں۔ اور صوفیاء باطن کا اہتمام رکھتے ہیں۔ اور جو عالم اور صوفی ہے۔ وہ کبریت احمر ہے۔ اور ظاہری اور باطنی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب اور وارث ہے۔

بعض علماء نے اس امت کے محدثین کو جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس امت میں سے افضل ترین تسلیم کیا ہے۔ اگر مطلقاً افضل سمجھتے ہیں۔ تو اس میں تردد ہے۔ اور اگر ظاہری مبلغین کی نسبت کہتے ہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ مطلق فضیلت جامع مبلغ کے لئے ہے۔ جو ظاہری تبلیغ بھی کرے۔ اور باطنی بھی۔ اور ظاہری دعوت بھی دے۔ اور باطنی بھی۔ کیونکہ مطلقاً افضل قرار دینے میں قصور ہے۔ اس نکتہ کو سمجھ۔ اور قاصرین میں سے نہ ہو۔ ہاں ظاہر ہر چند کہ عمدہ ہے۔ نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔ اور کثیر البرکت اور عموم المنفعت ہے لیکن اس کا کمال باطن سے وابستہ ہے۔ بغیر باطن کے ظاہر ناتمام ہے۔ اور بغیر ظاہر کے باطن بدانجام ہے۔ اور جو باطن کو ظاہر سے جمع کرے۔ وہ کبریت احمر ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ تو یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ اور سلام اس پر ہو۔ جو ہدایت کی پیروی کرے۔

مکتوب نمبر ۵۸

خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ انہوں نے عالم مثال کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور اس جماعت کا رد جو تناسخ کی قائل ہے۔ اور اس جماعت کا رد جو روح کے منتقل ہونے کی قائل ہے۔ اور کون اور بروز اور انکے متعلقات کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

آپ کے اس گرامی نامہ کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جو آپ نے بلندی فطرت اور حسن نشاط سے تحریر فرمایا تھا آپ نے لکھا ہے۔ کہ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے۔ اور ایک حکایت بھی نقل کی ہے۔ کہ غائم مثال کے بعض مکاشفات میں جب کہ میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا۔ ایسا ظاہر ہوا۔ کہ میرے ساتھ ایک ایسی جماعت طواف کر رہی ہے۔ جن کو میں نہیں جانتا۔ انہوں نے طواف کے دوران میں عربی شعر پڑھے۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ ؎

لَقَدْ طُفْنَا كَمَا طُفْتُمْ سِنِيْنَا ۔۔۔ بِهٰذَا الْبَيْتِ طَرًّا اَجْمَعِيْنَا

میں نے جب یہ شعر سنا۔ تو میرے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ سب عالم مثال کے ابدال ہیں اور اس خیال کے آتے ہی ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی۔ اور کہا "میں تمہارے آباؤ اجداد میں سے ہوں"۔ میں نے پوچھا "آپ کو فوت ہوئے کتنے سال گزر چکے ہیں۔ تو کہنے لگا۔ چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے"۔ میں نے تعجب سے کہا۔ کہ ابو البشر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شروع پیدائش سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال تو پورے نہیں ہوئے"۔ تو کہنے لگے "تم کس آدم کی بات کرتے ہو۔؟ یہ آدم تو وہ ہیں۔ جو اس سات ہزار سال کے دور کی ابتدا میں پیدا ہوئے ہیں"۔ تو شیخ نے فرمایا۔ اس وقت وہ حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جو پہلے تحریر ہو چکی ہے۔ میرے دل میں گزری۔ جو اس قول کی تائید کرتی ہے۔

مخدوم مکرم اخداوند تعالیٰ کی عنایت سے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ تمام آدم جو حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں۔ ان سب کا وجود عالم مثال میں تھا۔ نہ کہ عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں۔ جنہوں نے زمین میں خلافت [illegible] ہے۔ اور مسجود ملائکہ ٹھہرے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتیں اور تسلیمات ہمارے نبی اور ان سب پر ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ آدم جامعیت کی صفت پر پیدا ہونے ہیں۔ اور اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ یہ اپنے وجود سے پہلے ایجاد خداوندی جل سلطانہ سے بہت مدت ہائے دراز تک اپنے لطائف اور اوصاف میں سے کسی ایک لطیفہ یا ایک صفت سے عالم مثال میں موجود ہوتے ہیں۔ اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور انہی کے نام سے موسوم ہوئے ہیں۔ اور جس آدم کا انتظار تھا۔ وہ اسی آدم سے وقوع میں آیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ توالد و تناسل جو اس عالم مثال کے مناسب تھا۔ وہ بھی ظہور میں آیا۔ اور ظاہری اور باطنی کمالات جو اس عالم کے مناسب تھے۔ وہ بھی حاصل کئے اور عذاب و ثواب کا مستحق ہوا۔ بلکہ اسی کے لئے قیامت قائم ہوئی۔ اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے گئے۔

اور پھر کسی وقت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مشیت سے اسی عالم مثال میں آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام

اپنی کسی اور صفت اور لطیفہ کے ساتھ خاص ہوئے۔ اور وہی کوائف جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے۔ ظہور ثانی میں بھی وجود میں آئے اور جب وہ دور بھی ختم ہوا۔ تو آپ کی صفات اور لطائف میں سے تیسرے ظہور میں کوئی اور صفت اور لطیفہ حاصل ہوا۔ اور جب اس ظہور نے بھی اپنا دور ختم کیا۔ تو چوتھا ظہور حاصل ہوا۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔

پھر جب ظہورات مثالیہ کے وہ تمام دور جو کہ اس کی صفات اور لطائف سے تعلق رکھتے تھے۔ پورے ہو گئے تو بالآخر وہ نسخہ جامعہ ایجاد خداوندی جل سلطانہ سے عالم شہادت میں وجود میں آگیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے معزز و محترم ہوا۔ اگر ایک لاکھ آدم بھی ہوں۔ تو وہ اسی آدم کے اجزاء ہیں۔ اسی آدم کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ اور اسی کے وجود کے مبادی۔ مقدمات ہیں۔ اور شیخ بزرگوار کے وہ دادا جن کو چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ فوت ہوئے گزر چکا ہے۔ وہ عالم مثال میں شیخ بزرگوار کے اسم دادا کا کوئی لطیفہ تھے۔ جو کہ عالم شہادت میں موجود ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف کے وہ طواف جو انہوں نے کیے۔ وہ بھی عالم مثال میں کیے۔ کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی عالم مثال میں ایک شبیہ اور صورت تھی۔ جو اس عالم مثال کا قبلہ تھی۔

اس فقیر نے اس مسئلہ میں دور دور نظر دوڑائی ہے۔ اور بہت غور کیا ہے۔ عالم شہادت میں کوئی دوسرا آدم نظر نہیں آیا۔ اور عالم مثال کی اعجوبہ کاریوں کے سوا اور کوئی چیز نہ مل سکی۔ اور وہ جو مثالی جسم نے کہا۔ کہ میں تمہارے آباؤ اجداد سے ہوں۔ اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ اس بات پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس آدم سے پہلے کئی ایک آدم گزر چکے ہیں۔ جو اس آدم کے صفات اور لطائف تھے۔ یہ نہیں کہ وہ علیحدہ پیدائش رکھتے تھے۔ اور اس آدم سے الگ تھے۔ کیونکہ جو الگ ہے۔ اس کی اس آدم سے کیا نسبت ہے اور وہ شیخ کا دادا کیوں ہونے لگا۔ اور عالم شہادت کے آدم کی پیدائش کو تو ابھی سات ہزار سال بھی پورے نہیں ہوئے۔ چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے؟

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اس حکایت سے تناسخ کو درست سمجھتے ہیں۔ اور قریب ہے کہ کائنات کے قدیم ہونے کے قائل ہوں اور قیامت کبریٰ سے انکار کر دیں۔ اور بعضے بے دین لوگوں نے جنہوں نے بزعم باطل خویش شیخی کی مسند حاصل کر رکھی ہے۔ تناسخ کے جواز کا حکم کرتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ جب تک نفس اپنے کمال تک نہ پہنچے۔ اسے مختلف ابدان تبدیل کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جب نفس اپنے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ تو مختلف جسموں کے تبدیل کرنے سے بلکہ بدن کے تعلق ہی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش کا مقصود جو کہ اس کا کمال تک پہنچنا ہے۔ حاصل ہو جاتا ہے۔

اور یہ بات صاف کفر ہے۔ اور ان چیزوں کا انکار ہے۔ جو دین سے بہ تواتر ثابت ہیں۔ جب بالآخر تمام نفوس اپنی

حد کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو دوزخ کس کے لئے ہے۔ اور سزا کسے ملے گی۔ دوزخ کا انکار ہے۔ اور آخرت کے عذاب کا انکار ہے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق نفس کو کسی جسم کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جو کہ اس کے کمالات کا آلہ ہے۔ کہ وہ کسی جسم سے دوبارہ جی اُٹھے۔ اس جماعت کا عقیدہ فلاسفہ کے عقیدہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ کہ وہ بھی اجسام کے حشر کا انکار کرتے ہیں۔ اور ثواب و عذاب کو روحانی سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ فلاسفہ کے عقیدہ سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ وہ تناسخ کا رد کرتے ہیں۔ اور عذاب روحانی کے قائل ہیں۔ اور یہ لوگ تناسخ کا اثبات بھی کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک عذاب صرف دنیا کا عذاب ہے۔ جس کا وہ تہذیب نفوس کے لئے اثبات کرتے ہیں۔

سوال :۔ حضرت علی امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے اولیاء اللہ سے بھی منقول ہے۔ کہ ان سے بعض نادر افعال اور عجیب و غریب افعال ان کے وجود عنصری کے ساتھ عالم شہادت میں آنے سے بہت مدت پہلے وجود میں آئے۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو پھر یہ تناسخ کے بغیر کیسے ممکن ہے۔؟

جواب :۔ ان اعمال و افعال کا صدور ان بزرگوں کی ارواح سے ہوا ہے۔ جو کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ کی مشیت سے مختلف اجساد سے متجسد ہو کر ان افعال عجیبہ کے مصدر و مورد بنے۔ ان کا کوئی دوسرا جسم نہیں ہے۔ جس سے وہ تعلق رکھیں۔ تناسخ یہ ہے۔ کہ روح اس جسم کے تعلق سے پہلے کسی اور چیز سے تعلق رکھتی ہو۔ جو کہ اس روح سے الگ ہو۔ اور جب روح خود ہی کوئی جسم اختیار کرے۔ تو یہ تناسخ کیسے ہوا۔ جن مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ اور ان سے عجیب و غریب اعمال جو کہ ان اشکال اور اجساد سے مناسبت رکھتے ہیں۔ وقوع میں آتے ہیں۔ اور پھر بھی کوئی تناسخ اور کوئی حلول نہیں ہے۔ جنوں کو اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے یہ طاقت دے رکھی ہے۔ کہ وہ مختلف شکلیں اختیار کر کے عجیب و غریب اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر کاملین کی ارواح کو بھی اللہ تعالےٰ یہ طاقت دے دیں۔ تو تعجب کا کیا مقام ہے۔ اور دوسرے بدن کی کیا ضرورت ہے۔؟

اور اسی قسم کے وہ واقعات ہیں۔ جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک ہی وقت میں وہ کئی ایک مقام پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور ان سے مختلف افعال وقوع میں آتے ہیں۔ اس جگہ بھی ان کے لطائف مختلف اجسام اور مختلف اشکال اختیار کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کے وہ واقعات ہیں۔ کہ مثلاً کوئی عزیز ہندوستان میں اپنی رہائش رکھتا ہے۔ اور اس جگہ سے کبھی باہر نہیں گیا۔ ایک جماعت مکہ معظمہ سے آئی ہے۔ اور کہتی ہے۔ کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے۔ اور اس اس طرح کے واقعات ہمارے اور ان کے درمیان گزرے ہیں۔ اور کچھ لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے۔ اور ایک دوسری جماعت نے اس کو بغداد میں دیکھا ہے۔ یہ سب کچھ اس عزیز کے لطائف کی شکلیں ہیں۔ جو مختلف اشکال میں ظاہر ہوئی ہیں۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس عزیز کو ان تشکلات کی اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس جماعت کے جواب میں

کبھی وہ کہتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ مجھ پر الزام ہے۔ میں تو اپنے گھر سے باہر ہی نہیں نکلا۔ نہ کبھی میں نے حرم کعبہ دیکھا ہے۔ اور نہ ہی روم اور بغداد کو پہچانتا ہوں۔ اور میں نہیں جانتا۔ کہ تم کون لوگ ہو۔ اور اسی طرح حاجتمند لوگ اولیاء اللہ سے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی مخالف و مہالک میں امداد طلب کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ ان اولیاءؒ کی صورتیں حاضر ہو جاتی ہیں۔ اور ان مصائب کو دور کر دیتی ہیں۔ اور پھر ان اولیاء اللہ کو بھی کبھی اس کی اطلاع ہوتی ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتی۔ ؎

انا و شما بہانہ برساختہ اند[1]

اور یہ جو ان عزیزوں کے لطائف کا تشکل ہے۔ اور یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے۔ اور کبھی عالم مثال میں چنانچہ یک ہی رات میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہزاروں لوگ مختلف صورتوں میں خواب دیکھتے ہیں۔ اور انسے استفادہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی آنحضرتؐ کے صفات و لطائف کی مختلف مثالی شکلیں اور اسطرح پیروی کی مثالی صورتوں سے مرید استفادہ کرتے ہیں۔ اور اپنی مشکلات حل کرتے ہیں

پوشیدہ اور ظاہر ہو جانا جو بعض مشائخ نے کہا ہے۔ اس کا تناسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ تناسخ میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے ثبوت حیات اور اس بدن کے حس و حرکت کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ اور بروز میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے اس غرض کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ اور بروز میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے اس غرض کے حصول کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے مقصود اس بدن کے لئے کمالات کا حصول اور درجات تک وصول ہوتا ہے جیسا کہ جن کسی انسان سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے جسم میں ظاہر ہوتا ہے تو یہ تعلق اس آدمی کی زندگی کے لئے نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو اس تعلق سے پہلے بھی زندہ اور حساس اور متحرک ہے۔ اور وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں نئی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس جن کی حرکات و سکنات اور اس کی صفات کا ظہور ہوتی ہے

اور صحیح الاحوال مشائخ تو بروز اور کمون (ظاہر اور پوشیدہ ہو جانا) کے متعلق بھی زبان نہیں کھولتے۔ اور ناقصوں کو فتنہ اور مصیبت میں نہیں ڈالتے۔ اور اس فقیر کے نزدیک تو کمون اور بروز کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر کوئی کامل کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے۔ تو وہ اس میں ظاہر ہوئے بغیر بھی خداوند تعالیٰ کی قدرت سے اپنی صفات کاملہ اس ناقص مرید میں منعکس کر سکتا ہے۔ اور توجہ و التفات سے اس انعکاس کو ثبات اور استقرار بھی دے کر مرید ناقص کو کمال میں لے آتا ہے۔ اور اس کی بری صفات کو اچھی صفات سے تبدیل کر دیتا ہے۔ اور اس کے باوجود کمون بروز کا کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس پر چاہے کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

---

[1] یہ ہم اور تم پر الزام رکھ دیا گیا ہے۔

اور کچھ لوگ روح کے منتقل ہونے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ روح کو کمال حاصل ہونے کے بعد ایسی طاقت مل جاتی ہے۔ اگر وہ چاہے۔ تو اپنے بدن کو چھوڑ کر کسی دوسرے بدن میں داخل ہو سکتا ہے۔

بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک عزیز کو یہ کمال اور قدرت حاصل تھی۔ اس کی ہمسائیگی میں ایک جوان آدمی فوت ہو گیا۔ تو اس عزیز نے اپنے بدن کو جو کہ بڑھاپے تک پہنچ چکا تھا۔ چھوڑ دیا۔ اور اس جوان کے بدن میں داخل ہو گیا۔ یہانتک کہ پہلا جسم مر گیا۔ اور اسکا دوسرا جسم زندہ ہو گیا۔ تو یہ قول بھی تناسخ کو مستلزم ہے۔ کہ دوسرے بدن سے تعلق اس بدن کی زندگی کے لئے ہے۔ بس فرق ہے تو صرف اتنا کہ تناسخ کا قائل نفس کے نقصان کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور تناسخ کا اثبات اس نفس کی تکمیل کے لئے کرتا ہے۔ اور جو روح کے منتقل ہونے کا قائل ہے۔ وہ روح کو کامل سمجھتا ہے۔ اور روح کے کمال کے بعد منتقل ہونے کا اثبات کرتا ہے۔

اس فقیر کے نزدیک روح کے منتقل ہونے کا قول تناسخ کے قول سے بھی کم تر اور گرا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ تناسخ کے قائل تکمیل نفس کے لئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ اعتبار بھی باطل ہے۔ اور روح کے منتقل ہونے کو حصول کمال کے بعد خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ جب ان لوگوں نے ابدان کی تبدیل کمالات کے حصول کے لیے قرار دی ہے۔ تو کمال کے حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں منتقل ہونا کس لئے ہے۔ اہل کمال تماشائی نہیں ہیں۔ ان کی ہمت قوی ہے۔ کہ حصول کمال کے بعد ابدان سے فارغ ہوتے ہیں۔ نہ کہ دوسرے ابدان سے تعلق قائم کرتے ہیں کیونکہ جو کچھ بدن کے تعلق سے مقصود تھا۔ وہ تو حاصل ہو چکا۔

اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ روح کے منتقل ہونے میں پہلے جسم کی موت اور دوسرے جسم کی زندگی ہے۔ تو پہلے بدن کو برزخ کے احکام کے حصول سے چارہ نہیں ہوگا۔ اور قبر کے عذاب و ثواب سے مفر نہ ہوگا۔ اور دوسرے بدن کو جب دوسری زندگی کا اثبات کرتے ہیں۔ تو اس کے حق میں حشر دنیا ہی میں ثابت ہو گیا۔ میں نہیں سمجھتا۔ کہ روح کے منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنے والے اس کے عذاب و ثواب قبر کے قائل بھی ہوں۔ اور حشر و نشر کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ افسوس ہزار افسوس۔ کہ اس قسم کے جھوٹے لوگ اپنے آپ کو شیخی کی مسند کے لائق سمجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں۔ یہ خود بھی گمراہ ہیں۔ اور لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

اے اللہ بحرمت سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

ذیلی بحث

(بعض ان علوم و معارف کے بیان میں۔ جو کہ عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔)

جاننا چاہیئے۔ کہ عالم مثال تمام عوالم سے فراخ تر ہے۔ جو کچھ بھی تمام عوالم میں ہے۔ اس کی صورت عالم مثال میں موجود ہے۔ معقولات و معانی بھی اس عالم میں صورت رکھتے ہیں۔ اہل علم نے کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ لیکن مثال ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالےٰ کے لئے بلند مثال ہے۔) اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ تنزیہ خالص کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں ہے۔ مثال بھی نہیں ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (اللہ تعالےٰ کے لئے مثال نہ بیان کرو۔) اور عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے۔ کہ خیال میں تمام اشیاء کی صورتیں منقوش ہیں۔ سالک کے مقامات و احوال کی کیفیتوں کو خیال ہی متصور کر کے دکھاتا ہے۔ اور اہل علم سے بنا دیتا ہے۔ اور اگر خیال نہ ہو۔ یا وہ کوتاہی کرے۔ تو جہل لازم آئے گا۔ اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل و حیرت ہے۔ کیونکہ خیال کی دوڑ دھوپ تو صرف مراتب ظلال تک ہے۔ جس جگہ ظل (سایہ) نہ ہوگا۔ وہاں خیال کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور جب صورت تنزیہی عالم مثال میں نہ ہوگی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تو خیال میں بھی جو کہ عالم مثال کا پرتو ہے۔ کس طرح صورت تنزیہی متصور ہو سکتی ہے۔ تو لازمی چیز ہے۔ کہ اس جگہ سوائے جہالت اور حیرت کے کچھ نہ ہوگا۔ اور جس جگہ علم نہیں ہوتا۔ وہاں گفتگو بھی نہیں ہوتی۔ (جس نے اللہ کو پہچان لیا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی) اس کا نشان ہے۔ اور جس جگہ علم ہوگا۔ وہاں گفتگو بھی ہوگی۔ (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان لمبی ہو گئی۔) اس کا بیان ہے۔

پس زبان کی حرکتی ظلال میں ہوتی ہے۔ اور ظلال کے مراتب سے اوپر زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ فعل ہو یا صفت۔ اسم ہو یا مسمّٰی پس جو کچھ بھی خیال نے تراشا ہے۔ وہ چونکہ ظلال ہے۔ اور علت سے معلول اور جہل مجہول ہے۔ اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ چونکہ وہ مطلوب کے آثار و علامات سے ہے۔ لہٰذا یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے۔ عین الیقین اور حق الیقین ظلال اور خیال سے بہت اوپر ہیں۔

خیال کی تراشیدہ چیزوں سے اس وقت خلاصی میسر آتی ہے۔ جب کہ سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ جائے۔ اور آفاق و انفس سے اوپر جولانی دکھانے لگے۔ یہ مقام اکثر اولیاء کو موت کے بعد میسر آتا ہے۔ جب تک زندگی رہتی ہے۔ خیال ان کا دامنگیر رہتا ہے۔ اور اکابر اولیاء میں سے بہت کم لوگوں کو یہ دولت اس دنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ وہ دنیوی زندگی کے باوجود خیال کے غلبہ کے تصرف سے باہر آجاتے ہیں۔ اور خیال کی تراش و خراش کے بغیر اپنے پہلو میں لے لیتے ہیں۔ اور اس وقت ان بزرگواروں کے حق میں تجلی ذاتی برقی۔ دائمی ہو جاتی ہے۔

اور عریان وصل پر تو ڈالتا ہے۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

سوال :- کچھ لوگ اپنے مکاشفات اور خوابوں میں عالم مثال و خیال میں دیکھتے ہیں۔ کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں اور اپنے نوکروں چاکروں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ اور ایسا بھی دیکھتے ہیں۔ کہ ہم قطب ہو چکے ہیں۔ اور تمام دنیا کی توجہ ہماری طرف ہے۔ اور بیداری اور ہوش کے عالم میں جو کہ عالم شہادت میں ہے۔ ان کمالات میں سے کوئی بھی ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ کیا یہ رویت کچھ صداقت رکھتی ہے۔ یا محض باطل ہے۔؟

جواب :- یہ رویت کچھ صداقت رکھتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے۔ کہ بادشاہت اور قطبیت کے معنی اس جماعت میں موجود ہیں۔ لیکن یہ معنی ان میں بہت کمزور ہے۔ اس قابل نہیں ہے۔ کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو۔ اور اس کے بعد دوام سے خالی نہیں ہے۔ اگر یہ معنی اللہ سبحانہ و تعالےٰ کی عنایت سے طاقت پیدا کرے۔ تو اس لائق ہو جاتا ہے کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو تو وہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے عالم شہادت میں بھی بادشاہ بن جاتا ہے۔ اور قطب بھی ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس معنی طاقت نہ پیدا ہو۔ کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو سکے۔ تو پھر اسی ظہور مثالی پر جو کہ سب سے کمزور ظہور ہے۔ کفایت کرنی پڑتی ہے۔ اور اپنی طاقت کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔

اور اسی قسم کے وہ واقعات ہیں جو اس راہ کے طالب دیکھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بلند مقام پر پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ کہ ارباب ولایت کے مناصب سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اگر عالم شہادت میں بھی یہ ظاہر ہو جائے۔ تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔ اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت ہو تو پھر بے فائدہ اور سراسر مصیبت ہے

کیونکہ ہر ایک جولاہا اور حجام بھی خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے۔ اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور سوائے نقصان اور خسارہ کے اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ پس واقعات پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ اور عالم شہادت میں جو کچھ بھی میسر ہو۔ وہی اس کی ملکیت ہے۔

چوں غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

یہی وجہ ہے۔ کہ اکابر نقشبندیہ مکاشفات کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ اور طالبین کے مکاشفات کی تعبیر کی طرف کچھ توجہ نہیں دیتے۔ کہ ان چیزوں کا نفع بہت کم ہے۔ معتبر وہی ہے۔ جو بیداری اور ہوش کے عالم میں میسر ہو۔ اسی لئے دوام شہود کو معتبر سمجھتے ہیں اور استمرار حضور کو دولت جانتے ہیں۔ وہ حضور جس کے پیچھے پچھتانا لگی ہوئی ہو۔ ان بزرگواروں کے نزدیک۔ اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ نسیان ماسوا ان کے حق میں دائمی ہے

لہ نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔ اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے۔ جو وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے ۱۲

چکا ہے۔ اور غیر کا خیال ان کے دل سے ہر وقت زائل رہتا ہے۔ ہاں وہ آدمی جس کی ابتدا میں انتہا، مندرج ہو یہ کلمات اس سے کیا دور ہو سکتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ والسلام

اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مظبوط رکھ۔ اور ہمیں کافر قوم پر مدد اور غلبہ عنایت فرما۔ والسلام

مکتوب نمبر ۵۹

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ معقول و موہوم اور مکشوف و مشہود یہ سب کچھ ماسوی میں داخل ہے۔ اور اس کے متعلقات)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

وہ مکتوب شریف جو آنکھوں کی ٹھنڈک نے ارسال کیا تھا پہنچا۔ لکھا تھا۔ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت سے وہ شعبدے بہر طرف ہو چکے ہیں۔ اور اس جنس کی کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ اب ہمت کی تو جہ اس پر ہے کہ اثبات سے کوئی چیز بھی حاصل نہ ہو۔ موہوم اور معقول سب لا کے تحت داخل ہو جائیں۔ اور اسی طرح کی باتیں اور لکھی تھیں۔ اور یہ سب کچھ ابھی تکلف سے ہے۔ امید ہے کہ بے تکلف بھی نصیب ہو جائے گا۔

اے بخابت آثار! معقول اور موہوم بلکہ مشہود اور مکشوف بھی خواہ وہ آفاقی ہوں، یا انفسی سب ماسوا کے دائرہ میں داخل ہے۔ اور لہو و لعب کا سامان ہے۔ اور اس کی حقیقت شعبدہ بازی میں گرفتار ہونے سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر کہ گرفتاری کا زوال تکلف سے ہے تو طریقت میں داخل ہے۔ اور منجملہ علم الیقین میں سے ہے۔ بہر تقدیر اگر یہ دولت بے تکلف میسر ہو جائے۔ اور نفی کے تکلف سے ماسوی کی نفی تک پہنچ جائے۔ تو طریقت کی تنگنائے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور علم کے کوچہ سے باہر چلا جاتا ہے۔ اور فنا سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یہ بات کہنا تو آسان ہے۔ اور یہاں تک پہنچنا بڑا مشکل ہے۔ بہت ہی مشکل۔ مگر جس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ آسان کریں۔

وہ کاروبار جو حقیقت سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ آگے ہے۔ اور نفی سے گزرنے بلکہ مقام اثبات کی نفی کرنے اور علم الیقین سے باہر ہے۔

جان لینا چاہیئے۔ کہ حقیقت کے مقابل طریقت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور نفی کو اثبات سے کوئی نسبت نہیں

ہے۔ کیونکہ نفی کے متعلقات ممکنات سے ہیں۔ اور اثبات کے متعلقات واجب۔ اور اثبات کے مقابل نفی کی وہی حیثیت ہے۔ جو دریائے بے کنار کے مقابل ایک قطرے کی ہے۔ اور جب یہ نفی واثبات حاصل ہو جاتا ہے تو ولایت خاصہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد یا تو عروج ہے۔ یا نزول۔ اور اگر نزول ہے۔ تو وہ بھی اس عروج کے لیئے لازم ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمارے گناہ بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اور تم پر اور ان سب لوگوں پر سلام ہو۔ جو ہدایت کی پیروی کریں۔ اور مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو لازم پکڑیں۔

مکتوب نمبر ۶۰

محمد تقی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں اور اس بیان میں کہ دین کے زائد امور کی طرف سے منہ پھیر کر ضروریات دین کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اور اسکے متعلقات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

صحیفہ شریفہ سے مشرف ہوا۔ وہ دلائل جن کی راہنمائی آپ کو ہوئی ہے۔ اور جو کچھ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ اسلام کے پہلے دور جو کہ بہترین دور ہے۔ کے اہل حل وعقد کے اجماع سے منعقد ہوئی۔ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی افضلیت کے بارے میں کہ ان کی خلافت کی ترتیب سے ان کی افضلیت ہے۔ اور اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اختلافات اور جھگڑوں کے متعلق خاموشی اختیار کرنے کے متعلق جو کہا ہے۔ ان چیزوں سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ امامت کی بحث میں یہی عقیدہ کافی ہے اور اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالےٰ سعیہم کے موافق ہے۔

میرے مخدوم شفقت آثار! امامت کی بحث دین کے فروعات میں سے ہے۔ نہ کہ اصول شریعت سے۔ ضروریات دین اور چیزیں ہیں۔ جو عقیدہ اور عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور جن کی تفصیل علم کلام اور علم فقہ میں ہے۔ ضروریات کو چھوڑ کر زائد چیزوں کی طرف توجہ کرنا اپنی عمر کو بے فائدہ چیزوں میں صرف کرنا ہے۔

اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ بندہ سے خدا تعالیٰ کے اعراض کی علامت یہ ہے۔ کہ بندہ بے مقصد کاموں میں مشغول ہو جائے۔

اگر امامت کی بحث ضروریات دین اور اصول شریعت سے ہوتی۔ جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی بزرگ کتاب میں خلافت کا تعین کرتا۔ اور کسی خلیفہ کو نامزد کر دیتا۔ اور حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام بھی کسی ایک آدمی کی خلافت کے متعلق کہہ جاتے۔ اور صراحتاً ایک آدمی کو خلیفہ بنا جاتے۔ اور جب کتاب و سنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ امامت کی بحث دین کے زائد امور میں سے ہے۔ نہ کہ اصول دین میں سے کسی فضول آدمی ہی کو زائد چیزوں میں مشغول ہونا چاہیئے۔

دین کی ضروریات اتنی درپیش ہیں۔ کہ زائد چیزوں کی طرف توجہ کرنے کی نوبت ہی نہیں پہنچتی۔ سب سے پہلے تو عقیدہ صحیح کرنے سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ جو کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کے بعد یاد رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ اور یقین اور دین کے تواتر سے ثابت ہو چکا ہے۔ مثلاً حشر و نشر اور آخرت کا دائمی عذاب و ثواب اور تمام سنی ہوئی چیزیں سب حق ہیں۔ ان میں عدم و وجود کا احتمال ہی نہیں ہے۔ اور اگر ایسا عقیدہ حاصل نہ ہو تو نجات نہیں ہوگی۔

دوسرے درجہ پر احکام فقہیہ پر عمل کرنے سے بھی چارہ نہیں ہے۔ اور فرائض اور واجبات بلکہ سنن و مستحبات کی ادائیگی کے بغیر بھی گذارہ نہیں ہو سکتا۔ شریعت کے حرام و حلال کی رعایت بھی اچھی طرح کرنی چاہیئے۔ اور حدود شریعت میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات و رہائی کی صورت نظر آئے۔ اور جب عقیدے اور عمل کو درست کرے گا۔ تو صوفیاء کے طریقہ کی نوبت پہنچے گی۔ اور ولایت کے کمالات کا امیدوار ہوگا۔ اور ضروریات دین کے مقابل امامت کی بحث تو ایسی ہے۔ جیسے کوئی راستے میں پھینکی ہوئی چیز۔

مختصر یہ کہ جب مخالفوں نے اس باب میں غلو کیا ہے۔ اور اصحاب خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق طعنہ زنی کی ہے۔ تو ضرورت کے مطابق ان کے رد میں لمبے چوڑے مقدمات ضرور لکھنے چاہئیں۔ کہ دین متین سے فساد کے لزوم کو رفع کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۶۱

(مولانا احمد برکی کی تعزیت اور دوستوں کو نصیحت اور مولانا حسن کو اس حلقہ کا سردار مقرر کرنے اور اس کے

مناسبات کے متعلق صادر فرمایا۔م

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے۔ اور مغفرت پناہ مولانا احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کرتے ہوئے لکھتا ہوں۔ کہ مولانا کا وجود شریف اس وقت مسلمانوں کے لئے خداوند تعالےٰ کی آیات میں سے ایک نشان تھا۔ اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھی۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر۔ اور اس کے بعد فتنہ میں نہ ڈال۔

دار فانی سے گزر جانے والوں کو دوستوں اور یاروں سے امداد اور اعانت کی امید اور خواہش ہوتی ہے۔ اور مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دلجوئی دوستوں اور محبت کرنے والوں پر لازم ہے۔ کوشش کریں۔ کہ مرحوم کے فرزند پڑھیں۔ اور علوم شرعی سے آراستہ ہوں۔ مرحوم کے احسانات کا بدلہ اس کے فرزندوں سے احسان کرنا ہے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (احسان کا بدلہ احسان ہے۔) اور مرحوم کے اوضاع و اطوار کی رعایت ملحوظ رکھیں۔ اور ان کے احوال و اوقات کی رعایت کریں۔ اور ذکر کے طریقہ اور مشغولی کے حلقہ میں قصور واقع نہ ہونا چاہئے۔ تمام دوست مل کر بیٹھیں۔ اور ایک دوسرے میں فانی ہوں۔ تاکہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اس فقیر نے اس سے پہلے محض اتفاقیہ طور پر لکھا تھا۔ کہ اگر مولانا سفر پر روانہ ہوں۔ تو اپنی جگہ شیخ حسن کو مقرر کر جائیں۔ تقدیر میں یہ سفر مراد تھا۔ اب جب کہ ہم دوبارہ ملاحظہ کرتے ہیں۔ تو شیخ حسن ہی کو اس کام کے لئے متعین پاتے ہیں۔ یہ بات بعض دوستوں کو ناگوار نہ گزرے۔ کہ یہ معاملہ ہمارے اور ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ فرمانبرداری لازمی ہے۔ شیخ حسن کا طریقہ مولانا کے طریقہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ پھر آخری بات یہ بھی ہے۔ کہ مولانا نے آخر میں جو نسبت اس جگہ سے حاصل کی ہے۔ شیخ حسن کو بھی اس نسبت میں شرکت ہے۔ اور دوسرے دوستوں کو اس سے بہت کم حصہ ملا ہے۔ ہر چند کہ وہ کشف و شہود پیدا کریں۔ اور توحید و اتحاد سے آراستہ ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ دولت دوسری ہے۔ اور یہ کاروبار علیحدہ ہے۔ اور ان کشوف کی اس جگہ ایک جَو کی قیمت بھی نہیں ہے۔ اور اس توحید و اتحاد سے استغفار کرتے ہیں۔

قصہ مختصر چاہئے۔ کہ دوست شیخ حسن کو سردار مقرر کرنے میں توقف نہ کریں۔ اور ان کو اپنے حلقہ کا سردار سمجھیں اور اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ میرے بھائی خواجہ دریں اس معنی کو دوستوں کے ذہن نشین کرائیں۔ اور مشغولی کے حلقہ کی دلالت کریں۔ اور شیخ حسن کو ترغیب فرمائیں۔ اور شیخ حسن کو بھی چاہئے۔ کہ وہ بزرگوں کی دلجوئی کریں۔ اور اکابر اسلامی کے حقوق بجالائیں۔ اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑیں۔ اور شریعت کے احکام کی اشاعت کریں۔ اور سنت

سنیہ کی پیروی کی ترغیب دیں۔ اور بدعات سے ڈرائیں۔ اور عاجزی اور زاری کے طریق کو نہ چھوڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ نفس امارہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں پر تقدم و ریاست کی وجہ سے ہلاکت میں ڈال دے۔ اور تباہ و برباد کر دے۔ ہر وقت اپنے آپ کو ناقص اور نامکمل سمجھیں۔ اور اپنے کمال کے طالب رہیں۔ نفس اور شیطان دو طاقتور دشمن گھات میں بیٹھے ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ وہ راہ سے بھٹکا دیں۔ اور خائب و خاسر بنا ڈالیں۔ ؎

همه اندرز من بر تو ایں است که تو طفلی و خانه رنگین است[1]

ہندوستان آپ سے دور ہے۔ اور سال بھر میں ایک قافلہ آتا ہے۔ اور خبر لاتا اور لے جاتا ہے۔ اپنے حالات لکھتے رہیں۔ اگر ہم تک نہ بھی پہنچ سکیں۔ تو بھی لکھنے میں غفلت نہ کریں۔ میاں شیخ یوسف ہم سے قریب ہیں۔ وہ کافی مدت تک یہاں رہے ہیں۔ اور انہوں نے بہت سے فائدے حاصل کئے ہیں۔ اور فنا کی حقیقت سے مطلع ہو چکے ہیں۔ وہ واپس آنے کے وعدے پر گھر گئے تھے۔ وہ ایک مستعد اور مخلص آدمی ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

چونکہ آپ دور ہیں۔ لہٰذا نصیحتوں میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ ہوشیار رہنا اور سرداری کو اپنی جان کے لئے مصیبت سمجھنا۔ اور ترساں و لرزاں رہنا ایسا نہ ہو۔ کہ اس ریاست میں لذت پیدا ہو جائے۔ اور ہمیشہ کی ہلاکت تک پہنچا دے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے۔ اور ہمارے قدم ثابت رکھ۔ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد عطا فرما۔ تیرا رب جو عزت کا رب ہے مشرکوں کی بکواس سے پاک ہے۔ اور سلام ہو پیغمبروں پر اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے

مکتوب نمبر ۶۲

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اور بنی نوع کے ساتھ مل کر رہنے اور زندگی گذارنے کے لئے محتاج ہے۔ اور انسان کی خوبی اسی احتیاج میں ہے۔ اور اس کے مناسبات کے متعلق)

---

[1] میری تجھے تمام نصیحتیں یہی ہیں۔ کہ تو ایک بچہ ہے۔ اور مکان بہت رنگین ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

حق سبحانہ وتعالےٰ سے آپ کی ظاہری اور باطنی ترقیات کا سوال کرتا ہوں۔ کہ آپ کی درستی اور خیریت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی دلجمعی اور آرام کی متضمن ہے۔ آپ کے لئے دعا گویا ان سب کے لئے دعا ہے اللہ سبحانہ وتعالےٰ آپ کو بحرمت سید المرسلین علیہ وعلی آلہ کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا تمام ایسی چیزوں سے محفوظ رکھے۔ جو آپ کی جناب کے لائق نہ ہوں۔

چونکہ میں آپ کی سلسلہ علیہ نقشبندیہ کے اکابرین قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم سے بہت ہی محبت وارادت واخلاص کی نسبت کو جانتا ہوں۔ لہٰذا آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔

میرے مخدوم مکرم! اس سلسلہ علیہ والے اس ملک میں مسافروں کی طرح ہیں۔ اور اس علاقہ کے لوگوں کو بدعات کی کثرت کی وجہ سے اس طریقہ کے اکابرین سے جو کہ سنت کا التزام رکھتے ہیں۔ بہت ہی تھوڑی مناسبت ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس سلسلہ کے بعض آدمی اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اس طریقہ علیہ میں بھی بدعات اختیار کرنے لگے ہیں اور بدعت کے اختیار کرنے کی وجہ سے اس علاقہ کے آدمیوں کے دل اپنی جانب مائل کرنے لگے ہیں۔ اور اس کام کو اپنے فاسد خیال کی بنا پر اس طریقہ علیہ کی تکمیل سمجھتے ہیں۔ پناہ بخدا۔ بلکہ اس جماعت نے اس طریقہ علیہ کو ضائع کرنے اور بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اس طریقہ کے اکابرین کے معاملہ کی حقیقت تک نہیں پہنچے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ انہیں سیدھے راستے کی راہنمائی کرے۔

چونکہ اس سلسلہ علیہ والے اس ملک میں بہت تھوڑے لوگ ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں محبت رکھنے والوں اور مریدوں پر لازم ہے۔ کہ ان اکابرین کے خلفاء اور مریدین کی امداد واعانت کریں۔ کیونکہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ وہ اپنے بنی نوع کے ساتھ زندگی گذارنے کا محتاج ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ[1] (اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے۔ اور جو ایمانداروں میں سے آپ کے تابع ہیں) جب کہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمات میں بھی ایمانداروں کو داخل فرمایا ہے۔ تو دوسروں کے لئے کیا مضائقہ ہے۔

اکثر دولتمند لوگ اس وقت درویشی کے لئے محتاجی کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ انسان اپنی ذات میں محتاج ہے۔ بلکہ تمام کائنات فطرتاً محتاج ہے۔ بلکہ انسان کی خوبی ہی اسی محتاجی میں ہے۔ اور اس کی بندگی اللہ مسکینی اسی راہ سے پیدا ہوتی ہے۔ فرض کرو۔ اگر محتاجی انسان سے زائل ہو جائے۔ اور استغنا آجائے تو سوائے گناہ

---

[1] سورہ انفال پارہ ۱۰۔

اور سرکشی اور طغیانی اور نافرمانی کے اور کیا چیز اس کو حاصل ہوگی۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی۔ (انسان جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے۔ تو سرکشی کرتا ہے۔)

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ فقراء ماسوی کی گرفتاری سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور وہ محتاجی جو اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کو مسبب الاسباب کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اور اگر دولت وسیع ہو جائے۔ تو اسے اللہ تعالےٰ کے خوان نعمت سے سمجھتے ہیں۔ دینے والا اور روک لینے والا حقیقت میں اسی سبحانہ وتعالےٰ کو سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ اسباب کو حکمتوں اور مصلحتوں کا واسطہ بنا دیا گیا ہے اور خوبی اور بدی کو اسباب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ تو یہ بزرگ وار بھی شکر اور شکایت کو اسباب کی طرف راجع سمجھتے ہیں۔ اور نیک و بد کو بظاہر انہی اسباب سے جانتے ہیں۔ کیونکہ اگر اسباب کا دخل نہ سمجھا جائے۔ تو اس کارخانہ عظیم کا ابطال لازم آتا ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا۔ (اے اللہ تو نے اس کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔

سیادت پناہ۔ حقائق و معارف آگاہ میر ہے بھائی اور میرے عزیز میر محمد نعمان کا وجود شریف آپ کے علاقہ میں بہت غنیمت ہے۔ اور ان کی دعا اور توجہ کبریت احمر ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ آپ کی دولت کی پختگی اور پائیداری انہی کی توجہات کے فیوض و برکات سے ہے۔ اور میں غائب اور حاضر میں ان کو آپ کا ممد و معاون پاتا ہوں۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے آپ کی خوبیاں غائبانہ طور پر اس فقیر کو لکھ بھیجی تھیں۔ اور جو آپ کو اس فقیر کی نسبت محبت اور اخلاص ہے۔ وہ بھی درج کیا تھا۔ اور اظہار کیا تھا۔ کہ اس علاقہ کی صوبہ داری کسی اور کو سپرد کر رہے ہیں۔ یہ وقت توجہ اور دستگیری کا ہے۔ فقیر کو اس خط کے مطالعہ کے دوران میں اس کے متعلق توجہ حاصل ہوئی۔ تو اس وقت آپ کا بہت بلند مرتبہ دیکھا۔ اور ظاہر طور پر اسی وقت میں ایک شخص جا رہا تھا۔ تو اس خط کے متعلق میں نے یہ عبارت لکھی تھی۔ کہ مجھے خانخاناں بہت بلند مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اور معاملہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۳

نور محمد انبالی کی طرف صادر فرمایا۔

ف سورۃ العلق پارہ ۱۲۔

(ان کے اس استفسار کے جواب میں جو انہوں نے پوچھا تھا۔ کہ پیر کی زندگی میں اگر کوئی طالب کسی اور شیخ کے پاس چلا جائے۔ اور اس سے حق جل و علا کی طلب کرے۔ تو یہ جائز ہے۔ یا نہیں؟)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

حمد اور صلوٰۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے۔ کہ جو مکتوب آپ نے ارسال کیا تھا آپ نے پوچھا تھا۔ کہ پیر کی زندگی کے باوجود اگر کوئی طالب کسی اور شیخ کے پاس چلا جائے۔ اور اس سے خداوند تعالےٰ کی طلب کرے۔ تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مقصود حق سبحانہ وتعالےٰ ہے۔ اور پیر حق تعالےٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر کوئی طالب اپنی بھلائی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے۔ اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق سبحانہ وتعالےٰ سے جمع پائے۔ تو جائز ہے۔ کہ پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شیخ کے پاس چلا جائے۔ اور اس سے بھلائی طلب کرے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے۔ اور اس کو نیکی سے یاد کرے۔

خصوصاً اس وقت میں کہ پیری اور مریدی اب رسم اور عادت کے سوا اور کچھ نہیں رہی ہے۔ اس وقت کہ اکثر پیر اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتے۔ اور ایمان اور کفر میں کوئی امتیاز نہیں کر سکتے۔ وہ خداوند تعالےٰ سے کیا خبر دے سکیں گے۔ اور مرید کو کونسی راہ دکھائیں گے۔ ؎

؎ آگاہ از خویشتن چوں نیست جنین ۔ کے خبر دارد از جہاں چنین

اس مرید پر افسوس ہے۔ جو ایسے پیر پر اعتماد کر کے بیٹھ جائے۔ اور دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور خدا جل شانہ کی راہ معلوم نہ کرے۔ شیطانی وسوسے ہیں۔ جو کہ پیر ناقص کی زندگی کے ذریعہ آتے ہیں۔ کہ وہ طالب کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے روک دیں۔ جس جگہ بھی بھلائی اور جمعیت خاطر حاصل ہو۔ بے تامل اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور شیطانی وساوس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۴

محمد معصوم والد مرحوم خواجہ علی خاں کی طرف صادر فرمایا۔

؎ ماں کے پیٹ کا بچہ جب اپنی خبر بھی نہیں رکھتا۔ تو وہ اور کسی کی کیا خبر رکھے گا۔ ۱۲

(اس مضمون میں کہ حالات کی تبدیلی اور کمینی دنیا کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیئے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر اس چیز سے محفوظ رکھے۔ جو آپ کے حال کے لائق نہ ہو۔ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ (۱) اور قیدیوں کے حال کے مناسب یہاں درد و الم اور اندوہ اور مصیبت ہے۔ حالات کی تبدیلی سے تنگ دل نہ ہونا چاہیئے۔ اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دلگیر نہ ہونا چاہیئے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ (۲) (ایک تنگی کے ساتھ دو فراخیاں ملادی گئی ہیں۔ شائد ان سے دنیا اور آخرت کی فراخی مراد ہو۔ ۳)

۴ باکریماں کارہا دشوار نیست

باقی اس علاقہ کے حالات سیادت مآب توفیق آثار میرے بھائی میر سید عبدالباقی زبانی بیان کردیں گے۔ وہ آپ کے حقوق اور شفقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کی ملاقات کی طرف متوجہ ہوں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۵

مولانا محمد ہاشم خادم کی جانب صادر فرمایا

اس بیان میں کہ بے فائدہ امور سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

حمد و صلوٰۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے۔ کہ اس مدت میں آپ نے اپنے باطنی احوال کی کوئی معتدبہ خبر نہیں لکھی۔ کہ وہ خوشی کا باعث ہوتی۔ دنیا کے امور بے فائدہ ہیں۔ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں اتنی قیمت نہیں رکھتیں کہ احوال آخرت کو یاد کرنا چھوڑ دیا جائے۔ اور آدمی لغویات میں مشغول ہو جائے۔ ہر چند کہ آپ کی نیت ٹھیک

---

۱ شرح السنہ بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲

۲ سورہ الم نشرح پارہ عم ۱۲

۳ سنی لوگوں پر کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ ۱۲

ہوگی۔ لیکن حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیوں کی طرح ہیں) آپ نے سنا ہوگا۔

بہر حال احوال باطن کی طرف متوجہ ہوں۔ اور دنیا کے ضروری کام بھی پورے کریں۔ اور ضرورت کا اندازہ تو ضرورت کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ کہ اس جگہ کے فقراء اگرچہ مقرر روزینہ نہیں رکھتے لیکن بے محنت و کوشش اتنا آجاتا ہے۔ کہ فراغی سے وقت گزر رہا ہے۔ اور بقدر کفایت سے زیادہ پہنچ جاتا ہے۔ نیا دن اور نئی روزی پر ہماری گزر ہے۔ باقی اس علاقہ کے دوسرے حالات قابل تعریف ہیں۔ ان چند مہینوں میں وبا چھوٹ پڑی تھی۔ جس کی موت کا وقت آچکا تھا۔ وہ فوت ہوگیا۔ اور اب وبا دور ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کی حمد اور تعریف ہے۔ اور اسی کا احسان ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۶

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا۔

(توبہ وانابت اور تقویٰ و پرہیزگاری اور اسکے متعلقات کے بیان میں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

چوں کہ عمر عزیز گناہوں۔ لغزشوں اور تقصیرات اور بیہودگیوں میں گذاری ہے۔ لہٰذا چاہتا ہوں۔ کہ توبہ و انابت کی بات کروں۔ اور پرہیزگاری اور تقویٰ کی طرف توجہ کروں۔ اللہ تبارک و تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ [1] اے ایماندارو سب اللہ تعالےٰ کی طرف توبہ کرو۔ تاکہ تم نجات پاؤ۔

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ۔ [2] اے ایماندارو اللہ تعالےٰ کی طرف خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے دور کردے۔ اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے۔ جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

---

[1] سورۃ نور پارہ قد افلح ۱۸ [2] سورۃ تحریم قد سمع اللہ ۱۲

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔ ظاہری اور باطنی سب گناہ چھوڑ دو۔

تو گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لئے فرض عین اور ضروری ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ کوئی انسان اس سے بے نیاز ہو۔ کیسے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ حالانکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بھی توبہ سے بے نیاز نہ ہوئے۔ خاتم النبیین اور پیغمبروں کے سردار علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات نے فرمایا۔[1] میرے دل پر کچھ غبار سا آجاتا ہے اور میں دن رات میں اپنے اللہ سے ستر مرتبہ بخشش مانگتا ہوں۔

پھر اگر گناہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں۔ اور بندوں کے حقوق اور مظالم سے تعلق نہ رکھتے ہوں جیسے زنا کرنا۔ شراب پینا۔ راگ سننا اور غیر محرم کی طرف دیکھنا اور قرآن مجید کو بغیر وضو کے چھونا یا بدعت کا عقیدہ رکھنا تو ان کی توبہ یہ ہے۔ کہ گناہوں پر ندامت اور حسرت وافسوس ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں معافی کی درخواست کرے۔ اور اگر اس نے فرائض چھوڑے ہوں۔ تو ان کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

اور اگر گناہ لوگوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہوں۔ تو ان کی توبہ اس طرح ہے۔ کہ وہ حقوق ادا کرے اور انہیں معافی لے۔ اور ان سے اچھا سلوک کرے۔ اور ان کے لئے دعا مانگے۔ اور اگر صاحب حق فوت ہو چکا ہو۔ تو اس کے لئے استغفار کرے۔ نیکی کر کے اسے بخشے۔ اور مال اس کی اولاد اور وارثوں کے سپرد کرے۔ اور اگر اس کے وارث معلوم نہ ہوں۔ تو گناہ اور مال کے اندازے کے مطابق صاحب مال کی نیت سے یا جسے بغیر حق کے تکلیف دی ہے۔ فقیروں اور مسکینوں پر مال صدقہ کرے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ اور وہ سچے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔[2] جو آدمی کوئی گناہ کرے۔ پھر کھڑا ہو اور وضو کرے۔ اور نماز پڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگے۔ تو اللہ تعالیٰ برحق ہے۔ کہ اس کو معاف کر دے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔[3] اور جو آدمی کوئی برائی کرے۔ یا اپنی جان پر ظلم کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے۔ تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے۔[4] جو آدمی کوئی گناہ کرے۔ پھر اس پر اسکو ندامت

---

[1] سورہ انعام پارہ ۷ رکوع ۱۸۔

[2] مسلم شریف ۱۲

[3] سنن اربعہ۔ اور ابن حبان اور ابن السنی

[4] سورہ نساء پارہ والمحصنات ۱۲۔ [5] احمد۔ طبرانی۔ بیہقی بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲

ہو تو وہ ندامت اس گناہ کا کفارہ ہے"۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ "جب بندہ[1] کہتا ہے"۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں"۔ پھر گناہ کرتا ہے۔ اور پھر اسی طرح کہتا ہے۔ پھر تیسری مرتبہ گناہ کرتا ہے۔ اور معذرت کرتا ہے۔ پھر چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ تو اس وقت اس کا یہ قول کبیرہ گناہوں میں لکھا جاتا ہے۔

اور حدیث نبوی میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسوف لوگ ہلاک ہو گئے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ عنقریب توبہ کریں گے۔

اور لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔ اے بیٹا توبہ کو کل پر موخر نہ کر دینا۔ کیونکہ موت ناگہانی طور پر آجاتی ہے۔

اور مجاہد نے کہا۔ جو آدمی صبح و شام توبہ نہ کرے۔ وہ ظالمین میں سے ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ حرام کا ایک پیسہ واپس کرنا حلال کے سو پیسے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

اور کہا گیا ہے۔ کہ چاندی کی ایک درہم واپس کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو مقبول سے زیادہ افضل ہے۔

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے گا۔ اور ہم پر رحم نہ کرے گا۔ تو ہم خسارہ اٹھانے والوں سے ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے تو میرے فرائض ادا کر۔ تو سب سے زیادہ عبادت گذار ہو گا۔ اور میرے نواہی سے باز آجا۔ تو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو گا۔ اور تو میرے دیئے ہوئے رزق پر صبر کر۔ تو سب سے زیادہ غنی ہو گا۔

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا۔ تو پرہیزگار بن جا۔ تو سب سے زیادہ عبادت گذار ہو گا۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ پرہیزگاری کا ایک ذرہ نماز روزے کے ہزار مثقال سے زیادہ بہتر ہے۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کل کو اللہ تعالیٰ کے ہمنشین پرہیزگار اور زاہد لوگ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی فرمائی۔ کہ پرہیزگاروں کو جتنا میرا قرب حاصل ہو گا

---

[1] دیلمی شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

[2] یہ حدیث دیلمی کے مسند الفردوس۔ امام بخاری کی تاریخ میں ہے۔ اور خطیب بغدادی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

اتنا کسی کو نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے جاننے والوں میں سے بعض نے کہا ہے۔ جب تک آدمی اپنے اوپر دس چیزوں کو فرض نہ کرے اس کی پرہیزگاری پوری نہیں ہوتی۔ پہلی یہ کہ اپنی زبان کو غیبت سے بچائے۔ دوسری یہ کہ برے گمان سے پرہیز کرے۔ تیسری یہ کہ شبہے اور مذاق سے بچے۔ چوتھی یہ کہ حرام چیزوں سے اپنی نگاہ بند رکھے۔ پانچویں یہ کہ سچ بولے۔ چھٹی یہ کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات سمجھے۔ تکبر وہ مقصود نہ ہو جائے۔ ساتویں یہ کہ اپنے مال کو حق میں خرچ کرے۔ باطل میں خرچ نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ اپنے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔ اور نویں یہ کہ زبان کی حفاظت کرے۔ اور دسویں یہ کہ سنت اور جماعت پر استقامت رکھے۔

اے ہمارے رب ہمارے نور کو بڑھا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

میرے مخدوم مکرم اور شفقت و مکرمت آثار! اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو۔ اور تمام حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیزگاری نصیب ہو جائے۔ تو یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اور انتہا درجے کی دولت ہے۔ ورنہ بعض گناہوں سے توبہ اور بعض محرمات سے پرہیز بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کے انوار و برکات دوسرے بعض میں بھی سرایت کریں۔ اور تمام گناہوں سے توبہ اور پرہیز کی توفیق نصیب ہو جائے۔ جو چیز ساری نہ مل سکے۔ وہ ساری نہ چھوڑی جائے۔

اے اللہ ہمیں بحرمت سید المرسلین و قائد الغر المحجلین علیہ و علیہم و علی آل کل من الصلوت افضلہا و من التسلیمات اکملہا اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ اور اپنی رضامندی کے کاموں کی توفیق عطا فرما۔

مکتوب نمبر ۶۷

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا۔

(اہل سنت و جماعت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عقائد اور ارکان خمسہ اسلام اور کلمہ حق کہنے کی ترغیب یعنی سلطان وقت کے سامنے اسلام پیش کرنے اور ان کے مناسبات کے بیان میں۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

گرامی نامہ جو از روئے کرم و التفات فقیر ان نامراد کے نام روانہ فرمایا تھا پہنچا۔ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے۔ کہ ایسے پرشبہ و اشتباہ وقت میں اس نے سعادتمند کو اپنی اچھی فطرت کی وجہ سے بے مناسبتی کے باوجود فقیران دور از

کار سے نیاز مندی کا خیال ہے۔ اور اس جماعت کے ساتھ ایمان حاصل ہے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ مختلف تعلقات اس دولت کے حاصل کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتے۔ اور پراگندہ توجہات نے ان کی محبت سے باز نہیں رکھا۔ اس بہت بڑی نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ اور امید رکھنی چاہیئے۔ کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ کہ جس سے اس کی محبت ہوگی۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے[1]

اے نجابت و سعادت آثار! سب سے پہلے آدمی کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق جو کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے عقیدے کا درست کرنا لازمی ہے۔ تاکہ آخروی نجات و کامیابی متصور ہو سکے۔ اور بداعتقادی جو اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ سم قاتل ہے۔ جو ابدی موت اور دائمی عذاب تک پہنچاتی ہے۔ اور اگر عمل میں کچھ کوتاہی اور سستی ہو تو اس کی بخشش کی امید ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر عقیدہ میں سستی ہو تو اس کی معافی کی امید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قہاراً شرک کو معاف نہیں کریں گے۔ اور اسکے علاوہ جو گناہ ہیں۔ وہ جسے چاہیں۔ معاف کردیں۔ (سورہ نساء)

اہل سنت و جماعت کے عقائد کو مختصر طور پر لکھا جاتا ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق اپنے عقیدہ کی تصحیح کریں اور اس دولت پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے عاجزی اور زاری سے استقامت کی دعا کریں

جان لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے عدم سے وجود میں آئی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ قدیم و ازلی ہیں۔ اور باقی تمام اشیاء حادث اور نئی پیدا شدہ ہیں۔ اور جو قدیم و ازلی ہے۔ وہ باقی اور ابدی ہے۔ اور جو حادث اور نیا پیدا شدہ ہے۔ وہ فانی اور ہلاک ہونے والا ہے۔ یعنی وہ زوال کے میدان میں ہے۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ اکیلا ہے۔ ان کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں۔ اور نہ عبادت کے مستحق ہونے میں۔ وجود وجوب (لازمی طور پر قائم رہنا) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے لائق نہیں اور عبادت کا استحقاق اس کے سوا کسی کے لئے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ صفات کاملہ رکھتا ہے۔ جن میں سے حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر کلام اور تکوین بھی ہیں۔ یہ صفات ازلی اور قدیمی ہیں۔ اور اللہ جل سلطانہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

حوادث کے ساتھ تعلقات کا ہونا صفات کے قدیم ہونے میں خلل نہیں ڈالتا۔ اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کے لئے مانع نہیں ہے۔ فلاسفہ نے اپنی بیوقوفی سے اور معتزلہ نے اپنے اندھاپن سے متعلق کے حدوث کو متعلق کے حدوث سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور وہ صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو جزئیات کا جاننے والا نہیں

---

[1] بخاری و مسلم شریف ۱۲

سمجھتے۔ کہ وہ تغیر کو مستلزم ہے۔ جو کہ حدوث کی علامت ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ صفات ازلی ہوتی ہیں۔ اور متعلقات حادثہ کے ساتھ صفات کا تعلق حادث ہوتا ہے

اور نقائص کی صفات خدا تعالےٰ کی جناب سے مسلوب ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ جواہر و اجسام و اعراض کے لوازمات و صفات سے پاک ہے۔ زمان و مکان اور جہت کو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ وہ آدمی بے خبر ہے۔ جو اللہ سبحانہ و تعالےٰ کو عرش کے اوپر کہتا ہے۔ اور اس کے لئے فوق کی جہت تجویز کرتا ہے۔ عرش اور اس کے علاوہ اور بھی تمام چیزیں سب حادث ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال ہے۔ کہ وہ خالق قدیم کا امکان ٹھہرے۔ اور اس کی قرارگاہ بنے۔

ہاں اتنا ضرور ہے۔ کہ عرش خدا تعالےٰ کی سب سے اشرف مخلوق ہے۔ اور اس میں نورانیت اور صفائی تمام ممکنات سے زیادہ ہے۔ وہ لازمی طور پر آئینہ کا حکم رکھتا ہے۔ کہ خالق جل و علا کی عظمت اور کبریائی کا ظہور اس جگہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی ظہور کے تعلق کی وجہ سے اسے اللہ تعالےٰ کا عرش کہتے ہیں۔ ورنہ عرش اور دوسری چیزیں اللہ تعالےٰ کے ساتھ برابر کی نسبت رکھتی ہیں کہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ ہاں عرش میں نمائندگی کی قابلیت موجود ہے۔ جو دوسروں میں نہیں ہے آئینہ جو آدمی کی شکل دکھاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ شخص آئینہ میں ہے۔ بلکہ اس آدمی اور دوسری تمام سامنے آنے والی چیزوں کی آئینہ سے نسبت برابر ہے۔ فرق ہے تو صرف قبول کرنے والے کی طرف سے ہے آئینہ کسی چیز کی صورت دکھا سکتا ہے۔ اور دوسری چیزوں میں یہ قابلیت نہیں ہے۔

اور اللہ تعالےٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ جوہر اور عرض نہیں ہے۔ محدود اور متناہی نہیں ہے۔ طویل اور عریض نہیں ہے۔ دراز اور کوتاہ نہیں ہے۔ فراخ اور تنگ نہیں ہے۔ بلکہ وہ فراخی والا ہے۔ لیکن وہ وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آئے۔ وہ محیط ہے۔ لیکن وہ احاطہ نہیں۔ جس کا ادراک کیا جا سکے۔ وہ قریب ہے۔ لیکن وہ قرب نہیں۔ جو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن معیت متعارفہ نہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہ وہ فراخی والا ہے۔ احاطہ کرنے والا ہے۔ قریب ہے۔ اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ان صفات کی کیفیات کو ہم نہیں جان سکتے۔ کہ وہ کیسی ہیں۔ اور ہم جو کچھ جانتے ہیں۔ اس کے متعلق جانتے ہیں۔ کہ مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھنا ہے۔

اور اللہ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی کوئی اور چیز ان سے متحد ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کسی چیز میں حلول بھی نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی چیز اللہ تعالےٰ میں حلول کرتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے لئے اجزا اور حصص کا ہونا بھی محال ہے۔ اور ترکیب و تحلیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل اور کفو نہیں ہے بیوی بچے نہیں ہیں۔ اس کی ذات و صفات بے چون و بے چگون اور بے شبیہ اور بے نمونہ ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ ہے اور اپنے اسماء و صفات کاملہ سے جن سے اپنے آپ کی تعریف کی ہے۔ ان سے متصف ہے لیکن

ان میں سے جو چیز بھی ہمارے فہم و ادراک میں آئے۔ اور ہم اسے سمجھ سکیں۔ اور تصور کریں۔ وہ اس سے پاک اور بلند ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔) ؎

؎ دور بینانِ بارگاہ الست بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست

جاننا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ یعنی صاحب شریعت سے سننے پر موقوف ہیں۔ ہر وہ نام جس کا اطلاق شریعت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ہوا ہے۔ اس کا اطلاق کرنا چاہیئے۔ اور جو نہیں بولا گیا۔ اسے خدا تعالیٰ کے لئے نہ کہنا چاہیئے۔ اگرچہ اس اسم میں کمال کے معنی پائے جائیں۔ مثلاً جواد کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے کہنا جائز ہے کیونکہ شریعت میں آیا ہے۔ اور سخی کا لفظ نہ کہنا چاہیئے۔ کہ نہیں آیا ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو کہ حروف اور آواز کے لباس میں آیا ہے۔ اور ہمارے پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے۔ اور اس کے ذریعہ بندوں کو اوامر اور نہی کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے کلام نفسی کو اپنے حلق اور زبان کے ذریعہ حروف اور آواز کے لباس میں لاکر ظاہر کرتے ہیں۔ اور اپنے پوشیدہ مقاصد کو ظہور کے میدان میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو حلق اور زبان کے وسیلہ کے بغیر اپنی قدرت کاملہ سے حرف اور آواز کا لباس پہنا کر بندوں کے لئے بھیجا ہے۔ اور اپنے مخفی اوامر اور نواہی کو حرف اور آواز کے ضمن میں لاکر منصۂ ظہور پر جلوہ گر فرمایا ہے۔ پس دونوں قسم کے کلام اللہ تعالیٰ ہی کے کلام ہیں نفسی اور لفظی ہی اور کلام کا اطلاق ان دونوں قسموں پر بطریق حقیقت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے دونوں طرح کے کلام نفسی اور لفظی بطریق حقیقت بولے جاتے ہیں۔ اس طرح نہیں۔ کہ پہلی قسم حقیقت ہے۔ اور دوسری قسم مجاز۔ اس لئے کہ مجاز کی نفی جائز ہے۔ اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اسے خدا کا کلام نہ کہنا کفر ہے۔

اور اسی طرح وہ کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر نازل فرمائے تھے وہ سب خدا تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اور جو کچھ قرآن اور ان کتابوں اور صحیفوں میں درج ہے۔ وہ خدا تعالیٰ ہی کے احکام ہیں۔ کہ اپنے وقت کے مطابق بندوں کو ان کے ادا کرنے کی تکلیف دی ہے۔

اور مومنوں کا خدا تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت اور بے مقابلہ اور بے کیف اور بے احاطہ دیکھنا برحق ہے۔ ہم آخرت کی رویت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ اس کی رویت بے چون ہے۔ اور اس دنیا میں اس کی حقیقت ارباب چون پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور ایمان کے بغیر ان کو خدا تعالیٰ کا دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ افسوس ہے۔ فلاسفہ اور معتزلہ اور دوسرے تمام بدعتی فرقوں پر کہ وہ اپنی محرومی اور اندھا پن

؎ بارگاہ الست کے دور بین بھی صرف اتنا ہی جان سکے ہیں۔ کہ وہ ہے۔ ۱۲

سے اخروی رویت کا انکار کرتے ہیں۔ اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتے ہیں۔ اور اس پر بھی ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوتے۔

اور اللہ تعالیٰ جیسے بندوں کا خالق ہے۔ ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ فعل اچھے ہوں یا برے سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی ہے۔ اور برے کاموں سے خوش نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ دونوں اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہیں۔ لیکن جاننا چاہیئے۔ کہ تمہارے شر کو سوء ادبی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہیئے۔ خالق الشر (برائی کو پیدا کرنے والا) نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ خالق الخیر والشر (بھلائی اور برائی کو پیدا کرنے والا) کہنا چاہیئے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق تو کہنا درست ہے۔ اور گندگیوں اور خنزیروں کو پیدا کرنے والا نہیں کہنا چاہیئے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

معتزلہ جو اپنے اندر بت پرستی کا اثر رکھتے ہیں۔ افعال کا خالق بندہ کو جانتے ہیں۔ اور اچھے اور برے فعل کی نسبت اس کی طرف کرتے ہیں۔ شریعت اور عقل دونوں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہاں علماء حق نے بندہ کی قدرت کو اسکے فعل میں دخل انداز جانا ہے اور بندہ کے لئے کسب کا اثبات کیا ہے اس لئے کہ رعشہ والے کی حرکت اور اختیار والے کی حرکت میں واضح فرق ہے۔ رعشہ والے کی حرکت میں بندے کی قدرت اور کسب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اختیاری حرکت میں دخل ہے۔ اور اتنا فرق ہی مواخذہ کا باعث ہوتا ہے۔ اور عذاب و ثواب کا اثبات کرتا ہے۔ اکثر آدمی بندے کی قدرت اور اختیار میں شک رکھتے ہیں۔ اور بندے کو مجبور اور عاجز جانتے ہیں۔ ان لوگوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا ہے۔

بندے میں قدرت اور اختیار کا یہ معنی نہیں ہے۔ کہ جو بندہ چاہے کرے۔ اور جو چاہے نہ کرے۔ یہ تو خود بندگی ہی سے دور ہے۔ بلکہ اختیار کا یہ مطلب ہے۔ کہ جس چیز کی بندہ کو تکلیف دی گئی ہے۔ وہ اسے کر سکتا ہے۔ مثلاً پنج وقت نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اور بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے۔ اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ کے ہوتے ہوئے حج کر سکتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس شریعت کے باقی احکام بھی ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے بندہ کے ضعف اور کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے سہولت اور آسانی کی رعایت رکھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[1]

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں کرنا چاہتا۔

---

[1] سورہ بقر پارہ ۲۔ ۱۲

یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ اللہ تعالیٰ تم سے تکالیف شاقہ کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ کہ وہ شہوات سے صبر نہیں کر سکتا۔ اور نہ تکالیف شاقہ کو برداشت کر سکتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ تاکہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ اور گمراہی سے راہ پر لائیں۔ اور جو ان کی دعوت کو قبول کرے۔ اسے بہشت کی خوشخبری دیں۔ اور جو انکار کرے۔ اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ جو کچھ انہوں نے خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا ہے۔ اور جس کی تبلیغ کی ہے سب حق ہے۔ اور سچ ہے۔ اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وعلیہم اجمعین تمام نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ اور آپ کا دین پہلے دینوں کا ناسخ ہے۔ اور آپ کی کتاب پہلی کتابوں سے بہت ہی بہتر ہے۔ آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہ ہوگا۔ بلکہ آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو نزول فرمائیں گے۔ تو آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے۔ اور آپ کی امت کی حیثیت سے رہیں گے۔

اور جو کچھ بھی انہوں نے آخرت کے حالات کے متعلق خبریں دی ہیں۔ وہ سب صحیح ہیں۔ عذاب قبر اور اسکی تنگی اور قبر میں منکر و نکیر کے سوال اور دنیا کا فنا ہونا اور آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا گرنا اور زمین اور پہاڑوں کا اٹھایا جانا اور ان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور حشر و نشر اور روح کا جسم میں واپس آنا اور قیامت کا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکیاں اور اعمال کا محاسبہ اور کئے ہوئے اعمال کے متعلق اعضاء کی شہادت اور نیکیوں اور برائیوں کے اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں اڑنا اور ترازو کا رکھا جانا کہ اس پر نیکیوں اور برائیوں کا وزن کریں۔ اور نیکی اور بدی کی کمی و زیادتی معلوم کریں۔ اگر نیکیوں کا پلہ بوجھل ہوگا۔ تو یہ نجات کی علامت ہے۔ اور اگر ہلکا ہوگا۔ تو یہ خسارے کا نشان ہے۔ اس ترازو کا ہلکا اور بوجھل ہونا دنیا کے ترازو کے برخلاف ہے۔ وہاں جو پلہ اوپر چلا جائے گا۔ وہ بوجھل ہوگا۔ اور جو نیچے رہے گا وہ ہلکا ہوگا۔

اور انبیاء و صلحاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شفاعت باذن اللہ قیامت کے روز مومنوں کے لئے ثابت ہے۔ پہلے نبیوں کی اور پھر صلحاء کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میری شفاعت میری امت میں سے اہل کبائر کے لئے ہے۔

اور پل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے۔ اور مومن اس سے گذر کر بہشت میں چلے جائیں گے۔ اور کافر

لہ سورۃ نساء پارہ ۵

کے پاؤں لڑکھڑا جائیں گے۔ اور دوزخ میں گر پڑیں گے۔ یہ حق اور ثابت ہے۔ اور بہشت جو کہ مومنوں کی نعمتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور دوزخ جو کافروں کو سزا دینے کے لئے بنائی گئی ہے۔ دونوں مخلوق ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تک باقی رہیں گی۔ اور کبھی فنا نہ ہوں گی۔

اور حساب و کتاب[1] کے بعد مومن جب بہشت میں چلے جائیں گے۔ تو وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے۔ اور اس سے کبھی باہر نہ آئیں گے۔ اور اسی طرح کافر جب دوزخ میں چلے جائیں گے۔ تو وہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔ ان کو ہمیشہ ہمیشہ تک سزا ملتی رہے گی۔ ان کی سزا میں تخفیف جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان سے کبھی عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔ اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے۔" اور جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ اگر اپنے گناہوں کی زیادتی کے سبب دوزخ میں چلا بھی جائے گا۔ تو اپنے گناہوں کے اندازہ کے مطابق اسے سزا ملے گی اور بالآخر اسے دوزخ سے نکال لیں گے۔ اور اس کے چہرے کو ایمان کی عزت کی وجہ سے سیاہ بھی نہ کریں گے۔ جیسا کہ کفار کے چہروں کو سیاہ کیا جائے گا۔ اور کافروں کی طرح انہیں طوق اور زنجیریں بھی نہیں پہنائی جائیں گی۔

اور فرشتے خداوند تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ان کے حق میں جائز نہیں ہے۔ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے۔ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ عورت اور مرد ہونے سے پاک ہیں۔ اور ان میں توالد و تناسل بھی نہیں ہے۔ ان میں سے بعض کو خدا تعالیٰ نے پیغامبری کے لئے انتخاب کیا ہے۔ اور تبلیغ وحی سے مشرف کیا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں اور صحیفوں کے پہنچانے والے ہیں۔ جو کہ خطا اور خلل سے محفوظ اور دشمن کے مکر اور تدبیر سے معصوم ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پیغام دیے ہیں۔ سب کے سب درست ہے۔ اس میں احتمال اور اشتباہ کا شائبہ تک نہیں۔ اور یہ بزرگوار اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور اوامر کی تعمیل کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں ہے۔

ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے۔ کہ جو کچھ تواتر اور یقین سے ہم تک پہنچا ہے۔ خواہ اجمالاً خواہ تفصیلاً اس کو سچ مانا جائے۔ اور اس کا اقرار کیا جائے۔ اور اعضاء کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں۔ ہاں وہ ایمان میں کمال بڑھاتے ہیں۔ اور حسن پیدا کرتے ہیں

امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے۔ کہ ایمان کمی بیشی کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ دل کی تصدیق نفس یقین سے عبارت ہے۔ کہ اس میں زیادتی اور نقصان کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو فرق کو قبول کرے۔ وہ ظن اور وہم کے دائرہ میں داخل ہے۔ ایمان میں کمال اور نقص طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جتنی طاعت زیادہ ہوگی۔ اتنا ہی ایمان کا کمال

---

[1] آخر پارہ تنک الرسل، ۱۲۔

زیادہ ہوگا پس عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کی مثل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا ایمان طاعت کے ہونے کی وجہ سے اس کمال کی چوٹی تک پہنچا ہوا ہے۔ کہ عام مومنوں کا ایمان اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا اگرچہ دونوں نفس ایمان میں شرکت رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے ایمان نے طاعت بجالانے کی وجہ سے ایک دوسری حقیقت پیدا کرلی ہے گویا [illegible] ایمان کا فرق [illegible] ہے۔ اور [illegible] مشترک [illegible]

اگرچہ انسان اگرچہ نفس انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن دوسرے کمالات نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بہت بلند درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اور ان کی حقیقت ہی اور ہو چکی ہے۔ کہ وہ حقیقت مشترکہ سے بلند[1] اور برتر ہیں۔ بلکہ وہی انسان ہیں۔ اور عوام نسناس ہیں۔ انس کا حکم رکھتے ہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

(میں یقینی طور پر مومن ہوں) اور امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ "میں انشاء اللہ مومن ہوں" ہر ایک کی ایک توجیہ ہے عالیہ ایمان کے لحاظ سے تو کہا جاسکتا ہے۔ "میں پکا مومن ہوں" اور خاتمے اور انجام کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں"۔ لیکن یہ قول جس توجیہ سے بھی کہا جائے۔ بہر صورت انشاء اللہ کہنے سے پرہیز کرنا بہتر ہے گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ کبیرے گناہوں [illegible] کوئی مومن ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اور کفر کے

---

[1] حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بشر مشترکم کی رٹ لگانے والے حضرات غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶ کی مندرجہ ذیل عبارت تو پڑھتے اور پیش کرتے ہیں۔

فی بینی کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات باعامہ در نفس انسانیت برابر اند در حقیقت وذات متحد۔

لیکن افسوس کہ دفتر دوم کے اس مکتوب کی اس عبارت پر غور نہیں کرتے۔ عوام انسان ہر چند با انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات در نفس انسانیت شریک اند۔ اما کمالات دیگر مر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بدرجات علیہ رسانیدہ است۔ وحقیقت دیگر ثابت کردہ گویا از حقیقت مشترکہ عالی وبرتر اند۔ بلکہ انسان ایشانند

یعنی اگرچہ عوام انسان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ نفس انسانیت میں شریک ہیں۔ لیکن دوسرے کمالات نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو درجات علیا تک پہنچا دیا ہے۔ اور ان کے لئے دوسری حقیقت ثابت کردی ہے۔ گویا یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حقیقت مشترکہ انسانی سے بلند وبرتر ہیں۔ بلکہ انسان ہی صرف یہی ہیں۔

اس عبارت میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ خصوصی کمالات کی بنا پر انبیاء علیہم الصلوات والسلام کی حقیقت عوام کی حقیقت سے الگ ہے۔

یہ تو عام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق فرمایا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تو امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی حقیقت نور ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور آپ اس امکان سے پیدا نہیں

دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک دن امام اعظم علماء کبار کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر پوچھا۔ کہ ایسے مومن فاسق کے حق میں کیا کہتے ہو۔ جو اپنے باپ کو ناحق قتل کرے۔ اور اس کے سر کو تن سے جدا کرے۔ اور اس کے سر کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پیئے۔ اور شراب پینے کے بعد اپنی ماں سے زنا کرے۔ آیا یہ مومن ہے۔ یا کافر سب علماء نے اس کے حق میں تخلیط کیا۔ اور معاملہ دور دراز تک کھینچا دیا۔ امام اعظم نے اس اثناء میں فرمایا۔ کہ وہ مومن ہے۔ اور ان کبائر کی وجہ سے ایمان سے باہر نہیں ہوا ہے۔ امام کا یہ قول علماء پر گراں گذرا اور طعن و تشنیع میں ان کی زبان دراز ہو گئی۔ بالآخر چونکہ امام کی بات برحق تھی۔ سب نے اس کو قبول کیا۔ اور اعتراف فرمایا۔

ہوئے۔ جس سے باقی تمام مخلوقات بنی ہے۔ مکتوب شریف کے ہر سہ دفتر میں سے ایک ہی لفظ ہا ایسا بتایا جائے۔ جو صراحۃً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہو۔ کہ آپ بھی نفس انسانیت میں عامۃ الناس کے ساتھ برابر اور متحد ہیں۔ اس کے برعکس ہم مکتوبات شریف سے متعدد ایسی عبارات دکھاتے ہیں۔ جن میں صراحۃً مذکور ہے۔ کہ آپ کی حقیقت عام انسانوں کی حقیقت سے بالکل الگ ہے۔

اسی بات کو خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے۔

(۱) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۴۷ سطر ۲ مصری میں وارد ہے۔ لست کاحد منکم کہ میں تمہارے کسی آدمی کی مانند نہیں ہوں۔

اس حدیث کے ماتحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ای لافی الذات ولافی الصفات۔ یعنی نہ ذات میں۔ نہ صفات میں۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۶ سطر ۲ میں ہے۔ انی لست کھیئتکم۔ بیشک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

(۳) صحیح بخاری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۷ سطر ۲ میں ہے۔ انی لست کھیئتکم میں تمہاری ہیئت اور شکل پر نہیں ہوں۔

(۴) صحیح بخاری جلد اول صفحہ مذکور پر ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو وصال کے روزوں سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔ انی لست کھیئتکم میں تمہاری شکل و ہیئت کی طرح نہیں ہوں۔

(۵) صحیح بخاری جلد اول صفحہ مذکور مطبوعہ مصر پر ہے۔ کہ حضور نے روزہ وصال سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ آپ تو روزہ وصال رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ ایکم مثلی۔ تم میں میری مثل کون ہو سکتا ہے۔

(۶) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۴ میں فرماتے ہیں۔

واعلم ان تمام الکلام فی ھذا الباب ان النفس القدسیہ النبویہ مخالفۃ بماھیتھا۔ سائر النفوس الانسانیۃ یعنی نفس قدسیہ نبویہ کی حقیقت ماہیت باقی تمام نفوس کی ماہیت سے الگ اور مخالف ہے۔

(۷) تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۹۶ مطبوعہ مصر سورہ کہف میں ہے۔ (حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) فتقول جواہر النفس الناطقہ مختلفۃ بالماہیۃ۔ یعنی جواہر نفوس مختلف الماہیۃ ہیں۔

(۸) تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۳۹، ۴۴۰ مطبوعہ مصر میں ہے۔

وذکر الحلیمی فی کتاب المنہاج ان الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام لابد وان یکونوا مخالفین لغیرہم فی القوی الجسمانیۃ والقوی الروحانیۃ

(۹) علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ جلد اول صفحہ ۲۴۳ جلد ثالث میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان من تمام الایمان برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الایمان بان اللہ تعالیٰ جعل بدنہ الشریف علی وجہ لم یظہر قبلہ ولا بعدہ خلق آدم مثلہ۔ یعنی اس بات کو ذہن میں رکھو۔ کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر کمال ایمان یہ ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر یہ لائے۔ کہ اس نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بدن شریف کو ایسا پیدا فرمایا۔ جس کی مثل نہ کوئی آپ سے پہلے پیدا ہوا۔ اور نہ آپ کے بعد پیدا ہوگا۔

(۱۰) حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۰۰ مطبوعہ لاہور صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ سائر افراد انسانی نیست بلکہ خلق بیچ فردے۔ از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نشاۃ عنصری از نور حق جل و علا مخلوق گشتہ است۔ کما قال علیہ وعلی علیہ الصلوۃ والسلام خلقت من نور اللہ و دیگراں را ایں دولت میسر نشدہ است۔

جاننا چاہیئے۔ کہ حضور علیہ السلام کی خلقی پیدائش دوسرے افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ افراد عالم میں سے کسی بھی فرد کے ساتھ آپ کی پیدائش کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آپ نشاۃ عنصری کے باوجود حق جل و علا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خود فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔ اور دوسرے کسی کو بھی یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے۔ اسی مکتوب میں ان مذکورہ سطور کے بعد پورا صفحہ مطالعہ کے لائق ہے۔

مختصر یہ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ نفس انسانیت میں عوام انسانوں کے ساتھ برابر و متحد ہیں۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موقف و مسلک کے خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ اور مستند مفسرین کے اقوال بھی اس عقیدے کے بیان میں صریح ہیں۔ اللہ تعالیٰ بدعقیدگی سے بچائے۔ اور ادب و احترام کی توفیق عطا کرے۔

محمد سعید احمد غفرلہٗ

اگر گناہگار مومن سکرات موت سے پہلے توبہ کی توفیق پالے۔ تو نجات کی بہت بڑی امید ہے۔ کہ توبہ قبول کرنے کا وعدہ ہے۔ اور اگر توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے تو اس کو معاف کردے۔ اور جنت میں بھیج دے۔ اور اگر چاہے۔ تو گناہ کے مطابق سزا دے۔ آگ سے یا بغیر آگ کے لیکن آخر کار اس کی نجات ہے۔ اور اس کا انجام بہشت ہے۔ کیونکہ آخرت میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کافروں کے ساتھ خاص ہے۔ اور جس میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا۔ وہ رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر اپنے گناہوں کی وجہ سے ابتدا میں خدا کی رحمت تک نہ پہنچا تو آخر میں اسکو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میسر ہو جائے گی۔ آئے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

امامت اور خلافت کی بحث اگرچہ اہل سنت شکر اللہ سعیہم کے نزدیک۔ اصول دین سے نہیں ہے۔ اور یہ عقیدے سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن چونکہ شیعہ اس باب میں غلو کرتے ہیں اور افراط و تفریط کرتے ہیں۔ تو اس ضرورت کی بنا پر علماء اہل حق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بحث کو علم کلام سے ملحق کر دیا ہے۔ اور حقیقت حال سے آگاہ کر دیا ہے حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

حضرات شیخین کی افضلیت اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے جیسا کہ اسکو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے۔ کہ ان میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعری جو کہ اہل سنت کے سردار ہیں۔ فرماتے ہیں کہ باقی امت پر شیخین کی افضلیت یقینی ہے۔ دوسرے صحابہ پر شیخین کی افضلیت کا انکار کوئی جاہل یا متعصب ہی کرے گا۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ جو آدمی مجھے حضرت ابو بکر اور عمر پر فضیلت دیتا ہے۔ وہ مفتری ہے۔ میں اسے تہمت لگانے والے کیطرح کوڑے لگاؤں گا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اپنی کتاب غنیہ میں فرماتے ہیں۔ اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب مجھے معراج ہوا۔ تو میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ کہ میرے بعد خلیفہ حضرت علی ہوں تو فرشتوں نے کہا اے محمد جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ وہ ہوتا ہے۔ آپ کے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر ہیں۔ اور شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوتے۔ جب تک کہ انہوں نے مجھ سے عہد نہ لے لیا۔ کہ میری وفات کے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر ہوں گے اور ان کے بعد عمر اور ان کے بعد عثمان اور ان کے بعد تم خلیفہ ہو گے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اور حضرت امام حسن حضرت امام حسین سے افضل ہیں۔ رضی اللہ عنہما اور علمائے اہل سنت علم اور اجتہاد میں حضرت عائشہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ غنیہ میں حضرت

عائشہ کو مطلقاً فضیلت دیتے ہیں۔ اور اس فقیر کا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ علم اور اجتہاد میں افضل ہیں۔ اور حضرت فاطمہ زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبت ہونے میں بہتر ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت فاطمہ کو بتول کہتے ہیں جو کہ دنیا سے منقطع ہونے میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور حضرت عائشہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عقائد کی مرجع تھیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر علم میں کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی۔ جس کا حل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس نہ ہو۔

اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان جو جھگڑے اور جنگیں ہوئی ہیں۔ مثلاً جنگ جمل و جنگ صفین تو ان کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور خواہشات اور تعصب سے دور رہنا چاہیئے۔ کہ ان بزرگواروں کے نفوس خیر البشر علیہ الصلوات والتسلیمات کی صحبت میں خواہشات اور تعصب سے پاک ہو چکے تھے۔ اور حرص و کینہ سے بالکل صاف تھے۔ وہ اگر صلح کرتے تھے۔ تو حق کے لئے اور اگر جھگڑا کرتے تھے۔ تو وہ بھی حق کے لئے ہر گروہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتا تھا۔ اور خواہشات اور تعصب کے شائبہ سے پاک ہو کر مخالف کی مدافعت کرتا تھا پھر جس کا اجتہاد درست ہوا۔ اسے دو درجے اور ایک۔ قول کے مطابق دس درجے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جس کا اجتہاد درست نہ ہوا اسے بھی ایک درجہ ثواب مل گیا پس خطا کرنے والا بھی درست اجتہاد کرنے والے کی طرح ملامت کا مستحق نہیں ہے وہ بھی درجات ثواب میں سے ایک درجہ کی امید رکھتا ہے۔

علماء نے کہا ہے۔ کہ ان جنگوں میں حق حضرت امیر کی طرف تھا۔ کرم اللہ وجہہ اور مخالفوں کا اجتہاد درست نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ طعن کرنے کے مستحق نہیں ہیں۔ اور ملامت کی گنجائش نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ ان کو کافر یا فاسق کہا جائے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ تمہارے بھائی ہم پر باغی ہوئے ہیں۔ وہ نہ کافر ہیں۔ نہ فاسق کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر اور فسق سے روکتی ہے"۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جو اختلاف میرے صحابہ میں ہوں۔ ان میں زبان کشائی سے بچنا" پس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کو بزرگ سمجھنا چاہیئے۔ اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔ اور ان میں سے کسی بزرگ کے حق میں برا نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ ہی بدگمانی کرنی چاہیئے اور ان کے جھگڑوں کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہیئے۔ نجات اور خلاصی کا صرف یہی طریقہ ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام کی دوستی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کی وجہ سے ہے۔ اور ان سے دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی تک لے جاتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی عزت نہ کی۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی ایمان نہیں ہے۔

اور قیامت کی علامتیں جن کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ وہ سب برحق ہیں۔ ان میں خلاف ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ مثلاً خلاف عادت سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ اور حضرت مہدی علیہ

ارضوان کا ظہور اور حضرت روح اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور دجّال کا لکلنا۔ اور یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا۔ اور دابۃ الارض کا نکلنا اور ایک دھوئیں کا آسمان سے پیدا ہونا جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا۔ اور دردناک عذاب میں مبتلا کردے گا۔ آدمی بیقراری میں کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس عذاب سے بچائے ہم ایمان لاتے ہیں۔ اور آخری علامت آگ ہے۔ جو عدن سے اٹھے گی۔

اور ایک جماعت نے اپنی ہیوقوفی سے ایک ایسے آدمی کو مہدی موعود تسلیم کرلیا ہے۔ جس نے ہندوستان میں اپنے مہدی ہونے کا دعوی کیا۔ پس ان کے خیال کے مطابق تو مہدی ہو چکا۔ اور فوت ہوگیا۔ اور کہتے ہیں کہ اسکی قبر قنوج میں ہے۔ اور صحاح کی احادیث میں جو شہرت کی حد بلکہ معنی تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کی تکذیب موجود ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی کی علامات بیان کردی ہیں۔ اور اس شخص میں جسکو انہوں نے مہدی سمجھ رکھا ہے۔ یہ علامات مفقود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں آیا ہے۔ کہ مہدی موعود ظاہر ہوں گے۔ اور ان کے سر پر بادل کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ اور اس بادل میں ایک فرشتہ ہوگا۔ جو آواز دے گا۔ کہ یہ شخص مہدی ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1]۔ کہ چار آدمی تمام زمین کے مالک ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو مومن ہیں۔ اور دو کافر۔ مومنوں میں سے ذوالقرنین اور سلیمان۔ اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر اور پانچواں آدمی جو تمام زمین کا مالک ہوگا۔ وہ میرے اہل بیت میں سے ہوگا۔ یعنی مہدی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے اس وقت تک دنیا ختم نہ ہوگی۔ جب تک کہ خدا تعالے میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا آدمی پیدا نہ کرے۔ جس کا نام میرے نام جیسا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام جیسا ہوگا۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جیسا کہ وہ پہلے ظلم اور جفا سے بھری ہوگی۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے مددگار ہوں گے۔ اور حضرت عیسی علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ اور وہ دجال کے ساتھ جنگ کرنے میں حضرت عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ دیں گے۔ اور ان کی سلطنت کے ظہور کے زمانہ میں چودہ رمضان شریف کو سورج گرہن ہوگا۔ اور اس مہینہ کی ابتداء میں چاند گرہن ہوگا۔ اور یہ منجموں کے حساب اور زمانہ کی عادت کے برخلاف ہوگا۔

انصاف کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ علامات اس مرنے والے (سید محمد جونپوری) شخص میں موجود ہیں۔ یا انہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی علامات ہیں۔ جو مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہیں۔ شیخ ابن حجر مکی نے

---

[1] ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اسے روایت کیا ہے ۱۲

مہدی موعود کی علامات میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جن کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی ہے۔ نہایت ہی جہالت ہے کہ مہدی موعود کا معاملہ اتنا واضح ہونے کے باوجود ایک جماعت گمراہی میں پڑ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو سیدھے راستے کی راہنمائی فرمائے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1]۔ کہ بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہے۔ باقی سب دوزخی ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے۔ وہ سب دوزخی ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا۔ کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سے لوگ ہوں گے۔؟ تو آں حضرت نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کا طریقہ وہی ہوگا۔ جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ ہے۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور وہ نجات پانے والا ایک فرقہ اہل سنت وجماعت ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقیدہ پر ثابت قدم رکھ۔ اور انہیں کی جماعت میں ہماری موت ہو۔ اور انہیں میں ہم کو اٹھا۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

عقیدے کی تصحیح کے بعد شریعت کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب بھی نہایت ضروری ہے۔ اس سے چارہ نہیں ہے پنج وقت بغیر سستی کے تعدیل ارکان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کفر اور اسلام میں فرق کرنے والی یہی نماز ہے۔ اور جب مسنون طریقہ پر نماز کی ادائیگی میسر ہو گئی۔ تو سمجھو کہ اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ میں آگئی۔ کیونکہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔ اور پہلا رکن اللہ جل شانہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے۔ اور دوسرا رکن نماز ہے۔ اور تیسرا رکن زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ اور چوتھا رکن رمضان شریف کے روزے ہیں۔ اور پانچواں رکن بیت اللہ شریف کا حج ہے

پہلا اصل ایمان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور باقی چار اصول اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان میں جامع ترین اور بہترین عبادت نماز ہے۔ قیامت کے روز حساب کتاب کی ابتدا اسی نماز سے ہوگی۔ اگر نماز درست ہوئی۔ تو خدا تعالیٰ کی مہربانی سے باقی حساب آسانی سے ہو جائے گا۔

اور جہاں تک ہو سکے۔ شرعی ممنوعات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور خدا تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں کو سم قاتل سمجھنا چاہیئے۔ اور اپنی کوتاہیوں کے مواد کو نظر میں رکھنا چاہیئے۔ اور ان کے ارتکاب سے متاثر شدہ ومنفعل ہونا چاہیئے

---

[1] یہ حدیث ترمذی مسند احمد اور ابوداؤد میں بروایت کثیر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما موجود ہے۔ ۱۲

اور ندامت وحسرت وافسوس کرنا چاہیئے۔ کہ بندگی کا طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ اور جو آدمی خدا تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں کا بے تحاشا ارتکاب کرے۔ اور اپنی اس بداعمالی سے شرمندہ بھی نہ ہو تو ایسا آدمی متکبر اور سرکش ہے اس کا یہ امر اور سرکشی قریب ہے۔ کہ اسے اسلام کے دائرہ سے باہر لے جائے۔ اور دشمنوں کے دائرہ میں داخل کردے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کردے۔

ایک ایسی دولت جس سے حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے۔ اور آدمی اس دولت سے بے خبر ہیں بلکہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کو بھی وہ دولت معلوم نہ ہو۔ وہ دولت یہ ہے۔ کہ وقت کا بادشاہ جو کہ سنت پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے۔ اور اہل سنت سے ہے۔ اور حنفی مذہب رکھتا ہے۔ اگرچہ کچھ سال ہوئے ہیں۔ کہ ایسے وقت میں کہ قرب قیامت کا وقت ہے۔ اور عہد نبوت سے دور کا زمانہ ہے۔ بعضے طالب علم طمع کی خواہش سے جو کہ خبث باطن سے پیدا ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے امرا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ اور دین متین میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ اور سادہ لوح لوگوں کو سیدھی راہ سے بہکا دیتے ہیں۔ ایسا عظیم الشان بادشاہ جب کہ آپ کی بات کو اچھی طرح سنتا ہے۔ اور اسے قبول بھی کرتا ہے۔ تو یہ کتنی بڑی دولت ہے۔ کہ اس کے کانوں میں صراحتاً یا اشارۃً آپ کلمہ حق یعنی اسلام کا کلمہ جو کہ اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقیدہ کے موافق ہو ڈالتے رہیں اور جتنی بھی آپ گنجائش پائیں۔ اہل حق کی بات بادشاہ کے سامنے پیش کریں۔ بلکہ ہمیشہ اس جستجو میں رہیں۔ کہ کوئی موقعہ ایسا پیدا ہو۔ کہ مذہب وملت کی بات چل نکلے۔ تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار ہو سکے۔ اور کفر اور کافری کی برائی اور بطلان ظاہر کیا جا سکے۔

کفر خود ظاہر البطلان چیز ہے۔ کوئی معقتد آدمی اسکو پسند نہیں کرتا۔ اور اس کے بطلان کو بے تحاشا ظاہر کرنا چاہیئے۔ اور ان کے معبودان باطل کی بے توقف نفی کرنا چاہیئے۔ سچا خدا جل شانہ بے شک وبے شبہ آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ کبھی آپ نے یہ سنا ہے۔ کہ ان کے باطل معبودوں نے ایک مچھر پیدا کیا ہو۔ اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں۔ اور اگر کوئی مچھر ان کو کاٹ جائے۔ یا تکلیف پہنچائے۔ تو ان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ پھر جبکہ وہ دوسروں کی حفاظت کریں کافر لوگ اس امر کی برائی کو محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ یہ معبود خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اور ہمیں خدا تعالیٰ کے نزدیک کر دیتے ہیں۔ یہ بے وقوف لوگ ہیں۔ انہوں نے کہاں سے سمجھ رکھا ہے۔ کہ یہ بے جان بت شفاعت کی مجال رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان شریکوں کی سفارش کو جو کہ حقیقت میں اس کے دشمن ہیں۔ دشمنوں کے بندوں کے حق میں قبول کریں گے۔

اس کی مثال تو ایسی ہے۔ کہ کچھ باغی لوگ بادشاہ کے برخلاف بغاوت کریں۔ اور بیوقوفوں کی ایک جماعت اس خیال سے ان باغیوں کی امداد کرنے لگے۔ کہ مشکل کے وقت میں یہ باغی بادشاہ کے پاس ہماری سفارش کر دیں گے۔ اور ان کے وسیلہ سے ہم بادشاہ کا قرب حاصل کر سکیں گے۔ کتنے بڑے بے وقوف ہیں۔ کہ باغیوں کی خدمت کرتے

ہیں۔ اور باغیوں کی سفارش سے بادشاہ سے معافی چاہتے ہیں۔ اور اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ بادشاہ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے۔ اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تاکہ اہل قرب اور اہل حق سے ہو جائیں۔ اور امن و امان میں رہیں۔

بسا اوقات لوگ ایک پتھر کو لیتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کو تراشتے ہیں۔ اور کئی سال تک اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس سے امیدیں رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کافروں کا دین ظاہر البطلان ہے۔ اور مسلمانوں میں سے جو بھی راہ حق اور سیدھی راہ سے دور چلا گیا ہے۔ وہ خواہش کا بندہ اور بدعتی ہے۔ اور وہ سیدھی راہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہ وسلم اجمعین کی راہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ بدعتی لوگوں کے گروہ کہ جن کے اصول تو بہتر جماعتیں ہیں۔ یہ لوگ ہیں۔ خوارج۔ شیعہ۔ معتزلہ۔ مرجیہ۔ مشبہہ۔ جہمیہ۔ ضراریہ۔ بخاریہ کلابیہ یہ لوگ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے۔ اور نہ ہی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خلافت کے زمانہ میں تھے۔ ان جماعتوں کا اختلاف اور فرقہ بندی صحابہ و تابعین اور فقہائے سبعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی وفات کے بعد کئی سال بعد ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو آدمی میرے بعد زندہ رہے گا۔ وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا پس تم لوگ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو اور دین میں نئے پیدا ہونے والے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور جو کچھ بھی میرے بعد دین میں نیا پیدا ہوگا۔ وہ مردود ہے۔

پس وہ مذہب جو آنحضرت اور خلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانہ کے بعد پیدا ہو۔ وہ اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ توجہ کے قابل ہے۔ اس دولت عظمیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کہ محض اپنے فضل و کرم سے اس نے ہمیں فرقہ ناجیہ میں داخل فرمایا ہے۔ کہ یہ لوگ اہل سنت و جماعت ہیں۔ اور اہل ہوا اور بدعتی فرقوں میں پیدا نہ کیا۔ اور ان کے فاسد اعتقادات میں مبتلا نہ کیا۔ اور اس جماعت سے نہ بنایا۔ جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور بندے کے افعال کا خالق بندہ کو سمجھتے ہیں۔ اور آخرت میں رویت خداوندی کے منکر ہیں۔ جو کہ دینی و دنیاوی دولتوں کا سرمایہ ہے۔ اور واجب تعالیٰ سے صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔

اور ان دو جماعتوں سے بھی نہ بنایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی توہین کرتے ہیں۔ اور اکابرین سے بدگمانی رکھتے ہیں۔ اور ان کو آپس میں ایک دوسرے کا دشمن سمجھتے ہیں۔ اور ان پر بغض اور اندرونی کینہ کی تہمت لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگواروں کے حق میں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحم دل ہیں) فرماتے ہیں اور یہ دونوں جماعتیں خدا تعالیٰ کے کلام کو جھٹلاتی ہیں۔ اور ان بزرگواروں میں کینہ و عداوت و بغض ثابت کرتے ہیں۔ اللہ

تعالےٰ ان کو توفیق دے۔ اور انہیں سیدھا راستہ دکھائے۔

اور یہ اس کا احسان ہے۔ کہ ہمیں اس جماعت سے بھی نہ بنایا جو اللہ تعالےٰ کے لئے جہت اور مکان ثابت کرتے ہیں اور اسے جسم اور جسمانی سمجھتے ہیں۔ اور خداوند تعالےٰ میں حدوث اور امکان کی علامات ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے۔ کہ بادشاہ کی مثال روح کی طرح ہے اور باقی انسان جسم کی طرح ہیں۔ اگر روح درست ہے۔ تو تمام جسم درست ہے۔ اور اگر روح فاسد ہے۔ تو سارا بدن فاسد ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔ اور اصلاح اسلام کے کلمہ کے اظہار میں ہے۔ بہر صورت جس وقت بھی گنجائش ملے۔ اور کلمۂ اسلام اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق کہنے کا موقع ملے۔ وقتاً فوقتاً بادشاہ کے کان میں ڈالتے رہیں۔ اور مخالفین کے مذہب کی تردید کریں۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے۔ تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آجائے۔ آپ کو یہ دولت مفت میں ملی ہوئی ہے۔ اس کی قدر کو سمجھیں۔ زیادہ مبالغہ نہ کیا جائے۔ اگرچہ اس جگہ جتنا بھی مبالغہ اور تاکید کی جائے۔ اچھی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۶۸

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا۔

نورانی ستون اور وہ ستارہ جو کہ مشرق کی جانب سے طلوع ہوا تھا۔ اور علامات قیامت اور اس کے متعلقات کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے اس اسلام کی طرف ہماری راہنمائی کی۔ اور اگر ہمیں اللہ تعالےٰ راہنمائی نہ کرتا۔ تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے۔ ہمارے رب کے رسول (علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات والبرکات حق لے کر آئے۔

فرزند عزیز نے جو گرامی نامہ مولانا ابو الحسن کے ہاتھ ارسال کیا تھا۔ انہوں نے پہنچایا۔ بہت خوشی ہوئی۔ اس نورانی ستون کے متعلق جو کہ مشرق کی جانب ظاہر ہوا ہے۔ دوبارہ سوال کیا ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ حدیث میں آیا ہے

کہ جب عباسی بادشاہ جو کہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے ظہور کے مقدمات میں سے ہوگا خراسان پہنچے گا تو مشرق کی جانب دو دانتوں والی ایک شاخ طلوع ہوگی۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے۔ یعنی نورانی ستون کہ جس کے دو سر ہوں گے۔ اور اس کا پہلا طلوع حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے ہلاک ہونے کے وقت ہوا تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طلوع ہوا۔ جب کہ ان کو کافروں نے آگ میں پھینکا۔ پھر فرعون اور اس کی قوم کی غرقابی کے وقت ظاہر ہوا۔ اور پھر جب حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل ہوئے۔ اس وقت ظاہر ہوا۔

پس جب اس کو دیکھو تو خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے اس روشنی کے شر سے پناہ مانگو۔ جو کہ مشرق کی طرف نمودار ہوئی ہے۔ پہلے یہ ستون کی صورت میں روشن ہوئی۔ اس کے بعد تیر نیمی ہو گئی۔ اور سینگ کی شکل و صورت کے مثل ہو گئی۔ اور دوسرا اس لحاظ سے فرمائے ہوں گے۔ کہ اس شاخ کے دونوں کنارے باریک دکھائی دیتے تھے۔ جو دانتوں سے مشابہت رکھتے تھے۔ پس دونوں اطراف کو دو سرا اعتبار کیا۔ جیسا کہ نیزہ کہ اس کی دونوں طرفیں باریک ہوتی ہیں۔ ان کو دو سر کہتے ہیں۔

میرے بھائی شیخ محمد طاہر بدخشی جو نپور سے آئے ہیں کہتے ہیں۔ کہ اس ستون کے بھی اوپر جا کر دو سر تھے۔ ایسے دو دانتوں کی طرح جن میں کچھ فاصلہ ہو۔ انہوں نے چٹیل میدان میں اس کو صاف طور پر ایسا دیکھا ہوگا۔ اور کچھ اور لوگوں نے بھی ایسی ہی اطلاع دی ہے۔ یہ طلوع اس طلوع کے علاوہ ہے۔ جو حضرت مہدی کے آنے کے وقت ظاہر ہوگا۔ کیونکہ مہدی علیہ الرضوان کی آمد صدی کے سر پر ہوگی۔ اور اس وقت سو سے اٹھانیس برس اوپر ہو چکے ہیں۔ اور حدیث میں مہدی کے علامات میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ مشرق کی طرف سے ایک ستارہ طلوع ہوگا جس کی نورانی دم ہوگی۔ یہ ستارہ وہ ہے۔ یا مثل اس کی۔ اس ستارہ کو بھی دمدار ہونا چاہیئے۔ جس کے لئے کہتے ہیں۔ کہ فلاسفہ یونان نے کہا ہے۔ ثوابت ستاروں کی سیر مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ پس یہ ستارہ بھی اپنی طبعی سیر میں مشرق کی جانب سیر رکھتا ہے۔ اور اس کی پشت مغرب کی طرف ہے۔ پس یہ سفیدی کی درازی اس کی پیٹھ کے پیچھے ہے جو دم کے مناسب ہے۔ اور وہ جو مشرق سے مغرب کی طرف ہر روز بلند ہوتا جاتا ہے۔ وہ اس کی غیر طبعی سیر ہے۔ جو فلک اعظم کی سیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے

مختصر یہ کہ حضرت مہدی کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ آغاز صدی تک جو کہ ان کا ظہور کا وقت ہے۔ دیکھو کتنے مقدمات و مبادی ظہور میں آتے ہیں۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کے مقدمات و مبادی ہمارے پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کے ارہاصات[1] کی طرح ہیں۔ جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے

---

[1] ارہاصات وہ خارق عادت امور ہیں۔ جو نبی سے دعوی نبوت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں۔

پہلے ظاہر ہوئے تھے۔ چنانچہ علماء[1] نے کہا ہے۔ کہ جب حضرت عبداللہ کے نطفہ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آمنہ کے رحم میں قرار پکڑا۔ تو تمام روئے زمین کے بت اوندھے گر پڑے۔ اور تمام شیطان اپنے کام سے رک گئے۔ اور ابلیس علیہ اللعنۃ کے تخت کو فرشتوں نے الٹ دیا۔ اور اسے سمندر میں پھینک دیا۔ اور چالیس روز تک اسے سزا ملتی رہی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات میں کسریٰ کا محل کانپ گیا۔ اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اور فارس کی وہ عظیم آگ جو برابر ایک ہزار سال سے روشن تھی۔ یک بیک بجھ گئی۔

اور چونکہ حضرت مہدی بہت بزرگ آدمی ہوں گے۔ اور ان کے سبب سے اسلام اور مسلمانوں کو عظیم تقویت حاصل ہوگی۔ اور ان کی ولایت ظاہر و باطن میں عظیم تصرف رکھے گی۔ اور ان سے بہت سی کرامات اور خوارق ظاہر ہونگے اور ان کے زمانہ میں عجیب و غریب حالات ظہور پذیر ہوں گے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے وجود سے پہلے بھی کچھ چیزیں ارہاصات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ظاہر ہوں۔ اور آپ کے ظہور کی تمہید بنیں۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

جان لینا چاہیئے۔ کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ مہدی اس وقت تک ظاہر نہ ہوں گے۔ جب تک کہ کفر غالب نہ آجائے۔ اور بر ملا کفر اور کافری نہ ہونے لگے۔ پس اس وقت میں کفر اور کافری کے غلبہ اور اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی توقع ہے۔ یہ وہ وقت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غربا نے اہل اسلام کو مبارک باد دی ہے۔ اور بشارت سنائی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ فتنہ[2] کے زمانہ میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے۔"

یہ تو آپ جانتے ہیں۔ کہ فتنہ و فساد کے غلبہ کے وقت اگر کچھ سپاہی تھوڑی سی بھی جرأت فرمائیں۔ تو ان کا اعتبار بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور پر سکون حالات میں اگر ہزار تردد بھی کریں۔ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ پس کام کرنے اور اسکے قبول ہونے کا یہی فتنوں کا وقت ہے۔ کلی طور پر اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں لگائے رکھیں۔ اور سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کے بغیر کسی چیز کو اختیار نہ کریں۔ اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ مقبولین بارگاہ میں آپ کا حشر ہو۔ اصحاب کہف ایک ہجرت کے سبب جو فتنہ کے غلبہ کے وقت ان سے وجود میں آئی تھی۔ بہت بلند مقام پر پہنچ گئے۔ تم تو خود محمدی ہو۔ اور خیر الامم میں داخل ہو۔ اپنا وقت لہو و لعب میں ضائع نہ کرو۔ اور بچوں کی طرح اخروٹ اور منقلے کر بے وقوف نہ بنو۔ ؎

دامن[3] تر از گنج مقصود نشاں گر نہ رسیدیم تو شاید برسی

---

[1] ان روایات کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ شریف میں ذکر کیا ہے۔ نیز ان کی تخریج اور ان کے اسناد بھی بیان کئے ہیں۔ ۱۲

[2] مسلم شریف بروایت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ۱۲ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور وہ نورانی ستون جو کہ اس دمدار ستارہ سے پہلے ظاہر ہوا تھا۔ اس میں کوئی ظلمت و کدورت معلوم نہیں ہوتی اور سوائے خیر و برکت کے اور کچھ نظر نہیں آتا لیکن یہ دمدار ستارہ کدورت کا شائبہ رکھتا ہے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا نافع اور ضار ہے۔ کسی ستارہ میں بھی کسی آدمی کی موت یا کسی کی زندگی ودیعت نہیں کی گئی ہے۔ جو کچھ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اغراض جو ستاروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ صرف تین چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور وہ جنگلوں اور سمندروں کے سفروں میں ستاروں سے راہ پاتے ہیں" (سورہ نحل) اور فرماتے ہیں۔ اور بے شک ہم نے ستاروں سے آسمان دنیا کو زینت دی۔ اور انہیں شیطانوں کے رجم کا سبب بنایا (سورہ ملک) یعنی دوسری غرض آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کرنا ہے۔ اور تیسری غرض شیطانوں کا رجم ان سے وابستہ ہے۔ تاکہ وہ چھپ کر باتیں نہ سن سکیں۔ ان تین اغراض کے علاوہ جو کچھ بھی لوگ کہتے ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وہ اوہام اور خیالات میں داخل ہے۔ یقیناً ظن حق سے کچھ بھی کفایت نہیں کرتا بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ بعض ظن گناہ ہیں۔

فرزند عزیز! دوبارہ لکھتا ہوں۔ کہ توبہ و انابت کا وقت ہے۔ اور دنیا سے علیحدگی اور انقطاع کا وقت ہے کہ فتنوں کے ورود کا زمانہ ہے۔ اور نزدیک ہے کہ برسات کے موسم کی بارش کی طرح فتنے گریں۔ اور دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ قیامت سے پہلے سیاہ رات کے ٹکڑے کی طرح فتنے ہونگے ان میں آدمی صبح کے وقت مومن ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا۔ تو صبح کو کافر اس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا۔ اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ ان کی تلوار کاٹ ڈالنا۔ اور اپنی تلواروں کو پتھروں پر مار کر ناکارہ کر دینا۔ اگر کوئی تم پر غلبہ کے حملہ کرے تو آدم کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر بیٹے کی طرح ہونا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ صحابہ نے پوچھا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا اور ایک روایت میں ہے۔ اپنے گھروں کی کوٹھڑیوں میں چلے جانا۔

آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا۔ کہ انہیں دنوں میں دار الحرب کے کافروں نے نگرکوٹ کے گرد و نواح میں مسلمانوں پر اور ان کے شہروں پر کیا کیا ظلم کئے ہیں۔ اور ان کی کتنی اہانت کی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو ذلیل کرے۔ آخری زمانہ کے تقاضا کے مطابق اس طرح کے بدبودار کتنے ہی پھول کھلیں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو بھی اور تمہیں بھی اور تمام مومنوں کو سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات و علی آل کل و علی الملائکۃ المقربین کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

سلہ (حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا پتہ دیدیا ہے۔ اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو پہنچ جائے

لہ (حاشیہ صفحہ ہذا) ابوداؤد و ترمذی۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۶۹

محمد مراد بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

نماز کے ارکان کی تعدیل اور صفوں کی درستی اور اس بیان میں کہ جو آدمی کفار سے جہاد کے لئے جائیں۔ وہ نیت صحیح کریں۔ تاکہ اس پر نتیجہ مرتب ہو اور نماز تہجد کا حکم دینا اور خوراک میں احتیاط کرنا۔ اور ان کے مناسبات کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

گرامی نامہ جو آپ نے ارسال کیا تھا۔ چونکہ اس میں دوستوں کے ثبات اور استقامت کے متعلق لکھا تھا۔ لہٰذا بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ لکھا تھا۔ کہ خادم جس امر کا مامور ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو کہ طریقہ میں داخل ہیں۔ اس پر ہمیشگی کرتا ہے۔ اور پنج وقت نماز باجماعت پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ ادا کرتا ہے۔

اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ باطن ذکر الٰہی سے معمور ہو۔ اور ظاہر احکام شرعی سے آراستہ چونکہ اکثر آدمی اس زمانہ میں نماز کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں۔ اور طمانیت اور تعدیل ارکان کی پابندی نہیں کرتے۔ اس لئے دوستوں کو اس کے متعلق تاکید اور مبالغہ سے لکھتا ہوں۔ غور سے سنیں۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بدترین چور وہ ہے۔ جو نماز کی چوری کرے۔[1] صحابہ نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول نماز کس طرح چراتا ہے۔ تو آنحضرت نے فرمایا۔ کہ نماز کے رکوع اور سجود کو پورا نہیں کرتا۔[2] اور یہ بھی فرمایا ہے۔[3] اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ جو اپنے رکوع و سجود میں پیٹھ کو ثابت نہ رکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اور رکوع و سجود پورا نہیں کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو اسی حالت پر مر گیا۔ تو تو دین

---

[1] احمد و مالک و دارمی مشکوٰۃ شریف۔ ۱۲

[2] مسند احمد بروایت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲

[3] بخاری شریف ۱۲

محمد پر نہیں مرے گا۔" اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ تم میں سے[1] کسی کی اس وقت تک نماز پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک رکوع کے بعد پوری طرح کھڑا نہ ہو جائے۔ اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے۔ اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑ لے۔" اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ جب تک دونوں سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے۔ اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے۔ اور ثابت نہ رکھے۔ اس کی نماز پوری نہیں ہو سکتی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نماز پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرے دیکھا۔ کہ وہ قومہ۔ جلسہ کے ارکان و احکام پوری طرح بجا نہیں لاتا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر تو اسی حالت میں مرا۔ تو قیامت کے روز تجھے میری امت نہ کہیں گے۔" اور ایک اور روایت میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اگر تو اسی حالت پر مرا۔ تو دین محمد پر نہ مرے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کوئی ایسا آدمی ہوتا ہے۔ کہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ یہ وہ شخص ہے۔ جو رکوع و سجود کو پوری طرح بجا نہیں لاتا۔" کہتے ہیں۔ کہ زید بن وہب نے ایک آدمی کو دیکھا۔ کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ اور رکوع و سجود پوری طرح نہیں کرتا۔ تو آپ نے اس آدمی کو بلایا۔ اور کہا کتنی مدت سے تو اس طرح نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا چالیس سال سے تو کہا۔ تو نے اس چالیس سال میں ایک بھی نماز نہیں پڑھی۔ اگر تیری موت ہو گئی۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر نہیں ہوگی۔

منقول ہے۔ کہ مومن بندہ جب نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کے رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ تو وہ نماز خوش ہو کر آسمان پر جاتی ہے۔ اور نورانی ہوتی ہے۔ اور فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور نماز اپنے نماز پڑھنے والے کے لئے اچھی دعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ جس طرح تو نے میری حفاظت کی۔ اللہ تیری حفاظت کرے۔" اور اگر نماز اچھی طرح نہ پڑھے۔ تو وہ نماز اندھیری ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کو اس سے کراہت ہوتی ہے۔ اور اس نماز کو آسمان پر نہیں لے جاتے۔ اور نماز اپنے نماز پڑھنے والے کے لئے بددعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔ اللہ تجھے برباد کرے۔"[2]

پس نماز اچھی طرح پڑھنی چاہیئے۔ اور ارکان کی تعدیل پوری طرح کرنی چاہیئے۔ رکوع۔ سجود۔ قومہ جلسہ اچھی طرح بجا لانا چاہیئے۔ اور دوسروں کو بھی پوری نماز پڑھنے کی ہدایت کرنی چاہیئے۔ اور ارکان کو تعدیل و طمانیت سے ادا کرنا چاہیئے۔ کہ اکثر آدمی اس دولت سے محروم ہیں۔ اور یہ عمل متروک ہو چکا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا بھی اسلام کے

---

[1] ابو داؤد وغیرہ۔ ۱۲۔

اہم کاموں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص میری کسی سنت کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرے۔ اس کے لئے سو شہید کا ثواب ہے۔ (بیہقی شریف)

اور یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ باجماعت نماز میں صفوں کو برابر کرنا چاہیئے۔ تاکہ کوئی بھی نمازی آگے پیچھے کھڑا نہ ہو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ سب نمازی ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے صفیں درست فرماتے۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ صفوں کا برابر کرنا بھی اقامت نماز سے ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اے سعادت آثار! عمل نیت سے درست ہوتا ہے۔ جب آپ دار الحرب کے کافروں سے جہاد کے لئے گئے ہیں۔ تو پہلے نیت درست کریں۔ تاکہ اس پر نتیجہ پر مرتب ہو چاہیئے کہ اس جنگ و جدال کا مقصد کلمۂ اسلام کی بلندی اور دشمنان دین کی بربادی اور توہین ہو۔ کہ ہمیں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جہاد کے حکم کا مقصود بھی یہی ہے۔ دوسرے امور کے ساتھ اپنی نیت کو باطل نہ کریں غازیوں کی تنخواہ تو بیت المال سے مقرر ہے۔ جو جہاد کے منافی نہیں ہے اور نہ اس سے غازیوں کے اجر میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ بدنیت اعمال کو برباد کرتی ہے نیت صحیح رکھیں۔ اور بیت المال سے تنخواہ لیں۔ اور جہاد کریں۔ اور شہیدوں اور غازیوں کے اجر کے امیدوار رہیں۔

آپ کی حالت پر رشک آتا ہے۔ کہ باطن میں حق سے مشغول ہو۔ اور ظاہر میں بہت بڑی جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہو۔ اور اس کے بعد دار الحرب کے کافروں سے جہاد سے بھی مشرف ہو۔ جو بچ رہے گا۔ وہ غازی اور مجاہد ہے اور جو ہلاک ہو جائے گا۔ وہ شہید پاک ہے۔ لیکن یہ سب کچھ نیت کی درستی کے بعد ہی متصور ہے۔ اگر نیت کی حقیقت متحقق نہ ہو۔ تو تکلف سے بھی اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں۔ اور حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ سے عاجزی اور زاری سے دعا کریں۔ تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری نصیحت جو دوستوں کو کی جاتی ہے۔ وہ نماز تہجد کا التزام ہے۔ کہ وہ طریقہ کی ضروریات سے ہے بالمشافہہ بھی آپ سے کہا ہے۔ کہ اگر یہ چیز دشوار ہو۔ اور خلاف عادت بیداری میسر نہ ہو۔ تو اپنے متعلقین میں سے کچھ لوگوں کو اس پر مقرر کر دینا چاہیئے۔ تاکہ اس وقت تم کو خوشی یا ناخوشی سے جگا دیا کریں۔ اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑیں۔ جب تک کہ تم اٹھ نہ بیٹھو۔ چند روز اس طرح کریں۔ امید ہے۔ کہ بے تکلف اس دولت پر ہمیشگی میسر ہو جائے گی۔

اور ایک اور نصیحت کھانے میں احتیاط کی ہے۔ کیا ضروری ہے۔ کہ جو کچھ بھی اور جہاں سے بھی آئے۔ اسے کھایا جائے۔ اور شرعی حرام حلال کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ کہ یہ شخص اپنے منہ سر نہیں ہے۔ کہ جو چاہے کرتا پھرے۔ بلکہ

اس کا ایک مالک ہے۔ جل سلطانہ جس نے اس کے لئے امر و نہی کی تکلیف مقرر کی ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی معرفت جو کہ سراسر دنیا والوں کے لئے رحمت ہیں۔ اپنی خوشی اور ناخوشی کی اطلاع دی ہے۔ بڑا بد نصیب ہے۔ وہ آدمی جو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف خواہش کرے۔ اور مالک کی اجازت کے بغیر مالک کے ملک اور ملک میں تصرف کرے۔

شرم کرنی چاہیئے۔ کہ مجازی مالک کی رضامندی کا خیال رکھتے ہو۔ اور نہیں چاہتے۔ کہ کوئی دقیقہ بھی اس باب میں چھوڑا جائے۔ اور حقیقی مالک تاکید اور مبالغہ سے اپنے ناپسندیدہ امور سے روکتا ہے۔ اور سرزنش بھی کرتا ہے۔ لیکن تم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ اسلام ہے۔ یا کفر اچھی طرح سوچو۔ ابھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اور پہلی کوتاہیوں کا تدارک ممکن ہے۔ کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے۔ جیسا کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ کوتاہی کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔ اور اس کے باوجود اگر کوئی گناہ پر اصرار کرے۔ اور اس پر خوش ہو تو وہ منافق ہے۔ صرف اسلام کی صورت اس کو سزا سے نہ بچا سکے گی۔ اور عذاب کو نہ روک سکے گی۔ زیادہ تاکید اور مبالغہ کیا کروں۔ عقلمند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

دوسری یہ بات ہے۔ کہ خوفناک جگہوں اور دشمنوں کے غلبہ کے مقامات پر امن اور فارغیت کے لئے سورہ لایلاف کی قرأت مجرب ہے۔ کم از کم ہر روز اور ہر رات میں گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں اور حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام میں آیا ہے۔ کہ جو آدمی کسی مقام پر اترے۔ پھر یہ کلمے کہے۔

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ساتھ ہر مخلوق کی برائی سے پناہ لیتا ہوں۔

تو اسے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی۔ یہاں تک کہ وہ اس منزل سے کوچ کرے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۷۰

مولانا عبدالواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا۔

کعبہ معظمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے اسی طرح کعبہ معظمہ کا بھی ہے۔ اور اس کے مناسبات کے متعلق

انسان کے اندر جیسا کہ اس کا دل عرش رحمان جل شانہ کا نمونہ ہے۔ اور اس کا ظہور قلبی ظہور عرشی کا نمونہ

ہے بیت اللہ شریف کا بھی انسان میں نشان ہے۔ جو درمیان ہے۔ اور دائیں بائیں سے بیگانہ ہے۔ اور حسن سبقت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ اس دولت عظمیٰ کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ اور ان بزرگواروں کی امتوں میں سے بطور تبعیت وراثت جس کو بھی چاہتے ہیں۔ اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے یہ دولت بہت زیادہ تھی۔ اور صحابہ کے زمانہ کے بعد کم ہو گئی۔ اور پھر اب لمبی مدت کے بعد اگر کسی ایک کو اس دولت سے بطور وراثت و تبعیت مشرف فرمائیں۔ تو وہ غنیمت ہے۔ اور کبریت احمر ہے۔ اور یہ شخص صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت میں داخل ہے۔ اور سابقین سے ہے۔ اور اس بلند نسبت کا مالک مرکز مطلوب کی دولت سے ممتاز ہے۔

یہ درست ہے۔ کہ نفس مرکز میں بھی کئی درجے ہیں۔ لیکن یہ سبقت کی دولت سے بھی مشرف ہے۔ اس سے زیادہ اس معما کو کیسا کھولوں۔ اور اس رمز کی اس سے زیادہ کیا شرح کروں۔ اور جب اللہ کے فضل و کرم سے یہ بلند نسبت سر نکالتی ہے۔ تو تمام پہلی نسبتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا نام و نشان نہیں رہتا۔ دل کی نسبت کیا اور غیر دل کی نسبت کیا؟ جب اللہ کی نہر آجاتی ہے۔ تو عیسیٰ کی نہر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اس جگہ کا نشان ہے۔

اس دولت والے صراط مستقیم پر ہیں۔ جو کہ مطلوب کے وصول کے برابر ہے۔ اور جو صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہے۔ تو اس کا وصول ظلال میں سے کسی ظل تک ہے۔ اگرچہ ظل میں بھی مختلف مدارج ہیں۔ لیکن سب داغ ظلیت سے داغدار ہیں۔

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست[1] درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

جو آدمی صراط مستقیم سے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی جدا ہو جائے۔ تو وہ جب تک چلا جائے گا۔ دور سے دور ہوتا جائے گا۔ اور مطلوب کے وصول سے بہت دور جا پڑے گا۔ ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی[2] کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

---

[1] دوست کا فراق اگر تھوڑا بھی ہو تو وہ تھوڑا نہیں ہے۔ آنکھ کے اندر اگر آدھا بال بھی ہو تو وہ بہت زیادہ ہے۔ ۱۲

[2] اے اعرابی میں ڈرتا ہوں۔ کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچے گا۔ کہ یہ راہ جس پر تو جا رہا ہے۔ ترکستان کی راہ ہے۔ ۱۲

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۱۷

(مخدوم زادہ جامع علوم عقلی ونقلی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بیان میں)

کلمہ طیبہ کا پہلا جز مرتبہ وجوب کے اثبات کا متضمن ہے۔ اور مرتبہ وجوب کا ظہور مثالی صورت میں نقطہ کی صورت سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اس مرتبہ کے ظہور کی نسبت جو طویل وعریض ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی گنجائش ہے۔ نہ دائرہ کی نہ اس جگہ طول کی مجال ہے۔ نہ عرض وعمق کی لازمی طور پر کشفی صورت میں مثبت کلمہ نقطہ کے رنگ میں نظر آتا ہے۔ اور کلمہ محمد رسول اللہ جو کہ دعوت خلق کی خبر دینے والا ہے۔ جو اجسام اور جواہر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور طول اور عرض کے قدم اس جگہ راسخ ومضبوط ہیں۔ تو ناچار مثالی صورت میں یہ مقام کشفی نظر میں طویل اور عریض معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام میں سالک اپنے کچھ محکر کی وجہ سے جو کہ ابھی تک اس میں موجود ہوتا ہے۔ کلمہ ثانیہ کو دریائے محیط کی صورت میں دیکھتا ہے۔ اور پہلے کلمہ کو اس دریا کے مقابلہ میں ایک نقطہ سمجھتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ اس فقیر نے بھی بقیہ سکر کی وجہ سے جو کہ ابھی تک تھا۔ حکم لگایا تھا۔ اور لکھا تھا۔ کہ کلمہ ثانیہ ایک ایسا دریا ہے۔ کہ اس کے پہلو میں کلمہ اولیٰ ایک نقطہ کی طرح ہے۔ اور اس مقام میں صاحب فتوحات مکیہ نے بھی کہا ہے۔ کہ جمع محمدی زیادہ وسیع تر ہے۔ بہ نسبت جمع بے پایاں الٰہی جل سلطانہ کے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بے چوں مرتبہ وجوب تعالت وتقدست کی وسعت پر تو ڈالتی ہے۔ اور اس مرتبہ مقدسہ کا بے کیف احاطہ ظاہر ہوتا ہے۔ تو تمام کائنات باوجود اس طول اور عرض کے ایک خورد ترین ذرہ کا حکم بہ نسبت اس دریائے بے پایاں کے رکھتی ہے۔

جس چیز کو ابتداء میں ایک نقطہ پاتا تھا۔ اس وقت اس کو بے کنار سمندر پاتا ہے۔ اور پہلے دریائے محیط کو سب سے چھوٹے ذرہ سے بھی بہت کمتر دیکھتا ہے۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے۔ کہ ولایت نبوت سے بہتر ہے۔ کیونکہ ولایت کو پہلے کلمہ سے مناسبت ہے اور نبوت کا تعلق دوسرے کلمہ سے ہے۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ نبوت دونوں مقدس کلمات کا حاصل ہے۔ نبوت کا عروج پہلے کلمہ سے تعلق رکھتا

اور اس کا نزول کلمہ ثانیہ سے پس دونوں کلموں کا مجموعہ مقام نبوت کا حاصل ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کر رکھا ہے۔ اور کلمہ اولیٰ کو ولایت سے مخصوص کر رکھا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کلمے باعتبار عروج و نزول مقام ولایت کا حاصل ہیں۔ اور اسی طرح عروج و نزول کے اعتبار سے مقام نبوت کا حاصل بھی ہیں

خلاصۂ کلام یہ کہ مقام ولایت مقام نبوت کا ظل ہے۔ اور کمالات ولایت نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ سکر کے مقام میں جو کچھ بھی لوگ کہہ جائیں۔ وہ معذور ہیں۔ اور یہ فقیر بھی سکریات میں ان کا شریک ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے اپنے خطوط میں کلمہ اولیٰ کو مناسب مقام ولایت لکھا ہے۔ اور دوسرے کلمہ کو مقام نبوت کے۔ مناسب سکر بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ بشرطیکہ اس کے بعد صحو نصیب ہو جائے۔ اور طریقت کے کفر سے حقیقت کے اسلام میں آجائے۔ اے ہمارے رب بعزت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم بھول جائیں۔ یا خطا کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور اللہ اس آدمی پر رحم کرے۔ جو آمین کہے۔

مکتوب نمبر ۷۲

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ بیت اللہ المقدس کا معاملہ تجلیات و ظہورات اور ظہور عرشی سے بلند تر ہے۔ اور حقیقت کعبہ کے وصول و الحاق اور اپنی ظاہری صورت سے خانہ کعبہ کی صورت کی زیارت کے شوق میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

ظہور عرشی اگرچہ تمام ظہورات سے بلند تر ہے۔ لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ المقدس سے وابستہ ہے۔ ظہورات و تجلیات سے بلند تر ہے۔ اس کے مقابلہ میں ظہور اور تجلی کا نام لینا ننگ ہے۔ تجلیات و ظہورات محیط دائرہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ اس دائرہ کے مرکز کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ محیط دائرہ اپنی فراخی کے باوجود دائرہ کے مرکز کا ظل ہے۔ اس لئے کہ اسی مرکز کے نقطہ نے اپنے سائے کو فراخ کیا ہے۔ اور سینکڑوں نقطوں کی صورت میں ظاہر ہو کر محیط دائرہ ہوا ہے۔

اور ہم جس بحث میں ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ نقطہ سے تعبیر کرنا اقرب شے کی تعبیر کے قبیل سے ہے۔ ورنہ اس جگہ نقطہ بھی دائرہ کی طرح مفقود ہے۔ نہ ظاہر کو اس جگہ مجال ہے۔ نہ مظہر کو اور اس مقام میں نہ اصل کی گنجائش ہے نہ ظل کی کہ اس دولت سرا سے اصل بھی ظل کی طرح راہ میں عاجز پڑا ہے۔ ؎

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ[1] کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم[2] ز مرغ من بود آں نام ہم گم

بنی اسرائیل کے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے کعبہ کو بیت المقدس کا صغرہ ہے کے کمالات وظہورات بھی بالاخر اس کعبہ معظمہ کے کمالات سے مل جاتے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملنے سے کوئی چارہ نہیں ہے لہٰذا جب تک مرکز تک نہ پہنچیں۔ جو کہ صراط مستقیم ہے۔ مطلب و مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہائے کعبہ معظمہ کی ملاقات کا شوق! اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔[3]

یقیناً سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت اس میں کھلے کھلے نشان ہیں۔ اور مقام ابراہیم بھی ہے۔ اور جو اس میں داخل ہوگیا۔ وہ امن میں ہوگیا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ کہ جس آدمی کو وہاں جانے کی طاقت ہو وہ بیت اللہ کا حج کرے۔ اور جو انکار کرے۔ تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے

اگرچہ خدا تعالیٰ کی مہربانی سے کعبہ کی حقیقت سے تو الحاق میسر ہے۔ اور اس الحاق کے بعد بھی بے اندازہ ترقیات حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن کعبہ کی صورت کو ظاہر میں دیکھنے کا شوق ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے۔ اور رستے کا امن بھی سلامتی کے غلبہ کے سبب ثابت ہے۔ اور ادائے فرض کا شوق بھی کمال درجہ کا ہے۔ لیکن تاخیر در تاخیر ہے۔ سفر کے متعلق استخارہ کم ہی ادا کرتا ہے۔ جتنی بھی اچھی طرح توجہ کرتا ہوں۔ جانے کی راہ نہیں کھلتی۔ اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا۔ کیا کیا جائے۔ اور ادائے فرض میں تاخیر کرنے کے لئے یہ تمام عذر فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرض حج کی ادائیگی کے لئے گھر سے نکلنا ہی چاہیئے۔ اور سر آنکھوں سے ان منازل کو قطع کرنا چاہیئے۔ اگر وہاں تک پہنچ جائیں۔ تو یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور اگر راستہ ہی میں رہ جائے۔ تو اجر کی امید تو کہیں گئی ہی نہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کردے اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

---

[1] میں اس پرندے کا نشان تجھ کو کیا بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیاں ہے۔ ۱۲

[2] آدمی عنقا کا نام تو جانتے ہی ہیں۔ اور میرے پرندے کا نام بھی معلوم نہیں ہے۔ ۱۲

[3] سورہ آل عمران پارہ لن تنالوا۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۷۳

مخدوم زادہ مجدالدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

انسان کامل کے ظاہر و باطن اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

انسان عالم امر و عالم خلق کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ عالم خلق کو انسان کا ظاہر اور صورت میں تصور فرماتے ہیں اور عالم امر کو انسان کا باطن و حقیقت جانتے ہیں۔ اور اعیان ثابتہ (صور علمیہ) کو جو ممکنات کی حقیقت کہتے ہیں۔ تو وہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں۔ اور وہ اعیان ان کے اصول ہیں۔ کیونکہ ممکنات کی ماہیت و حقیقت وہی اعیان کے ظلال ہیں۔ کہ ممکنات ان ظلال سے ممکنات بنی ہیں۔ اور اپنا وجود ظلی پیدا کیا ہے۔ برخلاف ان اعیان کے کہ تعینات وجوبیہ کا اس جگہ اثبات کرتے ہیں۔ اور اس کو امکان کے مراتب سے بلند سمجھتے ہیں۔

کیونکہ تعین وحدت اور تعین واحدیت کو جو کہ اعیان ثابتہ کا مرتبہ ہے۔ تعین وجوبی کہتے ہیں۔ اور تین اور تعینات کو بھی جو کہ تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین حسی ہیں۔ تعین امکانی سمجھتے ہیں۔ پس تعین وجوبی کو جو کہ تعین امکانی کی حقیقت کہتے ہیں۔ تو یہ بر سبیل مجاز ہوگا۔ کیونکہ حقیقت امکانی عالم امکان سے ہوگی۔ نہ کہ مرتبہ وجوب سے۔ اصل شے گویا حقیقت شے ہے۔ پس وہ جو کہتے ہیں۔ کہ صوفی کائن اور بائن ہے۔ یعنی ان کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ اور باطن ان سے جدا ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ تو ظاہر سے مراد اس کا عالم خلق سمجھتے ہیں۔ اور باطن سے اس کا عالم امر جانتے ہیں۔

اور اس مقام کو جو کہ دونوں وجود کا جامع ہے۔ بہت بلند کہتے ہیں۔ اور اس کو مقام تکمیل و ارشاد سمجھتے ہیں۔ اور تحریر دعوت کہتے ہیں۔ اور اس فقیر کو اس مقام کی معرفت خاصہ حاصل ہے۔ اور وہ وہ ہے۔ اور جو اخص الخواص شخص ہے۔ کہ جس کی نسبت عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے صورت اور ظاہر سے ہے۔ اور اس کا باطن وہ اسم ہوتا ہے جو اس کے تعین کا مبدا ہے۔ دوسرے اسماء اور شیونات کے ساتھ جو کہ اس اسم کا اصل ہیں۔ یہاں تک کہ شیون اور اعتبارات سے خالی ذات کی بارگاہ تک ان کی انتہا ہوتی ہے۔

یہ پوری معرفت والا عارف جب تمام امکانی مراتب کو طے کر لیتا ہے۔ تو اس کو اس اسم تک رسائی ہو جاتی ہے۔ جو اس کا قیوم ہے۔ اور اس کی عین امکانی مراتب سے الگ ہو کر اس اسم کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے۔ اور ترتیب

کے ساتھ بر سبیل عروج وہ ہیں۔ اس اسم کے اوپر کئی مراتب تک جو کہ اس اسم کے اصل کی طرح ہیں۔ انطباق حاصل کرتی ہے۔ اور اسی طریقہ سے احدیت مجردہ تک پہنچتی ہے۔ پس یہ مراتب تمام انطباق اس کی ہیں۔ کے اس کی حقیقت ہو جاتی ہیں۔ کہ اس کا عالم امر اس کے عالم خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت ہو جاتا ہے۔ اور یہ صورت اس حقیقت کے لئے لباس کی طرح ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص اس جامہ کو پہننے والا ہے۔ اور چونکہ دوسروں کا (آثار میں) کا اطلاق کرنا صرف عالم خلق اور عالم امر پر بس ہے۔ تو لازمی طور پر ان کی صورت و حقیقت یہی عالم خلق اور عالم امر ہوتا ہے۔ اور وہ اسماء جو ان تعینات کے مبادی ہیں۔ ان کے قیوم سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

سوال:۔ عارف جتنا بھی کماں معرفت پیدا کرے۔ وہ ممکنات ہی سے ہے۔ اور امکان سے نکل کر وہ وجوب سے متصف نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اسم جو اس کا قیوم ہے۔ اور مرتبہ وجوب سے ہے۔ وہ کس طرح اس کی حقیقت اور اس کا جزو ہوگا۔

جواب:۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ حقیقت شہود کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ وجود کے اعتبار سے تاکہ استحالہ لازم آئے جیسا کہ بقا باللہ کہتے ہیں۔ یہ شہود صرف تخیل نہیں ہے۔ اس پر ثمرات اور نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ؎

فریاد حافظ[1] این ہمہ آخر بہر زہ نیست ! ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست۔

پس محقق ہوا۔ کہ دوسروں کی حقیقت اور مجموعی صورت اس عارف کی مجرد صورت ہے۔ کہ اس کی حقیقت کی نسبت سے یہ صورت ایک اکہرے لباس کی مانند ہے۔ بہ نسبت اس لباس کے پہننے والے کے پس دوسرے اس کی حقیقت سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور اپنی حقیقتوں اور صورتوں کے مماثل ہونے کے سوا اور تصور بھی کیا کر سکتے ہیں۔ اس عارف کی معرفت حق سبحانہ کی معرفت کو مستلزم ہے۔ اِذَا رُؤُا ذُکِرَ اللّٰہُ۔ (جب وہ دیکھے جاتے ہیں۔ تو اللہ یاد آجاتا ہے۔) ان عارفوں کا نشان ہے۔ اے خداوندا یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ تو نے اپنے دوستوں کو کیسے بنایا ہے۔ کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پایا۔ اور جب تک تجھ کو نہ پایا۔ ان کو نہ پہچانا۔

اور وہ جو اس فقیر نے اپنی بعض کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے۔ کہ پوری معرفت والا عارف رجوع کے بعد کلی طور پر اپنے آپ کو دنیا والوں کی دعوت کے لیئے متوجہ کر دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہو۔ اور اس کا باطن حق جل و علا کے ساتھ۔ اس کلیت سے مراد اس کا عالم امر اور عالم خلق ہے جس طرح کہ

---

[1] حافظ کی یہ تمام فریاد آخر بے مقصد نہیں ہے۔ قصہ ہی بڑا اور بات بڑی عجیب ہے۔ ۱۲

[2] اس عبارت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اولیائے کرام بھی عوام انسانوں کی مانند ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کئی اعتبار سے فوقیت دی ہے۔ (حاشیہ مترجم)

ان لوگوں میں متعارف ہے۔ یعنی عالم خلق و عالم امر دونوں کی طرف دعوت کے لئے متوجہ ہوتا ہے۔ اور وہ حقیقت و باطن جو اس فقیر نے اوپر لکھا ہے۔ تو اس سے مراد اسم قیوم اور اس کا مافوق ہے۔ اور اس کا حق جل و علا کے ساتھ توجہ کا کوئی معنی نہیں ہے۔ کہ وہ تو عالم وجوب سے ہے۔ جیسا کہ پہلے گذرا۔

بہر صورت رجوع کے وقت عارف کامل کی توجہ پوری طرح خلق کی جانب ہوتی ہے۔ اور جس کا ایک رخ مخلوق کی طرف ہو۔ وہ تو سط سیر میں ہے۔ لیکن اس سالک شخص سے بلند تر ہے۔ جس کی تمام توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ آدمی بندوں کے حقوق ادا کرنے میں ناقص ہے۔ اور وہ دونوں کے حقوق یعنی خالق جل و علا کے حقوق اور جتنا ہو سکے۔ مخلوق کے حقوق بھی پورے کرتا ہے۔ اور خلق کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تو وہ اس کی نسبت زیادہ کامل ہوا۔

معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حق جل شانہ کی طرف۔ توجہ ابعد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اس عارف کے حق میں ابعد دوسروں کا نصیب ہو چکا ہے۔ جو کہ توجہ کا محتاج ہے۔ کبھی تم نے کوئی ایسا آدمی بھی دیکھا ہے۔ جو اپنے آپ کی طرف متوجہ ہو۔ پھر اس کی طرف متوجہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو اپنے آپ سے بھی نزدیک تر ہے۔ کہ اس کی طرف توجہ کی کوئی صورت ہی نہیں ہے اور یہ توجہ نہ کرنا اس عارف کے کمالات کی خصوصیات سے ہے۔ اور دور بین لوگ ہو سکتا ہے۔ کہ اس کو نقص سمجھ لیں۔ اور توجہ کو عدم توجہ سے زیادہ کمال تصور کریں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق دے۔ اور یہ اپنے جہل مرکب کا حکم نہ کریں۔ اور ہنر کو عیب نہ جانیں۔

مکتوب نمبر ۴۷

خواجہ ہاشم کی طرف صادر فرمایا۔

اس آیت کے معنی میں فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اور اس آیت کے معنی میں اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الآیۃ اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں۔ اور یہ اپنے نفس کے لئے ظالم ہے اور مقتصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کرتے ہیں اور سابق الخیرات کو محب اور محبوب سے کہ جن کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[1]

---

[1] سورۃ فاطر پارہ ۲۲ ۱۲

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا۔ جن کو ہم نے اپنے بندوں سے انتخاب کیا پھر کچھ تو ان سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور کچھ میانہ رو ہیں۔ اور کچھ خدا کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

یقیناً ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

دونوں آیتوں کی مراد وہی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ چاہے۔ اور ہم اپنی معلومات کے مطابق ان کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ جاننا چاہیے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ خداوند تعالےٰ صورت سے پاک اور بلند ہے۔ پس آدم کی خدا تعالےٰ کی صورت پر پیدائش کا یہی معنی ہو سکتا ہے۔ کہ اگر مرتبہ تنزیہ کے لئے عالم مثال میں کوئی صورت فرض کر لی جائے۔ تو وہ یہی صورت جامع ہو گی۔ کہ انسان اس صورت جامع پر موجود ہوا ہے۔ دوسری کسی صورت کو اس کی قابلیت نہیں ہے۔ کہ اس مرتبہ مقدس کی تمثال ہو سکے۔ اور اس کا آئینہ بن سکے یہی وجہ ہے۔ کہ انسان اللہ تعالےٰ کی خلافت کے لائق ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب تک وہ کسی شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو۔ اس شے کی خلافت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلیفہ شے اس شے کا جانشین ہے۔ اور اس شے کے قائم مقام ہے۔ اور جب انسان رحمٰن کا خلیفہ ہوا۔ تو لازمی طور پر بار امانت کے اٹھانے کے لئے متعین ہوا۔ "بادشاہوں کے انعامات کو اسی کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں"۔

آسمان و زمین اور پہاڑ وہ جامعیت کہاں سے لائیں۔ کہ اللہ کی صورت میں مخلوق ہوں۔ اور اس کی خلافت کے حقدار ٹھہریں۔ اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھائیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ اگر بالفرض اس امانت کے بوجھ کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ کر دیتے۔ تو وہ پارہ پارہ ہو جاتے۔ اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ اور وہ امانت اس حقیر کے خیال کے مطابق نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے۔ جو کہ انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے یعنی

لہ سورہ احزاب پارہ من یقنت ۱۲۔

ٹہ اس حدیث کا مفہوم صحیح دفتر اول کے مکتوب ۶ کے حاشیہ میں بیان کیا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں ۱۲۔

کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ بحکم خلافت اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں[۱]۔ اور تمام مخلوق کو وجود اور بقا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کے فیوض اس کے واسطہ سے پہنچاتے ہیں۔ اگر فرشتہ ہے تو اسی سے متصل ہے۔ اگر انسان و جن ہیں۔ تو اسی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ اور حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی جانب ہے اور تمام اسی کو دیکھنے والے ہیں۔ اسی معنی کو سمجھیں بیان فرمایا ہے۔

اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ۔ یعنی اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا اس قدر کہ اپنے وجود اور وجود کے توابع میں سے کوئی بھی اثر اور حکم نہیں رکھتا۔ اور جب تک اپنے اوپر اس قدر ظلم نہ کرے۔ امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جَھُوْلًا بہت زیادہ جہالت والا اتنا کہ اسے اپنے مطلوب کا کوئی ادراک اور علم نہیں ہوتا۔ بلکہ ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہوتا ہے۔ اور یہ عجز و جہل اس کمال کے مقام میں معرفت ہے۔ کیونکہ یہاں جو سب سے زیادہ جاہل ہے۔ وہ سب سے بڑا عارف ہے اور اس میں تو شک نہیں۔ کہ جو سب سے بڑا عارف ہو۔ وہی امانت اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے۔ یہ دونوں صفتیں گویا بار امانت کے اٹھانے کا سبب ہیں۔

یہ عارف جو قیومیت اشیاء کے منصب پر مقرر ہوا ہے۔ یہ وزیر کا حکم رکھتا ہے۔ کہ مخلوقات کی مہمات اس کی طرف راجع ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں۔ لیکن ان کی وصولی وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ اس دولت کے سردار ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور یہ بلند منصب اصل میں تو انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ان بزرگواروں کی تبعیت اور وراثت میں جس کو چاہیں۔ اس دولت سے مشرف کریں۔ ؎

باکریماں کار با دشوار نیست[۲]

اور دوسرا ان کتاب میں سے جو کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں پہلی جماعت ہیں اپنی جان پر ظلم کرنے والی ہے جو کہ وزارت و قیومیت کے منصب سے مشرف ہوئی ہے۔

اور ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسری جماعت جس کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو خلت کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور صاحب سر اور اہل مشورہ ہیں۔ اگرچہ بادشاہت کے کاروبار اور معاملہ کا تعلق وزیر سے زیادہ ہے۔ لیکن خلیل ہم نشین ہے۔ اور صاحب انس و الفت ہے۔ یہ اپنی خوشی کے لئے ہے۔ اور وہ (وزیر) دوسروں کی مہمات کے لئے۔ ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور اس بلند مقام کے سردار حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا و علیہ

---

[۱] اولیاء اللہ کے کمالات و تصرفات کے منکرین حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ معنی قیومیت میں غور فرمائیں۔ [۲] یعنی لوگوں پر بہت سے کام مشکل نہیں ہوتے۔

الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور ان کے بعد جس کو بھی اس بلند مقام سے مشرف کردیں۔

اور خلت کے مقام سے بالاتر محبت کا مقام ہے۔ کہ وہ تیسری جماعت سابق بالخیرات ہیں۔ جو اس مقام عالی پر مشرف ہوئے ہیں۔ مدگار اور ہم نشین اور ہے۔ اور دوست اور محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو کہ محب اور محبوب کے درمیان گزرتے ہیں۔ یار و ندیم کو اس جگہ کیا دخل ہے۔؟ ہر چند انس و الفت کے کمال کے وقت محبت کے مخفی اسرار کو خلیل جلیل القدر سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کو محب اور محبوب نہیں بنایا جاسکتا۔ محبوں کے حلقہ کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور محبوبوں کی جماعت کے سردار حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات ہیں۔ اور ان صاحب دولتوں کی تبعیت و وراثت میں جس کو بھی ان دو مقامات سے مشرف کریں۔

اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اوپر ہیں۔ ان کو بھی اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں لکھا ہے۔ اور اس جگہ بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یہ سب مقام سابقین میں داخل ہیں۔ جو کہ دارثان کتاب میں سے تیسرے فرقہ کا حصہ ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے معاملہ میں بھلائی مہیا کر۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۵۷

مرزا مظفر خاں کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ مصیبتیں اور سختیاں دوستوں کے لئے کفارہ ہیں۔ اور تضرع اور عاجزی سے معافی اور عافیت طلب کرنا چاہیئے۔ اور اسکے مناسبات

اللہ تعالیٰ آپ کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے۔ جو تمہاری جناب کے لائق نہیں ہیں۔ دنیوی مصیبتوں اور سختیوں کا ورود دوستوں کے لئے ان کی لغزشوں کا کفارہ ہے۔ تضرع و زاری و التجا و انکساری سے جناب قدس سے معافی اور عافیت طلب کرنا چاہیئے۔ اور اسوقت تک طلب کرنا چاہیئے۔ جب تک کہ قبولیت کا اثر ظاہر ہو۔ اور فتنے بیٹھ جائیں۔

اگرچہ دوست اور خیر خواہ بھی اسی کام میں ہیں۔ لیکن اس کام کا سب سے زیادہ حقدار صاحب معاملہ ہے۔ دوا کھانا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ اور دوسرے تو بیماری کے ازالہ میں صرف اس کے مددگار ہیں۔ اصل معاملہ تجھ سے۔ کہ جو کچھ بھی محبوب حقیقی سے پہنچے۔ اسے خندہ پیشانی اور فراخ سینہ سے اس کے احسان کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ بلکہ

اس سے ذلت حاصل کرنی چاہیئے۔ وہ رسوائی اور بدنامی جو محبوب کی مراد ہو، محب کے نزدیک ناموس و نام و ننگ سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ اس کے اپنے نفس کی مراد ہے۔ اگر یہ کیفیت محب میں پیدا نہ ہو تو وہ محبت میں ناقص ہے بلکہ جھوٹا ہے۔ ؎

گر عشق خواہد زمن سلطان دیں ۔۔۔ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں[۵۱]

جناب شریعت مآب جب ملازمت سے واپس آئے۔ اور اس سفر کے حالات اور مسافروں کے احوال کی تنگی بیان فرمائی۔ تو ان کی عافیت اور سلامتی کے لئے دعا مانگی گئی۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور ہم پر پہلے لوگوں کی طرح بوجھ نہ ڈال۔ اے ہمارے رب ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ اور ہم کو معاف کر دے۔ اور ہمیں بخش دے۔ اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے۔ سو ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین۔ والحمد للہ رب العالمین والسلام

مکتوب نمبر ۷۶

مولانا فرخ حسین کی طرف صادر فرمایا

عرش کی حقیقت کے بیان میں کہ وہ عالم خلق اللہ عالم امر کے درمیان برزخ ہے۔ اور دونوں سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور زمین و آسمان کی جنس سے نہیں ہے۔ اور کرسی اور اس کی وسعت کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

عرش مجید خداوند تعالےٰ کی عجائب مصنوعات میں سے ہے۔ وہ عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے۔ اور اس سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس سے بھی اور عالم خلق چھ روز میں پیدا ہوا ہے۔ زمین اور پہاڑ اور آسمان وغیرہ جن کا ذکر آیت کریمہ وَخَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ[۵۲] الآیۃ میں واقع ہوا ہے۔ عرش کی ایجاد ان سب سے پہلے ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ[۵۳]

---

۵۱ اگر دین کا بادشاہ مجھ سے طمع چاہے۔ تو اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک ۱۲۔

۵۲ سورہ حم سجدہ پارہ نمبر اظلم ۱۲۔

۵۳ سورہ ہود پارہ ۱۲ ۱۲۔

اور اللہ وہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا) بلکہ پانی کی پیدائش بھی اس آیت سے ان چیزوں سے پہلے معلوم ہوتی ہے پس عرش مجید جس طرح کہ زمین کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ آسمانوں کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عالم امر سے بھی بہت سا حصہ رکھتا ہے۔ اور یہ چیزیں اس سے کوئی حصہ نہیں رکھتیں۔

خلاصہ کلام چونکہ عرش کو آسمانوں سے زمین کی نسبت بہت زیادہ مناسبت ہے۔ تو لازمی طور پر اسے آسمانوں میں شمار کیا گیا۔ ورنہ فی الحقیقت وہ جیسے زمین سے نہیں ہے۔ آسمانوں سے بھی نہیں ہے۔ تو لازمی طور پر زمین و آسمان کے احکام و آثار علیحدہ ہوں گے۔ باقی رہا کرسی کا معاملہ تو وہ آیت کریمہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کرسی بھی آسمانوں سے الگ ہے۔ اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اور شک نہیں ہے۔ کہ کرسی عالم امر سے نہیں ہے کیونکہ کرسی کو عرش سے نیچے کہتے ہیں۔ اور عالم امر کا معاملہ عرش سے اوپر ہے۔ اور چونکہ کرسی عالم خلق سے ہے۔ اور اسکی پیدائش آسمانوں سے جدا ہے۔ تو چاہیئے کہ اس کی پیدائش ان چھ دنوں کے علاوہ ہو۔ اور اس معنی میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ تمام عالم خلق کو ان چھ دنوں میں ہی پیدا نہیں کیا ہے۔ کہ پانی کی پیدائش جو کہ عالم خلق سے ہے۔ ان چھ روز کے علاوہ ہے۔ اور ان چھ دنوں سے پہلے ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور چونکہ کرسی کا معاملہ ہم پر اچھی طرح نہیں کھلا ہے لہذا اس کی تحقیق کو دوسرے کسی وقت پر ڈالتے ہیں۔ اور اللہ کی نوازش سے ہم اس کی امید رکھتے ہیں۔ اے میرے رب مجھے علم زیادہ عطا فرما۔

اس تحقیق سے دو قوی اعتراض خود بخود رفع ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ جب زمین اور آسمان نہیں تھے۔ تو چھ دن کی تعیین و تشخیص کس طرح ہو گئی۔ اور اتوار کا دن سوموار سے کیونکر جدا ہوا۔ اور منگل بدھ سے کس طرح الگ ہوا۔ اور جمعرات کا دن کیسے ممتاز ہوا۔؟

جب عرش کی پیدائش زمین و آسمانوں کی پیدائش سے پہلے معلوم ہو چکی۔ تو زمانہ کا حصول متصور ہو گیا۔ اور ایام کا ثبوت واضح طور مہیا ہو گیا۔ اور اعتراض ختم ہوا۔ یہ کب ضروری ہے۔ کہ مخصوص ایام کا امتیاز آفتاب کے طلوع و غروب سے ہو۔ کیونکہ بہشت میں طلوع و غروب نہیں ہے۔ اور دونوں کا امتیاز ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔

دوسرا اعتراض جو رفع ہوا ہے۔ اور اس فقیر کے علوم سے مخصوص ہے۔ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے آسمان اور میری زمین مجھے نہیں سما سکتیں۔ لیکن مجھے سما لیتا ہے۔ میرے مومن بندے کا دل" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ظہور تام مومن بندے کے دل سے مخصوص ہے۔ اور اس کے علاوہ اور

لہ سورہ بقر پارہ ۳-۱۲

کسی کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔ اور تم نے اپنے مکتوبات میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔ کہ ظہور اتم عرش مجید کے لئے ہے۔ اور ظہور قلبی ایک چمک ہے۔ ظہور عرشی سے۔

اور اس سابق تحقیق سے معلوم ہے۔ کہ عرش مجید کے آثار و احکام سے علیحدہ ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں گنجائش نہیں ہے۔ اور عرش میں ہے۔ اس زمین اور آسمان اور ان کے اندر کی موجودات اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے۔ سوائے مومن بندے کے دل کے کہ وہ اس دولت کے لئے مستعد ہے۔ پس وسعت قلبی کا حصر زمین اور آسمانوں کی نسبت سے ہے۔ نہ کہ تمام مخلوقات کی نسبت سے جو کہ عرش مجید کو بھی شامل ہو۔ تاکہ حدیث قدسی کے مفہوم کے خلاف متصور ہو۔ پس دوسرا اعتراض بھی رفع ہوا

جاننا چاہیئے۔ کہ عرش مجید جو کہ ظہور تام کا محل ہے۔ جب آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ ان سب کو عرش کے مقابل لاتے ہیں۔ تو بلاشبہ وہ ناچیز اور نابود ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ مگر انسان کامل جو کہ خدا تعالےٰ کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ باقی رہتا ہے۔ اور محض لاشے نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح وہ ظہور جو کہ عرش سے اوپر کی جانب سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کہ صرف عالم امر سے ہے۔ عرش کا اس مرتبہ کی نسبت وہی حکم ہے۔ جو کہ زمین اور آسمانوں کو عرش سے نسبت ہے۔ اور اسی طرح ہر بلند کو اپنے پست سے یہی نسبت ہے۔ یہاں تک کہ عالم امر ختم ہو جاتے۔ اس دائرہ کے ختم ہونے کے بعد معاملہ حیرت اور جہل کا ہے۔ اگر کچھ معرفت ہے تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہے۔ جو کہ حادث عقل و فہم کے لائق نہیں ہے۔ اب ہم انسانی کمالات اور انسان کے دل کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں ؎

عیبش[1] مجملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

عرش مجید اگرچہ فراخ تر اور مظہر اتم ہے۔ لیکن وہ اس دولت کے حصول کا علم نہیں رکھتا۔ اور اسکو اپنے کمالات کا ظہور حاصل نہیں ہے۔ برخلاف قلب انسانی کے کہ وہ صاحب شعور ہے۔ اور اپنی معرفت اور علم سے معمور ہے۔ اور دل کو دوسری فضیلت وہ ہے۔ جو ہم بیان کرتے ہیں۔ اچھی طرح سنو۔

مجموعہ انسان جسے عالم صغیر کہتے ہیں۔ ہر چند کہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے۔ لیکن اس کو اجتماعی حقیقی صورت حاصل ہے۔ کہ اس ہیئت پر احکام و آثار مرتب ہوتے ہیں۔ اور عالم کبیر کو یہ ہیئت حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف اعتباری ہے۔ پس وہ فیوض جو اس ہیئت وحدانی کی راہ سے انسان تک اور اس کے ذریعہ قلب انسانی تک پہنچتے ہیں۔ عالم کبیر اور عرش مجید جو کہ اس عالم کبیر میں دل کی طرح ہے۔ ان کو ان فیوض و برکات سے کچھ حصہ نہیں ہے۔

---

[1] تو نے شراب کے تمام عیب بیان کئے ہیں۔ اس کا ہنر بھی بیان کر ؛ ۱۲

اور ایک یہ فضیلت بھی ہے۔ کہ جزو ارضی جو کہ حقیقت میں مخلوقات کا خلاصہ ہے۔ دوری کے باوجود اقرب ظہور بالذات ہے۔ اس کے کمالات نے مجموعہ عالم صغیر میں سرایت کی ہے۔ اور عالم کبیر میں چونکہ وہ مجموعہ نہیں ہے۔ یہ سرایت اس جگہ مفقود ہے۔ پس عرش مجید کے برخلاف انسان کا دل یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ یہ فضائل و کمالات جو کہ قلب میں ثابت کئے گئے ہیں۔ اگر ان کو اچھی طرح دیکھا جائے تو یہ جزوی فضیلت میں داخل ہیں۔ کلی فضیلت ظہور عرشی ہی کو حاصل ہے۔ عرش اور قلب کی مثال اس طرح معلوم ہوتی ہے۔ کہ گویا ایک وسیع آتش ہے۔ جس نے دشت و صحرا کو منور کر رکھا ہے۔ اور اس آگ سے ایک مشعل روشن کی ہے۔ جس نے بعضے امور کے الحاق سے ایک الگ نورانیت پیدا کر لی ہے۔ جو اس آگ میں نہیں ہے۔ اور شک نہیں ہے۔ کہ یہ زیادتی سوائے جزوی فضیلت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ہی تمام امور کے حقائق کو بھی طرح جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللہ تعالےٰ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین وسلم وبارک وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین اجمعین۔

مکتوب نمبر ۷۷

مولانا حسن برکی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں جس میں انہوں نے صوفیہ کے کلام پر کچھ اعتراضات کئے تھے۔ اور مکتوب کے آخر میں لکھا تھا۔ کہ احکام شرعیہ میں سے ہر حکم گویا کہ ایک دریچہ ہے۔ جو مقصود کے شہر کو پہنچانے والا ہے۔ اور کچھ اور بھی استفسار کیے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

بھائی شیخ حسن کا گرامی نامہ پہنچا۔ اللہ ان کے حال کو اچھا کرے۔ چونکہ اس میں تشرع اور استقامت کی خوشبو تھی طبیعت خوش ہوئی

آپ نے لکھا ہے۔ کہ وہ سلوک جو مشہور ہے۔ اور جس کا سالک اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو ہمارے مفہوم میں ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مبتدی کو اس وقت تک ذکر کرنا چاہیئے۔ جب تک کہ دل ذکر کرنے لگے۔ اور پھر اس وقت ذکر کرے جب کہ دل ذکر کرنے سے رک جائے۔ یہاں تک کہ الہامات و تجلیات کا محل ہو جائے۔ اور سالک فنا کے مقام میں پہنچ جائے۔ جو کہ ولایت کا پہلا قدم ہے۔ اور صوفیاء نے کہا ہے۔ کہ فنا وہ ہے۔ کہ سالک کی دید و دانش ہر اس چیز

سے جو غیر کے نام کے ساتھ موسوم ہے۔ اپنا رخت سفر باندھے۔ اور سالک کی دید و دانش میں سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اس کو شہود اور مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ مقصود یہ ہے۔ کہ وہ اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ اور مسمّٰی بالغیر کو نہیں دیکھتا۔ اور رؤیت دیکھنے والے کو طریقت کا مشرک کہتے ہیں۔

اور آپ نے لکھا ہے۔ کہ فقیر کو یہ معارف اور اس جیسے اور معارف بدظن کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کا مقصود یہ ہے۔ کہ حق جل سلطانہ دنیا میں ظاہری آنکھ یا بصیرت سے دیکھا جائے۔ اگر وہ اس شہود سے علم کی رویت مراد لیتے ہیں تو یہ بھی طریقت کے مشرک ہیں۔ اور اگر اس معنی سے شعور مراد نہیں رکھتے۔ تو یہ کس کی خبر دیتے ہیں۔ اور کون خبر دیتا ہے۔

اور لکھا ہے۔ کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں۔ ہر لحاظ سے خواہ وہ تجلی صوری ہو۔ خواہ معنوی اور خواہ نوری ہو۔ یا اس کے علاوہ اور اس نظر آنے والی چیز کو خداوند تعالیٰ کی ذات سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بلند و بالا ہے۔ کہ جو کچھ مسمّٰی بالغیر ہے۔ اس کا ظہور جانتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک تو یہ سب کچھ بے حاصل اور بے فائدہ ہے۔ اور نص کریمہ کے خلاف ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اور اس آیت کے بھی خلاف ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ پس یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں۔ اور کیا جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے۔ اور نہیں جانتے۔ اور اس کو شہود اور مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ تمام افکار جو وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تدبیر میں رکھتے ہیں۔ یہ غیر ہے۔ یا نہیں۔؟

جان لیں اور آگاہ ہو جائیں۔ کہ یہ تمام طول طویل گفتگو اور نامناسب اعتراضات جو کہ تم نے مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم پر کئے ہیں۔ ان کا سبب ان بزرگواروں کے مطلب کو نہ سمجھنا ہے۔ توحید شہودی جو کہ ایک کو دیکھنا ہے اور ماسوی کے نسیان سے وابستہ ہے۔ ان بزرگواروں کی طریقت کے مزدیات سے ہے۔ جب تک یہ نہ ہو۔ اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ملتی۔ اور تم اس دولت اور اس کے مالکوں کو جھٹلا اور مذاق کر رہے ہو۔ وہ شہود و رویت جو کہ ان اکابر مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارتوں میں واقع ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے چون حضور سے عبارت ہے۔ جو کہ مرتبہ تنزیہ کے مناسب ہے۔ اور ادراک کے حیطہ سے جو کہ چون کے عالم سے ہے۔ باہر ہے۔ اور اس حضور کی دولت کو دنیا میں باطن سے مخصوص رکھا ہے۔ ظاہر میں رؤیت دیکھنے سے چارہ نہیں ہے۔ اسی طرح کہا ہے۔ کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک اور موحد ہے۔ اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک و موحد جمع ہے۔ کامل کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک ہے۔ پس باطن کا کامل خدا تعالیٰ کے ساتھ ہونا ہے۔ اور اس کا ظاہر اہل و عیال کی تدبیر میں اور اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اعتراض بے سمجھی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ہرگز اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ اور خداوند تعالیٰ کی غیرت سے ڈریں۔

اس وقت کے ظاہری دعوی داروں نے آپ کو پریشان کر دیا ہے۔ بزرگوں کا ملاحظہ ضروری ہے۔ اگر آپ جھوٹے مدعیوں کے محدثات و اختراعات کے متعلق کہتے ہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن وہ جو صوفیا کی قوم میں مقرر ہے سادر اس راہ میں لازمی ہے۔ اس کے متعلق بات کہنا مناسب نہیں ہے۔ آپ نے اس فقیر کے مکتوبات اور رسائل میں دیکھا ہوگا کہ توحید شہودی کے متعلق کتنا لکھا جا چکا ہے۔ اور ان کو ضروریات راہ سے قرار دیا ہے۔ تمہیں چاہئے تو یہ تھا۔ اس معنی کے متعلق استفسار کرتے۔ اور حسن ادب سے سوال کرتے۔ یہ وہ پھول ہے۔ جو مولانا احمد مرحوم کی مفارقت کے بعد کھلا ہے۔ مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ اچھا ہوا کہ تم نے لکھا اور تنبیہ پائی سادر آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہو۔ لکھو۔ اور صحیح و غلط کا لحاظ نہ کرو۔ اگر صحیح ہو تو خوشی کا باعث ہے۔ اور اگر غلط ہو تو انتباہ کا سبب ہے۔ بہر حال لکھنے سے سستی نہ کریں۔

ایک سال کے بعد آپ کا خط قافلے کے ہمراہ آتا ہے۔ اور سال میں ایک بار ضروری نسائح بہت ضروری ہیں۔ جب تک ان کے متعلق نہ لکھو گے۔ اور کچھ نہ لکھو گے۔ تو گفتگو کی راہ نہ کھلے گی۔ آپ نے پوچھا ہے کہ قلب ظاہری اشیا میں سے ہے۔ یا باطنی اشیاء میں سے عارف کے ظاہر و باطن کو تو لیک مکتوبات میں تفصیل سے لکھا ہے ملا عبدالحی سے کہوں گا۔ کہ اس کی نقل آپ کو بھیج دیں۔ اس جگہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ وہ طریقہ جو کشف اور تجلی کے بغیر ہے۔ اس میں متوسط اور منتہی کی شناخت کا کونسا طریقہ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اگر یہ سالک جو اپنے احوال کا علم نہیں رکھتا۔ شیخ کامل مکمل کی خدمت میں ہے۔ جو راہ دان اور راہ بین ہے۔ تو اس کے حال کے متعلق اس شیخ کا علم کافی ہے۔ اور وہ اس کے بتانے سے اپنے توسط اور انتہا کو معلوم کرے گا۔

اور اگر شیخ نے اس کو ایک طرح کی ارشاد خلق کی اجازت دے رکھی ہے۔ تو اس کے مریدوں کے حالات اس کے کمالات کا آئینہ ہوں گے۔ اور اس جگہ سے اپنے نقص و کمال کو جان لے گا۔ اور معرفت کی انتہا کو جاننے کا ایک طریقہ وہ ہے کہ سالک کا اللہ سبحانہ و تعالے کے بغیر کوئی مقصود نہ رہے۔ اور اس کا سینہ تمام ماسوا مقصودات سے صاف اور خالی ہو جائے۔ انتہا کے بہت سے مراتب ہیں جن میں سے بعض بعض سے بلند تر ہیں۔ اور نہایت میں پہلا قدم یہی ہے جو ذکر ہوا۔ اور اللہ سبحانہ و تعالے ہی توفیق دینے والا ہے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ وہ علوم جو اس بے بضاعت کو تسلی دیتے ہیں۔ وہ علوم شرعیہ ہیں۔ گویا کہ شریعت کے احکام میں ہر حکم ایک دریچہ ہے۔ جو شہر مقصود کو پہنچانے والا ہے۔ اور اس شاہد بے نشاں کا ایک نشان ہے۔ اور یہی بہت نصب العین ہے۔ ؎

ما بسفر[1] میرویم عزم تماشا کراست ما بر او مے رویم کز ہمہ عالم دراست

---

[1] ہم سفر جاتے ہیں۔ کس کا دیکھنے کا ارادہ ہے۔ ہم اس کے سامنے جا رہے ہیں۔ جو تمام جہان سے پرے ہے

آپ کی یہ معرفت بہت اصلی ہے۔ اور بہت بلند ہے۔ اور مل جانے کی توقع ہے۔ اس معرفت کے مطالعہ نے بہت محفوظ کیا۔ اور خط کی ابتدائی نامناسبت کو اس نے زائل کر دیا۔ اللہ سبحانہ و تعالےٰ اسی راہ سے مقصود پر پہنچائے۔ اور آپ نے پوچھا تھا۔ کہ بعض مرد اور بعض عورتیں آتی ہیں۔ اور طریقہ کی درخواست کرتی ہیں۔ اور وہ سود کے کھانے پینے اور لباس سے پرہیز نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم شرعی حیلہ سے اس کو جائز کر لیتے ہیں۔ ان کو طریقہ تعلیم کرنے کی اجازت ہے۔ یا نہیں۔؟

تم ان کو طریقہ کی تعلیم کرو۔ اور محرمات سے پرہیز کرنے کی ترغیب دو۔ شاید اس طریقہ کی برکت سے وہ اس اشتباہ سے باہر آجائیں۔ اور آپ نے ان دو سفید جھنڈوں کے متعلق جو کہ مشرق کی جانب ایک دوسرے کے پیچھے ظاہر ہوئے ہیں۔ سوال کیا ہے۔ فقیر نے دوسرے دوستوں سے استفسار کے بعد اس کے متعلق ایک مکتوب ملا عبدالحی کو لکھا ہے۔ انہیں انشاء اللہ کہا جائے گا۔ کہ اس کی نقل بھی آپ کو بھیج دیں۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ کلام اللہ کا ختم کرنا اور نفل نماز پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب والدین کو یا استاد کو یا بھائیوں کو بخش دینا بہتر ہے۔ یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔ جان لینا چاہیئے۔ کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے۔ کہ اس میں دوسروں کا بھی نفع ہے۔ اور اپنا بھی فائدہ ہے۔ اور نہ بخشنے میں صرف اپنا ہی فائدہ ہے۔ اور یہ بھی ہے۔ کہ شاید دوسرے کی تہلیل اس کے عمل کو قبول کر لیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۸۷

دار اب خاں کی طرف صادر فرمایا۔

(اس طائفہ علیہ کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فنافی اللہ اور باللہ کا زینہ ہے۔ اور اس کے متعلقات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

وہ خوشگوار دولت جو آپ کے خاندان میں باوجود دولتمندی اور باوجود حصول مواد استغناء کے محسوس ہوتی ہے یہ ہے۔ کہ فقراء سے نیازمندی اور اس طبقہ علیہ کی خدمت گزاری ہے۔ جو اس طبقہ سے محبت و اخلاص کی علامت ہے۔ اس فرقہ ناجیہ سے دوستی اور اختصاص کی نشانی ہے۔ اس جماعت سے محبت رکھنے والوں کے لئے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہوگی۔) کی خوشخبری کافی ہے۔ اور اس طبقہ کے ہم نشینوں کے لئے هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (وہ ایسی قوم ہیں۔ جن کے ہم نشین بدبخت نہیں ہوتے

کی بشارت پوری ہے۔

اور جب خدا تعالیٰ کی مہربانی سے یہ محبت غلبہ پیدا کرتی ہے۔ اور اس طرح غالب آجاتی ہے۔ کہ اس محبت کے علاوہ اور کوئی چیز دل میں نہیں رہتی۔ اور دوسروں کی گرفتاری پوری طرح دل سے چل جاتی ہے۔ اور محبت کے لوازمات جو کہ محبوب کی اطاعت اور محبوب کی مراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے متخلق ہونا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت محبوب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ پھر اس پر بقا باللہ مترتب ہوتی ہے۔ جو کہ ولایت کا اصل ہے۔ مختصر یہ کہ اگر ابتدا ہی میں بغیر کسی کے واسطہ محبوب حقیقی کی محبت و جذبہ حاصل ہو جائے۔ تو یہ ایک بہت بڑی دولت ہے۔ جو فنا و بقا کا حاصل ہے۔ ورنہ کامل مکمل واسطہ سے چارہ نہیں۔ پہلے اپنی مرادات کو اس کی مرادیں ختم کر دینا چاہیئے۔ اور اس میں فانی ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ وہ فنا۔ فنا فی اللہ کا وسیلہ ہو جائے۔ اور ماسوی کی گرفتاری سے پوری طرح آزاد کرے۔ اور ولایت کے درجات تک پہنچا دے۔ ؎

بر شکر غلطید اے سودائیاں از برائے کور نے سودائیاں۔

اس طرح کی باتیں طالبوں اور شائقوں کو بلانے اور شوق دلانے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باقی مقصد یہ ہے۔ کہ فقیروں کا خطے جانے والے محمد قاسم ایک بزرگ زادہ ہیں۔ اور فقیروں کی خدمت میں رہے ہیں۔ لیکن اپنے بڑی بھائی کی آغوش تربیت میں ناز و نعمت میں پل کر بڑے ہوئے ہیں۔ اور زمانے کی محنتیں کم دیکھی ہیں۔ آپ کی ملازمت کا شوق رکھتے ہیں۔ اگر ان کو اپنی سرکار کے ملازمین میں داخل کر لیں۔ اور ان کی حالت پر توجہ رکھیں۔ تو یہ آپ کے کرم سے بعید نہ ہوگا۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۷۹

یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں جو کہ کفر سے منہ پھیرنے اور اسلام کی طرف توجہ کرنے پر مشتمل تھا۔ اور اس کے مناسبات میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

آپ نے جو خط لکھ کر مولانا عبد الحی کے حوالہ کیا تھا۔ کہ وہ مجھے پہنچائیں۔ اس مدت میں انہوں نے نہ پہنچایا پھر

جس دن بابو جانے لگے۔ تو وہ اس خط کو لے آئے۔ جب اس کا مطالعہ کیا گیا۔ تو خوشی کا باعث ہوا۔ کہ وہ کفر سے رو گردانی اور اسلام کی طرف توجہ کرنے پر مشتمل تھا۔ جس طرح اسلام مجازی کفر مجازی سے بہتر ہے۔ اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔ طریقت کے کفر میں سب مستی ہی مستی ہے۔ اور اسلام طریقت میں سب صحو (ہوش) ہے۔ پھر جس طرح مجازی صحو مجازی سکر (مستی) سے بہتر ہے۔ صحو طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔

طریقت کے کفر کا نتیجہ تشبیہ ہے۔ اور طریقت کے اسلام کا نتیجہ تنزیہ ہے۔ جتنا فرق تشبیہ اور تنزیہ میں ہے۔ اتنا ہی فرق طریقت کے اسلام اور کفر میں ہے۔ جن لوگوں نے تشبیہ اور تنزیہ کو اکٹھا کرنا چاہا ہے۔ اور اس کو کمال خیال کیا ہے۔ وہ تنزیہ بھی تشبیہ کا ایک حصہ ہے۔ جو کہ ان کی نظر میں تنزیہ معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ تشبیہ کی کیا مجال ہے۔ جو تنزیہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو سکے۔ اور اس کے نور کے غلبہ میں مضمحل اور نابود نہ ہو جائے۔ ؎

بلے ہر جا شود مہر آشکارا سہارا چہ نہاں بودن چہ یارا

اللہ سبحانہ وتعالےٰ حقیقی اسلام کی حقیقت سے بحرمت النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات مشرف فرمائے۔ مولانا بابو چونکہ جا رہے تھے۔ لہٰذا چند کلمات پر اختصار کرنا پڑا۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

مکتوب نمبر ۸۰

شیخ احمد تہاری کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ انہوں نے سوال کیا تھا۔ کہ تمہیدات میں عین القضاۃ لکھتے ہیں۔ کہ جس کو تم خدا جانتے ہو۔ ہمارے نزدیک وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور جن کو تم محمد سمجھتے ہو۔ وہ ہمارے نزدیک اللہ جل سلطانہٗ ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

گرامی نامہ جو آپ نے کمال محبت و اخلاص اور جوش مودت و اخلاص سے لکھ کر ارسال کیا تھا۔ پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی۔ حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ اس دولت پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہر جماعت کا محبت رکھنے والا اسی

؎ بلے ہر جا چو مہر طلوع کرے وہاں سہا سہارے کے لئے روپوش ہونے سے چارہ نہیں۔ ۱۲

جماعت کے ساتھ ہوگا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

آپ نے تمہیدات عین القضاۃ کی عبارت کے معنی کے متعلق پوچھا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ جس کو تم خدا جانتے ہو۔ ہمارے نزدیک[۵۸] محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جنہیں تم محمد جانتے ہو۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام وہ ہمارے نزدیک خدا جل سلطانہ ہے۔"

میرے مخدوم! اس جیسی عبارتیں جو توحید اور اتحاد کی خبر دیتی ہیں۔ یہ غلبہ سکر میں جو کہ جمع کا مرتبہ ہے۔ اور جسے کفر طریقت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشائخ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم سے صادر ہوتی ہیں۔ اور جدائی اور دوئی ان کی نظر سے اٹھ جاتی ہے۔ اور ممکن کو عین واجب پاتے ہیں۔ بلکہ ممکن کو وہ پاتے ہی نہیں۔ اور سوائے واجب تعالےٰ کے ان کے مشہود میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اس تقدیر پر اس عبارت کا معنی اس طرح ہوگا۔ کہ جدائی اور دوئی جو تمہارے نزدیک اللہ تعالےٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حاصل ہے۔ ہمارے نزدیک وہ امتیاز ثابت نہیں ہے۔ اور نہ مغایرت حاصل ہے۔ بلکہ وہ ایک ہی ہے۔ جو وحدت سے پاک ہے۔ اور دوسرے کا عین بھی ہے۔ جب کہ تمام ممکنات سے مغایرت کی نسبت ختم ہو جاتی ہے۔ اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ تعالےٰ کے کمالات کے مظہر اتم ہیں۔ تو انسے امتیاز کی نسبت کیسے ثابت ہوگی۔ اور یہ دیکھنا مرتبہ جمع سے مخصوص ہے۔

اور جب سالک اس مقام سے بلند ہو جاتا ہے۔ اور افراط سکر سے آنکھیں کھولتا ہے۔ تو محمد کو بندہ پاتا ہے اور اسے خدا تعالےٰ کا رسول سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں جانتا تھا۔ نہایت بدایت کی طرف رجوع کا نام ہے۔ یہ مقولہ آپ نے سنا ہوگا۔ جان لیں کہ بتدی و منتہی کا اشتراک صرف صورت میں ہے۔ جو کہ منتہی کے پوشیدہ ہونے کا باعث ہے۔ ورنہ۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک[۵۹]

جب کہ وہ متوسط کو بھی منتہی سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ تو بتدی کو جو معاملہ سے دور ہے۔ اسکے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

---

[۵۹] خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت؟ ۱۲۔

مکتوب نمبر ۸۱

محمد مراد قوربیکی کی طرف صادر فرمایا۔

(پند و نصائح اور کمینی دنیا کی خوشنما چیزوں سے پرہیز کرنے اور اس کے مناسبات کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

میں ڈرتا ہوں۔ کہ نیک انجام دوست کمینی دنیا کی آرائش میں جو کہ بظاہر تازگی اور شیرینی رکھتی ہیں۔ بچوں کی طرح فریفتہ نہ ہو جائیں۔ اور دشمن لعین کی راہنمائی سے مشتبہ ہیں۔ اور مشتبہ سے حرام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور اپنے مولا جل سلطانہ سے شرمندہ اور نادم ہونا پڑے۔ توبہ و رجوع الی اللہ میں قدم مظبوط رکھنا چاہیئے۔ اور شریعت کے نواہی کو زہر قاتل سمجھنا چاہیئے۔

ہمہ اندر زمن بہ تو این است[1] کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے بندوں پر اپنی مہربانی سے مباحات کا دائرہ بڑا وسیع کیا ہے۔ وہ بڑا ہی کوئی بدنصیب ہوگا۔ جو کہ سینہ کی تنگی کی وجہ سے اس دائرہ کو تنگ سمجھے۔ اور وسیع دائرہ سے باہر قدم رکھے۔ اور حدود شریعت سے تجاوز کرے۔ اور مشتبہ اور حرام میں مبتلا ہو جائے۔ شریعت کی حدود کا التزام کرنا چاہیئے۔ اور ان سے سر مو تجاوز نہ ہونا چاہیئے رسم اور عادت کے طور پر نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں۔ لیکن ایسے پرہیزگار جو حدود شریعت کی حفاظت کریں۔ بہت کم لوگ ہیں۔ اور نیک و بد میں فرق کرنے والی چیز یہی پرہیزگاری ہے۔ کیونکہ نماز اور روزہ تو ظاہر دونوں ہی ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ هِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا سب کچھ پرہیزگاری ہے) اور آں حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے۔ لَا تَعْدِلْ بِالتَّقْوٰى شَيْئًا (پرہیزگاری کے ساتھ کسی کو برابر نہ کرو)۔

دوست جتنے بھی پرتکلف کھانے کھائیں۔ اور جتنے بھی خوبصورت لباس پہنیں حقیقت یہ ہے۔ کہ اصلی لذت فقیر کے کھانے اور لباس میں ہے۔ ؎

آں کرا داد ہ شاہاں بہ گدایاں ایں داد[2]

---

[1] میری تمام تر نصیحت تجھے یہی ہے۔ کہ تو بچہ ہے۔ اور یہ گھر بڑا رنگین ہے۔ ۱۲

[2] جس نے بادشاہوں کو وہ دیا ہے۔ اس نے فقیروں کو یہ دیا ہے۔ ۱۲

وہاں سے لے کر یہاں تک بڑا فرق ہے۔ کہ وہ اللہ جل سلطانہ کی رضا سے دور ہے۔ اور یہ اس کی رضا سے قریب ہے۔ اور پھر اس کا حساب بھی ثقیل ہے۔ اور اس کا حساب ہلکا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

برخوردار سلطان مراد نے توبہ وانابت کی توفیق پائی ہے۔ اور طریقہ اختیار کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ اسے ثبات واستقامت عطا فرمائے۔ والسلام۔ علیکم وعلی سائر الاخوان

مکتوب نمبر ۸۲

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(کمینی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر ترغیب دینے اور اس کے متعلقات کے بیان میں)

اے اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا کو ہماری نگاہ میں حقیر اور آخرت کو بڑا کر عزیز یا تمیز بیٹے کمینی دنیا کی آلائشوں کی طرف کبھی رغبت نہ کرنا۔ اور فانی گھر پر کبھی فریفتہ نہ ہونا۔ کوشش کرو۔ کہ اپنی تمام حرکات وسکنات میں روشن شریعت کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور نورانی مذہب کے مطابق زندگی گزر جائے۔ سب سے پہلے علماء اہل سنت کی راہ کے مطابق اعتقاد درست کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد فقہی عملی احکام کا معاملہ ہے۔ فرائض کی ادائیگی میں اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور حلال حرام میں بہت احتیاط کرنا چاہیئے۔ نفلی عبادتیں فرضی عبادتوں کی نسبت بالکل بے حقیقت ہیں۔ اور اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرائض کی تخریب میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ نفلی عبادات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور فرائض کو توجہ کے لائق نہیں سمجھتے۔ اور انہیں حقیر وبے اعتبار جانتے ہیں۔ تمام دولت وقت یا بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں۔ لیکن ایک دمڑی بھی ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں دینا جو کہ صحیح مصرف ہے۔ بڑا مشکل ہے۔ یہ نہیں جانتے۔ کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی دینا نفلی صدقہ میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور نفلی صدقہ میں بسا اوقات نفسانی خواہشات شامل ہوتی ہیں اس لئے فرض کی ادائیگی میں ریا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نفل میں دکھلاوے کا میدان وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ادائے زکوٰۃ میں اظہار بہتر ہے۔ کہ اپنے آپ سے الزام کو دور کر سکے۔ اور نفلی صدقہ پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہے۔ کہ وہ قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ مختصر یہ کہ شرعی احکام کے التزام سے چارہ نہیں ہے۔ تاکہ دنیا کی تکالیف سے خلاصی

متصور ہو۔ اور اگر حقیقی طور پر دنیا کا چھوڑنا میسر نہ ہو سکے۔ تو دنیا کو حکمی طور پر چھوڑنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا التزام ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالےٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

مکتوب نمبر ۸۳

میر ماہ محمود کی طرف صادر فرمایا۔

اس طائفہ علیہ کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایا ہے۔ اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

اس علاقہ کے فقراء کے حالات بحمد اللہ تعریف کے قابل ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت اور ثبات اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والتحیہ کی شاہراہ پر استقامت کی دعا ہے۔

میرے عزیز اور ارشد بھائی نے جو اس فقیر سے طریقہ اخذ کیا تھا۔ چونکہ صحبت کا بہت ہی کم موقع ملا تھا۔ جو کہ ان بزرگواروں کے نزدیک ایک بہت بڑا اصل ہے۔ خیال ہے۔ کہ اس پر برکات و ثمرات لائقہ مترتب نہ ہوئے ہوں گے لیکن اگر صحبت کا کچھ تھوڑا بہت ربط جو کہ اس طریقہ کے سیکھنے کے لوازمات میں سے ہے۔ باقی ہے۔ تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔ کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔ "پہلی برکت جو پہلی ہی صحبت میں اس طریقہ کے مبتدی رشید کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ مطلوب حقیقی جل سلطانہ کے ساتھ دل کی توجہ کا دوام ہے۔ اور تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ دوام ماسوی کے نسیان کی طرف توجہ کو لے جاتا ہے۔ کہ اگر بالفرض طالب کی عمر ہزار سال ہو جائے۔ تو اس کے دل میں اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی چیز کا گذر نہ ہو۔ اس نسیان کی وجہ سے جو اسے ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔ اور اگر بہ تکلف بھی اس کو ماسوی کی یاد دلائیں۔ تو اسے یاد نہ آئے

اور جب یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس راہ میں پہلا قدم اٹھتا ہے۔ اور دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قدم وہ پھر جہاں تک بھی اللہ تعالےٰ چاہے۔ اس کے متعلق کیا لکھوں۔ تھوڑی چیز کثیر پر دلالت کرتی ہے۔ اور قطرہ بے پایاں سمندر کا پتہ دیتا ہے۔ مقصود دوستوں کو ترغیب دلانا ہے حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ اسکو نافع بنائیں۔ میاں عبدالعظیم نے آپ کی محبت و اخلاص کی کیفیات کی اطلاع زبانی بیان کی۔ اور اس گفتگو پر لائے۔ والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام

مکتوب نمبر ۸۴

شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا۔
بعض مواعظ کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

میرے ہدایت یافتہ بھائی۔ میاں شیخ عبدالحمید نے عجیب طرح کی گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ کہ اسمیں سلام و پیام کی بھی بہت کم گنجائش ہے۔ ان سات آٹھ سالوں میں آپ کی طرف سے ایک خط پہنچا ہے۔ وہ بھی ناتمام اور نامکمل اور وہ خطوط جو اس جانب سے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ وہ آپ کو ملتے ہیں یا نہیں۔ میرے عزیز بھائی شیخ عبدالحی چونکہ اپنے وطن جا رہے ہیں۔ ان سے کہا ہے۔ کہ ایک بار وہ تم سے ملیں۔ اور آپ کے حالات پر مطلع ہوں۔ شیخ عبدالحی قریباً پانچ سال تک خدمت میں رہے ہیں۔ اور حاضری کی اکثر خدمات انہیں سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ فقیر کے علوم و معارف سے سیراب ہیں۔ اور جذبہ و سلوک کے احوال سے آگاہ ہیں۔ مشارالیہ سے کہا ہے۔ کہ وہ چند روز آپ کے ہاں ٹھہریں۔ اور وہ علوم و معارف جو مناسب وقت و حال ہوں۔ درمیان میں لائیں۔ گزرے ہوئے اور موجودہ وقت کے جملہ احوال و مواجید ہوں۔ سب مشارالیہ سے کھول کر بیان کر دیں۔ اور جو وہ نصیحت کریں اس پر یقین رکھیں۔ باقی حالات شیخ عبدالحی آپ سے بالمشافہہ کہیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ والسلام علیکم و علی سائر من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۸۵

شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا۔
(شیخ عبدالحی کے بعض کمالات کے بیان)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

اس علاقہ کے فقراء کے احوال واطوار قابل تعریف ہیں۔ اور اللہ تعالے سے آپ کی استقامت کی دعا ہے۔ میرے بھائی میاں شیخ عبدالحی آپ کے شہر کے رہنے والے ہیں۔ اور آپ کے ہمسایہ میں آتے ہیں۔ اس راہ کی ضروری چیزوں اور علوم و معارف غریبہ کا نسخہ ان کے پاس ہے۔ دور کے دوستوں کے لئے ان کی ملاقات غنیمت ہے۔ کہ وہ ابھی ابھی آئے ہیں۔ اور نئی خبریں لائے ہیں۔ ان کے پاس فنا و بقا کا نشان ہے۔ اور جذبہ و سلوک کا بیان بلکہ فنا و بقا سے اوپر بھی مشہور رہیں۔ اور جذبہ و سلوک جو قوم میں مقرر ہے۔ اس کی سرگذشت سے آگاہ ہیں۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کی اس جگہ میں گذرگاہ ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارف غریبہ ان کے گوش زد ہیں۔ اور اپنی ہمت کے مطابق استفسار کر کے بھی انہوں نے دریافت کیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالے توفیق دینے والا ہے۔ اپنے حالات تفصیل سے ان کو سنائیں۔ اب زائد چیزوں میں کیا مشغول ہوں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۸۶

شیخ طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

میرے عزیز بھائی کا صحیفہ گرامی پہنچا۔ ان احوال و معارف سے جو اس میں لکھے تھے۔ واضح طور پر معلوم ہوئے اور خوش ہوا۔ کتنی بڑی دولت ہے۔ کہ محبوں اور مخلصوں نے تمام چیزوں سے ہاتھ اٹھا کر جناب قدس تعالے و تقدس کی طرف توجہ کر لی ہے۔ اور ماسوا کو پاؤں کی ٹھوکر لگا کر پوری طرح پر اللہ تعالے کی طرف متوجہ ہیں۔ باقی اس علاقہ کی کیفیات شاید شیخ عبدالحی تفصیل سے بیان کریں گے۔ اور زبانی اور لکھے ہوئے علوم و معارف انکے پاس بہت ہیں۔ اسی لئے ان کو نہیں لکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اللہ تعالے تمام امور کا انجام بخیر کرے

مکتوب نمبر ۸۷

فتح خاں افغان کی طرف صادر فرمایا۔

کچھ نصائح کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مکتوب شریف جو کہ فقیروں کے ساتھ کمال محبت و اخلاص کا پتہ دیتا تھا پہنچا۔ حق سبحانہ و تعالےٰ ان کی محبت عطا فرمائے۔ وہ نصیحت جو سعادت مند دوستوں سے کہی جاتی ہے۔ سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ جو آدمی بھی سنتوں میں سے کسی مردہ سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کرتا ہے۔ اس کو سو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

پھر اس کے اجر کا اندازہ کرو۔ جو فرضوں میں سے کسی فرض یا واجبات میں سے کسی واجب کو زندہ کرتا ہے۔ پس نماز میں تعدیل ارکان جو کہ اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔ اور بعض علمائے احناف کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔ اور اکثر آدمیوں میں اس پر عمل متروک ہو چکا ہے اس ایک عمل کے زندہ کرنے کا اجر سو شہید کے ثواب سے جو کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے ہوں۔ زیادہ ہوگا۔ اور اسی طرح کے تمام احکام۔ حلال۔ حرام مکروہ وغیرہ کو اسی پر قیاس کر لو۔

علماء نے کہا ہے۔ اس آدمی کو ایک درہم واپس کرنا جس پر ظلم کر کے بلا توجیہ شریعت چھین لی تھی۔ دو سو درہم صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور علماء نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اگر کسی آدمی کے پاس پیغمبر جتنے بھی نیک عمل ہوں اور اس پر کسی کا آدھی درہم حق رہ گیا ہو تو اس آدمی کو بہشت میں نہ لے جائیں گے۔ جب تک کہ وہ آدھی درہم ادا نہ کرے گا مختصر یہ کہ ظاہر کو احکام شرعیہ سے مزین کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ تاکہ غفلت آلودہ نہ ہو۔ اور احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا باطن کی امداد کے بغیر مشکل ہے۔ علماء فتویٰ دیتے ہیں۔ اور اللہ والے کام کرتے ہیں۔ کہ باطن کا اہتمام ظاہر کے اہتمام کو مستلزم ہے۔ اور جو باطن میں مشغول ہو۔ اور ظاہر سے عاجز ہو وہ بے دین ہے۔ اور اس کے باطن کے احوال اس کا استدراج ہیں۔ حال باطن کی صحت کی علامت احکام شریعت سے ظاہر کا آراستہ ہونا ہے۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالےٰ توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۸۸

ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا۔

رضا بالقضاء اور مولا کے فعل سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مقبول بندہ وہ ہے۔ جو اپنے مولا کے فعل پر راضی ہو اور جو اپنی رضا کے تابع ہے۔ وہ آپ اپنا بندہ ہے۔ اگر مالک بندہ کے گلے پر چھری چلائے۔ تو بندہ کو چاہیئے۔ کہ اس وقت شاداں و خنداں ہو۔ اور مالک کے اسی فعل کو اپنی مرضی سمجھے۔ بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے۔ اور اگر معاذ اللہ اس کو اس فعل سے کراہت پیدا ہو اور اس کا سینہ تنگ ہو تو وہ بندگی کے دائرہ سے دور ہے۔ اور مولا کے قرب سے راندا ہوا ہے۔

جب طاعون اللہ تعالےٰ کی مراد ہے۔ تو چاہیئے۔ کہ اس کو اپنی مراد سمجھیں۔ اور خوش و خرم ہوں۔ اور طاعون کے غلبہ سے پیشانی پر بل نہ ڈالیں۔ اور دل تنگ نہ ہوں۔ بلکہ جب وہ محبوب کا فعل ہے۔ تو اس سے لذت حاصل کریں۔ ہر ایک کی اجل مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں ہے۔ پھر یہ پریشانی کیسی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مصیبت سے عافیت طلب کریں۔ اور اس کی ناراضگی سے پناہ ڈھونڈیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کی مرضی بندے کے سوال و دعا میں ہے۔ "تمہارے رب نے فرمایا ہے۔ تم مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا"

مولانا عبدالرشید آئے ہیں۔ اور انہوں نے اس علاقہ کے حالات بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو تمام ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رکھے۔

مکتوب نمبر ۸۹

سیادت پناہ میر محب اللہ کی طرف نصائح کے متعلق صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اللہ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو آپ کے آباء کرام کی راہ پر بطفیل اپنے حبیب سید الانام علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام ثابت قدم رکھے۔

اس علاقہ کے فقراء کے احوال و اطوار تعریف کے لائق ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ تک اللہ سبحانہ و تعالےٰ کی حمد اور ثنا ہے۔ اور ان کے نبی پر ہمیشہ ہمیشہ تک درود اور سلام ہو۔ آپ کی سلامتی۔ عافیت۔ ثبات اور استقامت کے لئے دست بدعا ہوں۔

مخدوم مکرم شفقت آثار کام کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ اور ہر لحظہ جو گزر جاتا ہے۔ عمر کو کم کر جاتا ہے۔ اور وقت مقرر کو قریب کر دیتا ہے۔ آج اگر آگاہ نہ ہوئے۔ تو کل سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اہتمام کرنا چاہیئے

کہ ان چند دنوں میں روشن شریعت کے مطابق زندگی گزر جائے۔ تاکہ نجات متصور ہو۔ یہ وقت عمل کا وقت ہے۔ عیش و آرام کا وقت آگے ہے۔ جو کہ اس عمل کا پھل ہے۔ کام کے وقت عیش کرنا اپنی کھیتی کو برباد کرنا ہے۔ اور اسکے پھل سے محروم رہنا زیادہ کیا تکلیف دوں۔ خدا کرے آپ کو ظاہری اور باطنی دولت نصیب ہو۔

مکتوب نمبر ۹۰

مرزا عرب خاں کی طرف سفارش کے متعلق صادر فرمایا۔

اللہ سبحانہ وتعالےٰ آپ کو آفاقی اور انفسی دشمنوں پر مدد اور غلبہ عطا فرمائے۔ اور آپ کو تمام ظاہری اور باطنی مصیبتوں سے محفوظ رکھے

رسول[1] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مخلوق اللہ تعالےٰ کے عیال ہیں۔ اور مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالےٰ کو وہ پیارا ہے۔ جو اس کے عیال سے اچھا سلوک کرے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ مخلوق کے رزق کا کفیل ہے۔ پس مخلوق اس کے عیال کی طرح ہے۔ جو آدمی کسی کے عیال سے غمخواری کرے۔ اور اس کے بوجھ کو برداشت کرے تو یہ شخص اس عیال والے کا محبوب ہو جائے گا۔ کہ اس نے اس کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اور اس کی مشقت کو اپنے اوپر ڈال لیا۔ اس بنا پر تکلیف دینے کی جرأت کرتا ہوں۔ کہ حافظ حامد نیک آدمی اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ بال بچہ کی کثرت نے ان کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ ان کی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ آپ کے کرم سے درخواست ہے۔ کہ ان کی امداد و اعانت کریں۔ سنی لوگوں کو سفارش کے لئے بہانہ کافی ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۹۱

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا۔

قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کے اسرار کے بیان میں

---

[1] بیہقی شریف ۲ مشکوٰۃ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مقام قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی سے ایک سر عظیم سلوک ہے کہ جب انسان کامل سیر الی اللہ پوری کرنے کے بعد سیر فی اللہ سے متصف ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے۔ اور مجمل طور پر اس سیر کو بھی پورا کر لیتا ہے۔ اور اسماء و صفات کے پرتو کے ظہور کے دائرہ کو جو سیر فی اللہ سے وابستہ ہے ختم کر لیتا ہے تو اس لائق ہو جاتا ہے۔ کہ معشوق بلا واسطہ ظلیت کے شائبہ اور حلول اور محلیت کے توہم کے بغیر اس میں ظہور فرمائے اور چونکہ معشوق کی صفات ذاتیہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں۔ تو لازمی طور پر صفات کے ساتھ ذات کا ظہور بھی عاشق کے عین میں ہوگا۔ اور وہ قوس تک پہنچ جائے گا۔ جو کہ قوس صفات اور قوس ذات ہیں۔ یہ مقام قاب قوسین کے مقامات میں سے نہایت بلند ہے۔ جو ظلیت کے شائبہ کے بغیر ظہور اصلی سے تعلق رکھتا ہے۔

اور اگر خدا تعالےٰ کی مہربانی سے عاشق صادق کو معشوق کی ذات سے اس درجہ تک گرفتاری ہو جائے۔ کہ اس کا کوئی اسم اور صفت باقی نہ رہے۔ تو اس وقت فضل خداوندی جل سلطانہ سے اسم اور ذات اس کی نظر سے اٹھ جاتے ہیں۔ اور سوائے ذات کے کوئی چیز اس کے سامنے ملحوظ اور مشہود نہیں رہتی۔ اگرچہ صفات ہوتی ہیں۔ لیکن وہ مشہود نہیں ہوتیں۔ اس حالت میں اَوْ اَدْنٰی کا راز ظاہر ہوتا ہے۔ اور قوسین کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ اس بلند مقام سے جب ہبوط ہوتا ہے۔ تو پہلا قدم عالم خلق میں پڑتا ہے۔ بلکہ عنصر خاک میں بیٹھ جاتا ہے۔ کہ وہ عنصر پاک دوری اور مہجوری کے باوجود موجودات میں عالم قدس سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ عجیب معاملہ ہے اگر ہم عروج اور صعود کا اعتبار کرتے ہیں۔ تو عالم امر کو اقرب موجودات جانتے ہیں۔ بلکہ عالم قدس سے لطیفہ اخفیٰ عالم امر کو سب سے زیادہ قریب پاتے ہیں۔ اور جب نزول و ہبوط پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو قرب کی دولت عالم خلق کے نصیب میں پاتے ہیں۔ بلکہ عنصر خاک کے حصہ میں جانتے ہیں

ہاں چونکہ دائرہ سے جانب عروج اس کو پہلا نقطہ ہم ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور اس سے اقرب نقطہ عروج کی جانب میں اس دائرہ سے نقطہ ثانیہ ہے۔ اور ہبوط کی جانب میں جو ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ تو اس پہلے نقطہ سے سب سے قریب نقطہ اس دائرہ کا آخری نقطہ ہے۔ اس قدر فرق ضرور ہے۔ کہ وہ نقطہ ثانیہ عروج میں نقطہ اولیٰ سے مخالف سمت میں ہے۔ اور یہ آخری نقطہ اس پہلے نقطہ کے مقابل اور سامنے ہے۔ مخالف سمت اور موافق سمت میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ نقطہ ثانیہ نقطہ اولیٰ کے ظہورات سے میلان رکھتا ہے۔ اور نقطہ اخیر ظہورات سے پشت دکھا کر ذات ظاہر کا خواہاں ہے۔ سو یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹۲

سیادت مآب میر محمد نعمان کی جانب صادر فرمایا

اس بیان میں کہ ولایت قرب الٰہی سے عبارت ہے۔ اور خوارق و کرامات اس کی شرط نہیں ہیں۔ اور بادشاہوں کو تعظیمی سجدہ کرنے اور اسکے مناسبات کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

سیادت مآب میرے عزیز بھائی میر محمد نعمان خوش رہیں۔ اور جان لیں کہ خوارق و کرامات کا ظہور ولایت کیلئے شرط نہیں ہے۔ اور جس طرح علما خوارق و کرامات کے حصول کے مکلف نہیں ہیں۔ اولیا بھی ظہور خوارق کے مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ ولایت قرب الٰہی جل سلطانہ سے عبارت ہے۔ جو ماسوی کے نسیان کے بعد اپنے دوستوں کو مرحمت فرماتے ہیں۔ کسی شخص کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں۔ اور اسے نئے پیدا ہونے والے غیبی احوال کی کوئی اطلاع نہیں دیتے اور کسی شخص کو یہ قرب بھی دیتے ہیں۔ اور مغیبات پر اطلاع بھی بخشتے ہیں۔ اور تیسرے آدمی کو قرب سے تو کچھ نہیں دیتے لیکن اسے مغیبات کی اطلاع دے دیتے ہیں۔

یہ تیسرا شخص استدراج والوں میں سے ہے۔ اور اس کے نفس کی صفائی نے اس کو کشف مغیبات میں ہلکا کر دیا ہے۔ اور گمراہی میں ڈال دیا ہے۔ اس آیت میں ان کے حال کا نشان ہے۔

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (مجادلہ ۲۵)	وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ بھی کسی چیز پر ہیں۔ خبردار وہ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان غالب آیا۔ اور ان کو اللہ کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں۔ خبردار شیطان کا لشکر ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

اور پہلا اور دوسرا شخص جو کہ قرب کی دولت سے مشرف ہے۔ اولیا اللہ سے ہے۔ کشف مغیبات نہ تو ان کی ولایت میں کچھ اضافہ کرتا ہے۔ اور نہ عدم کشف ان کی ولایت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ ان کا فرق آپس میں درجات قرب کے اعتبار سے ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ جس کو غیبی صورتوں کا کشف نہیں ہے۔ وہ ان صورتوں کے کشف والے سے افضل ہوتا ہے۔ اور اس سے آگے ہوتا ہے۔ اس قرب کی فضیلت کی وجہ سے جو کہ اس کو حاصل ہے۔ صاحب عوارف جو کہ شیخ الشیوخ ہیں۔ اور تمام صوفیا میں مقبول ہیں۔ اپنی کتاب عوارف میں اس معنی کی تصریح کرتے

ہیں۔ اگر کوئی آدمی میری اس بات کا یقین نہ کرے۔ تو اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ وہ کرامات و خوارق کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔ اور یہ تمام خوارق و کرامات اللہ تعالیٰ کی بخشش ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کچھ لوگوں کو ان کا کشف عنایت فرماتے ہیں۔ اور یہ دولت ان کے سپرد کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ انہیں بھی بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔ اور ان کو کرامات و خوارق میں سے کچھ بھی نہیں دیتے۔ اس لئے کہ سب کرامات یقین کی تقویت کے لئے عطا فرماتے ہیں۔ اور جس آدمی کو خالص یقین دیا گیا ہے۔ اس کو ان کرامات کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور یہ تمام کرامات ذکر و ذات سے کمتر ہیں۔ اور اسی طرح جو ہر قلب سے بھی کمتر ہیں۔ جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

اور امام طائفہ خواجہ عبداللہ انصاری جو شیخ الاسلام سے ملقب ہیں۔ اپنی کتاب منازل السائرین میں لکھتے ہیں کہ فراست دو قسم ہے۔ ایک فراست اہل معرفت کی ہے۔ اور ایک فراست اہل جوع و اہل ریاضت کی اہل معرفت کی فراست طالبین کی استعداد اور اولیائے حق سبحانہ و تعالیٰ کو پہچاننے سے متعلق ہے۔ جو جمع سے واصل ہو چکے ہیں۔ اور اہل ریاضت و ارباب جوع کی فراست غیبی احوال و صور کے کشف سے مخصوص ہے۔ جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی جناب سے منقطع ہو چکے ہیں۔ اور دنیا میں مشغول ہیں۔ ان کے دل کشف صور اور مخلوقات کے مغیبات کی خبروں کی طرف مائل ہیں۔ تو یہ معاملہ ایسے لوگوں کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہی اللہ والے ہیں۔ اور یہی اس کے خواص ہیں۔ اور اہل حقیقت کے کشف سے منہ پھیرتے ہیں۔ اور اہل حقیقت پر ان شبہوں کے متعلق جو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں۔ تہمت لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ اللہ والے ہوتے۔ جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ تو لازمی طور پر یہ ہمارے غیبی حالات اور تمام مخلوقات کے غیبی احوال بیان کرتے۔ جب ان کو ہمارے احوال کے کشف کی بھی قدرت نہیں ہے۔ تو ان امور کے کشف پر ان کو کیسے قدرت حاصل ہوگی جو مخلوقات کے احوال سے بلند تر ہیں۔

اور اہل معرفت کی فراست کا انکار کرتے ہیں۔ جو خداوند تعالیٰ کے افعال و صفات و ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اپنے اس فاسد خیال کی بنا پر وہ ان بزرگواروں کے علوم اور صحیح معارف سے محروم رہتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان بزرگواروں کو ملاحظہ مخلوق سے بچایا ہے۔ اور ان کو اپنی جناب قدس جل و علا کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اور ان کو اپنے ماسوی سے الگ کر کے اپنی جانب مشغول کر لیا ہے۔ محض ان کی حمایت اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ ان پر رکھتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے۔ تو جناب قدس کی حضوری کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔ آپ کا کلام ختم ہوا۔ اور اس طرح کی اور بھی کئی

باتیں کہی ہیں۔

اور میں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ قدس سرہ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے۔ کہ بعض اولیائے کرام کو ان سے بکثرت خوارق و کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ اپنے آخری وقت میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوتے ہیں۔ اور تمنا کرتے تھے۔ کہ کاش یہ تمام خوارق ہم سے ظہور میں نہ آتے۔ اور اگر فضیلت خوارق کے ظہور کی کثرت کے اعتبار سے ہوتی۔ تو وہ اس معنی پر نادم نہ ہوتے۔

سوال :۔ جب خوارق کا ظہور ولایت میں شرط نہیں ہے۔ تو ولی کو غیر ولی سے کس طرح تمیز کیا جائے گا۔ اور حق والا باطل والے سے کس طرح جدا ہوگا۔

جواب :۔ اگر چہ یہ امتیاز نہ ہو سکے۔ اور اگر چہ حق اور باطل والے جدا نہ ہوں۔ تو کیا حرج ہے۔ کیونکہ اس دنیا کے عالم میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور ولی کی ولایت کے علم ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت سے ولی اللہ ایسے ہیں جو اپنی ولایت کی اطلاع بھی نہیں رکھتے۔ تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت کی اطلاع ہونا کیسے لازمی ہوگا۔ ہاں نبی میں خوارق سے چارہ نہیں ہوتا۔ تاکہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو سکے۔ کیونکہ نبی کی نبوت کا علم واجب ہے۔ اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ تو نبی کا معجزہ ہی اسے کافی ہے۔ ہاں اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی دعوت دیتا۔ تو پھر خوارق سے چارہ نہ ہوتا۔ اور جب کہ اس کی دعوت نبی کی شریعت سے مخصوص ہے۔ تو کسی کرامت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

علماء شریعت کے ظاہر کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اولیاء شریعت کے ظاہر کی دعوت بھی دیتے ہیں اور شریعت کے باطن کی بھی دعوت دیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ مریدوں اور حق کے طالبوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور احکام شریعت کی تعمیل کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور دوسرے درجہ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور تاکید کرتے ہیں۔ کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی میں مستغرق رکھیں۔ اس حد تک کہ یہ ذکر غالب آجائے۔ اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی چیز بھی دل میں نہ چھوڑے۔ یہاں تک کہ ماسوی سے ایسا نسیان حاصل ہو جائے۔ کہ اگر وہ تکلف سے بھی کوئی چیز یاد کرے۔ تو اس کو یاد نہ آئے۔

یقین ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو کہ ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے تعلق رکھتی ہے۔ کرامات کی کیا ضرورت ہے۔ پیری اور مریدی اسی دعوت سے عبارت ہے۔ جو کہ کرامت سے کوئی کام نہیں رکھتی۔ اور خوارق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے باوجود ہم کہتے ہیں۔ کہ مرید رشید اور مستعد طالب ہر وقت سلوک طریق میں پیر کی کرامات و خوارق کا احساس کرتا ہے۔ اور غیبی معاملہ میں ہر وقت اس سے مدد چاہتا ہے۔ اور مدد پاتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے ظہور خوارق کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مریدوں کے لئے کرامت در کرامت اور خوارق در خوارق ہے۔

مرید اپنے پیر کی کرامات کا احساس کیوں نہ کرے۔ کہ پیر نے اسکے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے۔ اور مشاہدہ اور کشف تک پہنچا دیا ہے

عوام کے نزدیک تو جسم کو زندہ کرنا عظیم الشان ہے۔ اور خواص کے نزدیک روحانی اور قلبی طور پر زندہ کرنا بڑی بلند مرتبہ دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ جسم کا زندہ کرنا چوں کہ اکثر آدمیوں کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ والوں نے اس طرح زندہ کرنے سے منہ موڑا۔ اور روحانی طور پر زندہ کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔

اور صحیح بات تو یہ ہے۔ کہ جسم کو زندہ کرنا دل کو زندہ کرنے کی نسبت بالکل بے کار چیز ہے۔ اور اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے۔ کیونکہ جسمانی چند روزہ زندگی کا سبب ہے۔ اور قلبی زندگی حیات دائمی کا وسیلہ ہے۔ جکہ ہم کہتے ہیں۔ کرنی الحقیقت اللہ والوں کا وجود بذات خود کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور ان کا لوگوں کو خدا تعالےٰ کی طرف دعوت دینا اللہ تعالےٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالےٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لئے امان ہیں۔ اور زمانے کے لئے غنیمت ہیں۔ بِهِمْ يُرْزَقُونَ وَبِهِمْ يُمْطَرُونَ (انہیں کے ذریعہ سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور انہیں کے سبب سے بارشیں ہوتی ہیں) انہی کی شان میں ہے ان کی گفتگو دوا ہے۔ اور ان کی نظر شفا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے ہم جلیس ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔ اور نہ ان سے دوستی رکھنے والا نامراد ہوتا ہے

وہ علامت جس سے حق والے باطل والوں سے جدا ہوتے ہیں۔ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو۔ اور اس کی مجلس میں دل کو اللہ تعالےٰ کی طرف رجحان اور توجہ ہو۔ اور ماسوی سے دل سرد ہو جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ یہ آدمی حق والا ہے۔ اور علی اختلاف الدرجات اولیاء اللہ میں سے ہے۔ اور یہ علامت بھی نسبت والوں کے لحاظ سے ہے۔ اور بے نسبت پوری طرح محروم ہے۔ ؎

ہر کہ[1] او رونے بہ بہبود نہ داشت ویدن روئے نبی سود نہ داشت

آپ نے اپنے مکتوب میں بادشاہ وقت کی خدا طلبی کی حسن نشاۃ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ اور احکام شرعیہ کے التزام اور انصاف پروری کے متعلق لکھا ہے۔ اس کو پڑھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اور لذت پیدا ہوئی اللہ تعالےٰ نے جس طرح دنیا کو بادشاہ وقت کے عدل و انصاف سے روشن کیا ہے۔ شریعت و ملت محمدیہ کو بھی انہیں کے حسن اہتمام سے مدد اور عزت بخشی ہے۔

---

[1] جس کی توجہ بہبود کی طرف نہ ہو۔ اس کو نبی کا منہ دیکھنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ۱۲

اے مجبت آثار اَلشَّرعُ تَحتَ السَّیفِ ۔ (شریعت کا غلبہ تلوار کے نیچے ہے۔) کے مطابق شریعت غرا کا رواج سلاطین عظام کے اچھے اہتمام سے وابستہ ہے۔ کچھ مدت گذری ہے۔ کہ اس بات میں ضعف پیدا ہو چکا ہے۔ تو لازماً اسلام کمزور ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے کافر بے تحاشا مسجدوں کو گرا رہے ہیں۔ اور ان کی جگہ اپنی عبادت گاہیں بنا رہے ہیں۔ نقائیسر کر کھیت حوض کے اندر ایک مسجد تھی۔ اور کسی بزرگ کا مقبرہ تھا۔ ان کو گرا کر اس جگہ میں ایک بہت بڑا گوردوارہ تعمیر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کافر کفر کی رسمیں برملا بجالاتے ہیں۔ اور مسلمان اسلام کے اکثر احکام کے نافذ کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ وہ اہتمام کرتے ہیں کہ اس دن مسلمانوں کے شہروں میں بھی کوئی مسلمان بازار میں روٹی نہ پکائے۔ اور نہ فروخت کرے۔ اور نہ کھانا پکائے اور نہ بیچیں۔ اور رمضان المبارک کے مہینہ میں کھلم کھلا روٹی اور کھانا پکاتے ہیں۔ اور بیچتے ہیں۔ اور کوئی بھی ان کو اسلام کی کمزوری کی وجہ سے منع نہیں کر سکتا۔

افسوس ہزار افسوس اوقت کا بادشاہ مسلمان ہے۔ اور ہم فقیر اس کمزوری اور خرابی میں ہیں۔ ان بادشاہوں کے اکرام و اعزاز کی وجہ سے اسلام رونق رکھتا تھا۔ اور علماء اور صوفیاء معزز و محترم تھے۔ اور ان کی امداد سے شریعت کے نافذ کرنے میں کوشش کرتے تھے۔ میں نے سنا ہے۔ کہ ایک دن صاحب قران امیر تیمور گورگان رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے بازار میں سے گذر رہا تھا۔ اتفاقاً خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش اسی بازار میں خواجہ کی خانقاہ کی چٹائیوں کو جھاڑ رہے تھے۔ اور گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے۔ امیر تیمور اپنی مسلمانی کی اچھی حالت کے سبب سے اسی بازار میں ٹھہر گیا۔ اور خانقاہ کی گرد کو اپنے منہ پر اور سر پر ملنا شروع کر دیا۔ آخر اس کا حال اچھا ہو گیا۔

منقول ہے۔ کہ خواجہ نقشبند قدس سرہ امیر کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ تیمور مر گیا۔ لیکن باایمان مرا جانتے ہو۔ کہ جمعہ کے روز خطبہ میں بادشاہوں کے نام منبر کے زینہ پر کھڑے ہو کر لیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ یہ تواضع ہے۔ جو سلاطین عظام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بالمقابل اختیار کر رکھی ہے۔ اور انہوں نے یہ جائز نہیں سمجھا ہے۔ کہ بادشاہوں کے نام اکابرین دین کے ناموں کے ساتھ ایک درجہ میں مذکور ہوں۔ شکر اللہ تعالے سعیہم

ذیلی بحث

اے بھائی سجدہ ہو کر زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے۔ نہایت درجہ کی ذلت اور انکساری کا متضمن ہے۔ اور کمال درجہ کی عاجزی اور تواضع پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تواضع کو اللہ تعالے جل سلطانہ کی عبادت سے مخصوص کر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالے کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں رکھا ہے۔

منقول[1] ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن راستہ میں جارہے تھے۔ ایک بدوی نے آکر معجزہ طلب کیا۔ تاکہ ایمان لائے۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس درخت سے جاکر کہو۔ کہ تجھے پیغمبر بلاتے ہیں۔ وہ درخت اپنی جگہ سے ہلا۔ اور آنحضرت کی خدمت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس بدوی نے جب یہ حال دیکھا۔ تو مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول۔ اگر آپ حکم دیں۔ تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا۔ خداوند تعالےٰ کے سوا اللہ کسی کو سجدہ کرنا لائق نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو عورت سے کہتا۔ کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

بعض فقہا نے اگرچہ بادشاہوں کے لئے تعظیم کا سجدہ جائز قرار دیا ہے۔ لیکن سلاطین عظام کے حال کے لائق یہ ہے۔ کہ اس امر میں خداوند تعالیٰ کے سامنے تواضع کریں۔ اور اس درجہ کی ذلت وانکسار خدا کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہ رکھیں۔ خداوند تعالےٰ نے دنیا کو انکے تابع فرمان بنادیا ہے۔ اور ان کا محتاج کیا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ بجالائیں۔ اور اس طرح کے ادب کو جو کمال عبودیت وانکساری کا مظہر ہے۔ خداوند تعالےٰ کی جناب کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہ رکھیں۔ اللہ اس معاملہ میں خداوند تعالےٰ کے شریک نہ بنیں۔ اگرچہ فقہا کی ایک جماعت نے اس صورت کو جائز رکھا ہے۔ لیکن ان کی حسن تواضع یہ ہونی چاہیئے۔ کہ اپنے لیے اس کو جائز نہ سمجھیں۔

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ احسان کا بدلہ احسان ہے۔

چونکہ بادشاہ وقت اپنے ممالک کے دور دراز علاقوں سے واپس آکر دار الخلافہ میں پہنچا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فقیر بھی حق سبحانہ وتعالےٰ کی مشیت سے جلد ہی دار الخلافہ میں پہنچنے کی کوشش کرے۔ باقی عند الملاقات والسلام علی من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ

مکتوب نمبر ۹۳

خواجہ ہاشم بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ جتنے بھی عالم خلق اور عالم امر کے لطائف ہیں ان کا ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی اور اس باطن کا التحاق خالق کے اسم قیوم کے ساتھ ہے۔

---

[1] دارمی شریف و مشکوٰۃ ۲۷۔

اور اس بیان میں کہ نزول کے وقت عارف کی طور پر اپنے ظاہر و باطن سے بندوں کی دعوت و عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔)

پوری معرفت والے عارف کے عالم خلق و عالم امر ہر چند کہ دونوں اس کی صورت و ظاہر ہیں۔ بہ نسبت اسم قیوم کے جو کہ اس عارف کی خاص وجہ ہے۔ کہ حقیقت میں وہ اس عارف کی حقیقت و باطن ہیں۔ جیسا کہ اسکی تحقیق ایک مکتوب میں لکھی جا چکی ہے۔ لیکن جب اس ظاہر و صورت کو باریک نگاہ سے جو کہ محض اللہ تعالے کے فضل و کرم سے عنایت ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ تو اس جگہ بھی ظاہر و باطن معلوم ہوتے ہیں۔ اور صورت و حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ عالم خلق کو ہم پورے طور پر ظاہر پاتے ہیں۔ اور عالم امر کو باطن جیسا کہ ایک جماعت نے خیال کر رکھا ہے۔ بلکہ عالم خلق اور عالم امر کے ہر لطیفہ میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ عنصر خاک بھی ظاہر اور باطن رکھتا ہے۔ اور اسی طرح اخفی کا ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی

اور یہ باطن جو کہ عالم خلق اور عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔ اعمال صالحہ کے ذریعہ بلکہ محض خدا تعالے کی عنایت سے تھوڑا تھوڑا اس باطن سے جو کہ اسم قیوم سے وابستہ ہے۔ ملحق ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس باطن سے کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ اور خالص ظاہر کے سوا جو کچھ بھی ہے۔ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس باطن کا اسم قیوم سے الحاق اس معنی سے نہیں ہے۔ کہ یہ باطن اس اسم میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ یا پھر اس اسم سے متحد ہو جاتا ہے۔ کہ یہ بے دینی ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جو اپنی ذات و صفات اور اپنے اسماء میں اکوان کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس باطن کو اس اسم سے ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے حلول اور اتحاد کا وہم ہونے لگتا ہے۔ اور فی الحقیقت نہ حلول ہے۔ اور نہ اتحاد کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے۔ کہ امکان کی حقیقت وجوب کی حقیقت سے تبدیل ہو جائے تعالی اللہ عن ذالک کہ یہ محال عقلی ہے۔ اور شریعت کے لحاظ سے بے دینی ہے۔

اور وہ خالص ظاہر جو باقی رہ جاتا ہے اگرچہ وہ عالم شہادت سے ہے۔ کہ مشہود اور مرئی ہے۔ لیکن وہ باطن کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اگرچہ باطن شہود و ادراک کے حیطہ سے باہر ہے۔ اور غیب سے ملحق ہے اور بے چونی کا رنگ پیدا کر چکا ہے۔ کیونکہ چون جب تک بے چونی پیدا نہ کرے۔ اور ادراک کے حیطہ سے باہر نہ چلا جائے۔ اور شہادت سے باہر اپنا سامان نہ باندھ لے۔ وہ بے چون حقیقی سے کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ اور غیب الغیب سے مطلع نہیں ہو سکتا۔

جاننا چاہیئے۔ کہ اس باقی ماندہ ظاہر کی تمام توجہ خلق کی طرف ہے۔ اور عبادات و طاعات شرعیہ اسی سے وابستہ ہیں۔ اور دعوت و تکمیل کا معاملہ بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس صاحب تکمیل عارف کا باطن خواہ وہ امکان کے مراتب سے تعلق رکھتا ہو۔ اور خواہ مقامات وجوب سے پھر بھی یہ ظاہر کی طرف متوجہ ہے۔ اور جس چیز کی طرف ظاہر توجہ کرتا ہے وہ

بھی اسی طرف متوجہ ہے۔ اس لئے کہ عبادت کی تتمیم اور تربیت اور تکمیل ہو کیونکہ یہ جہان دار العمل ہے۔ اور یہ مقام دعوت کا مقام ہے۔ شہود اور مشاہدہ کی حقیقت آخرت میں ہے۔ اور کشف اور معاینہ کا معاملہ آگے جا کر ہے۔ اس مقام میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت معبود میں استغراق سے بہتر ہے۔ اور مطلوب کا انتظار جو کہ محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ مطلوب میں گم ہو جانے سے بہتر ہے۔ اہل سکر اس کا یقین کریں۔ یا نہ کریں۔

اللہ پر ظاہر و باطن کی توجہ جو عارف کامل مکمل کو مخلوق کی جانب پیدا ہوتی ہے۔ اس کا زمانہ موت آنے تک ہے۔ جو کہ دعوت کے مقام کی انتہا ہے۔ اور جب موت آگئی۔ تو موت کے پل سے اتر کر محبوب کے وصال کے کوچہ میں قدم رکھے گا۔ اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر وصل و اتصال کی دولت سے مشرف ہوگا۔

فَهَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والصلوٰۃ والسلام والتحیۃ والاکرام علی خیر خلق اللہ وعلی اخوانہ الکرام وعلی اٰلہ وصحبہ العظام الی یوم القیام۔

مکتوب نمبر ۹۴

مولانا عبدالقادر انبالی کی طرف صادر فرمایا

فنا و بقا کی حقیقت اور علم کے عارف کی حقیقت و صورت سے الگ ہونے اور ہمسائیگی کی نسبت پہنچنے کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔

ممکنات کے حقائق اس فقیر کے علم میں جیسا کہ بعض مکاتیب میں لکھا ہے۔ عدمات سے عبارت ہیں۔ جو کہ اسماء و صفات الٰہی جل شانہ کی صور علمیہ کے عکوس کے ساتھ ہر نقش و نگار کا منشا ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ عدمات اجسام کے رنگ میں ہیں۔ اور وہ عکوس صورت کی طرح جو کہ اس ہیولیٰ جسم میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ عدمات کا تشخص و تعین ان عکوس ظاہرہ سے ہے۔ اور ان عکوس کا قیام ان عدمات متمیزہ سے اور یہ قیام اس طرح کا نہیں ہے۔ جیسے عرض کا قیام جوہر سے ہوتا ہے۔ بلکہ جیسے صورت کا قیام ہیولیٰ (جسم) سے

ل۱ نعمت والوں کو نعمتیں مبارک ہوں۔ اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے۔ جو گھونٹ گھونٹ پیتا ہے۔ ۱۲

ہوتا ہے۔ اور جسم کے تشخص کو صورت سے وابستہ کرتے ہیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سالک جناب قدس خداوندی جل شانہ کی طرف ذکر و مراقبہ سے متوجہ ہوتا ہے تو دم بدم ماسوا سے منہ پھیرتا جاتا ہے۔ اور اسماء و صفات الٰہی جل سلطانہ کے صور علمیہ کے عکوس ہر وقت اس میں قوت و غلبہ پیدا کرتے جاتے ہیں۔ اور اپنے ساتھی پر جو کہ عدمات ہیں۔ غلبہ اور تسلط پا لیتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ کا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔) پھر معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ وہ عدمات جو عکوس کے لئے ہیولیٰ اور اصل کی طرح تھی۔ وہ پوشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ پورے طور پر سالک کی نگاہ سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ سالک ماسوائے میں سے اصول کے عکوس اور خود اصول بھی اس کی نظر میں نہیں آتے۔ بلکہ عکوس جو کہ اپنے اصول کے آئینہ ہیں۔ وہ بھی نظر سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آئینہ کو پوشیدہ ہونے سے چارہ نہیں ہے۔

یہ مقام فنا کا مقام ہے۔ اور بہت بلند ہے۔ اور اگر اس فانی سالک کو بقا بخشیں۔ اور عالم میں واپس لائیں تو اپنے عدم کو باریک چھلکے کی طرح جو کہ بدن کی خلقت کے لئے ہے۔ پائے گا۔ اور قریب ہے۔ کہ بے انتہا بے مناسبتی کی وجہ سے جو کہ اس نے عدم میں پیدا کی ہے۔ اس کو دن کے پیراہن سے تعبیر کرے۔ اور اسے اپنے آپ سے علیحدہ تصور کرے۔ لیکن حقیقت میں اس مقام میں عدم اس سے جدا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کی انانیت کے احتمالات میں داخل ہے۔

مختصر کہ اس مقام میں عدم اس کا مغلوب و مستور جزو ہے۔ اور اس اصل سے جو وہ رکھتا تھا۔ نیچے آچکا ہے۔ اور تابع ہو چکا ہے بلکہ ان عکوس کے قائم مقام ہے۔ جو کہ اس کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اور یہ فقیر اس مقام میں کئی سال تک رہا ہے۔ اور اپنے عدم کو بالوں کے پیراہن کی طرح اپنے سے علیحدہ پاتا تھا۔ اور اس کے بعد جب بے انتہا عنایات خداوندی جل سلطانہ اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ وہ جزو مغلوب اس ترکیب سے علیحدہ ہو کر نئی وقت اختیار کر رہا ہے۔ اور وہ تشخیص جو ان عکوس کے حصول سے اس نے پیدا کی تھی۔ ختم ہو جاتی ہے۔ اور عدم مطلق سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ جیسے ایک صورت کو ایک قالب پر ٹھیک کرتے ہیں۔ اور اس کا قیام اس قالب سے ہوتا ہے۔ اور جب صورت درست ہو جاتی ہے۔ اور اس میں ثبات و رسوخ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اس قالب کو توڑ دیتے ہیں۔ اور اس کے قیام کو قالب سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ اور اسے بذات خود قائم کر لیتے ہیں۔

اور ہم جس بحث میں ہیں۔ یہ عکوس بھی جن کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اس فقیر کی دریافت یہ ہے۔ کہ قیام بخود بلکہ باصول خود پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت انا کے لفظ کا اطلاق سوائے عکوس اور ان عکوس کے اصول کے اور کسی پر نہیں رہتا۔ اور عدمی جزو گویا کہ اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور اس فقیر کی دریافت یہ ہے۔ کہ اس مقام میں فنا کی حقیقت وہ صورت اختیار کرتی ہے۔ کہ پہلی فنا گویا کہ اس فنا کی شکل تھی۔ اور اس مقام سے جب بقا میں لاتے۔ اور عالم میں واپس

کرتے ہیں۔ تو اس عدم کو جو جزئیت کی نسبت کی رکھتا تھا۔ اور اصل اور غلبہ اسی کا تھا۔ اسے واپس لاکر اس کا ہمسایہ اور ساتھی بنا دیتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت و صورت سے الگ کر دیتے ہیں۔ اور انا کے لفظ کے اطلاق سے باہر کر دیتے ہیں۔ اور حکمت اور مصالح کے سبب سے پھر اس کو اون کے پیراہن کی شکل میں پہنا دیتے ہیں۔

اور اس حالت میں اگرچہ عدم کو واپس لے آتے ہیں۔ لیکن ان عکوس کا قیام اس سے وابستہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ عدم کو ان عکوس کے ساتھ قیام بخشا ہے۔ جیسا کہ پہلی بقا میں گزر چکا۔ پھر جب اس بقا میں یہ نسبت ہوگی۔ تو اس جگہ کو بقا کی حقیقت ہے۔ یہ نسبت بروجہ اتم حاصل ہوگی

خلاصۂ کلام یہ کہ لباس کے بعد جامہ کو صاحب جامہ پر تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر جامہ گرم ہے۔ تو پہننے والے کو گرمی سے متاثر کرے گا۔ اور اگر سرد ہے۔ تو سردی سے متاثر کرے گا۔ اور اسی طرح یہ عدم بھی جامہ کی مانند اپنے اندر ایک تاثیر رکھتا ہے۔ اور اس کا اثر تمام بدن میں سرایت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ یہ تو جانتا ہے۔ کہ یہ تاثیر اور سرایت بیرونی ہے۔ نہ اندرونی اور عرضی ہے۔ نہ کہ ذاتی۔ اور وہ بیرونی ہمسایہ کی طرف سے آئی ہے۔ نہ کہ اندرونی ہم جنس سے اگر شر اور نقص ہے۔ جو اس عدم سے پیدا ہوا ہے۔ تو بھی عارضی اور خارجی۔ نہ کہ ذاتی اور اصلی۔

اس مقام والا اگرچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بشریت میں مشارکت رکھتا ہے۔ اور صفات بشریت کے صدور میں دوسروں کے ساتھ برابر ہے۔ لیکن اس سے اور اس کے ہم جنس لوگوں سے بشریت کی صفات کا ظہور عارضی ہے۔ جو کہ ہمسایہ کی طرف سے آیا ہے۔ اور دوسروں میں یہ ذاتی ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عوام نے ظاہری مشارکت کو ملاحظہ کیا۔ اور خواص بلکہ اخص الخواص کو اپنی طرح تصور کیا۔ اور انکار و اعتراض کے مقام میں آگئے۔ اور محروم ہو گئے آیت کریمہ[1] فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا۔ (سو کہنے لگے۔ کیا انسان ہمیں راہنمائی کریں گے۔ سو انہوں نے انکار کر دیا۔) اور یہ آیت بھی وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (اور کہنے لگے یہ رسول کیسا ہے۔ کہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا ہے) ان کے حال کا نشان ہے۔

اللہ تعالے کی عنایت سے جو کچھ بھی وہ صفات بشریت اپنے اندر دیکھتا ہے۔ سمجھتا ہے۔ کہ ان صفات کا حامل وہ ہمسایہ عدم ہے۔ جو کہ کلی طور پر بھاگ گیا ہے۔ اور سرایت کر گیا ہے۔ اور اپنے آپ کو پوری طرح ان صفات

---

[1] معلوم ہوا کہ خواص اور اخص خواص کی ظاہری شکل و صورت دیکھ انہیں اپنی مانند تصور کرنا جہالت و نادانی ہے۔ کفار مکہ اسی غلطی میں مبتلا تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے حضور کی نبوت کا انکار کیا۔ اپنی عاقبت برباد کی اور محرومی کا داغ لے کر آخرت میں نار کے مستحق قرار پائے۔ ۱۲

سے پاک و مبرا ہے۔ اور ان میں سے کچھ بھی اپنے اندر محسوس نہیں کرتا۔ اور اس پر اللہ تعالےٰ ہی کی تعریف اور اسی کا احسان ہے۔ یہ صفات جو ہمسائیگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس طرح کی ہوتی ہیں۔ جیسے کوئی آدمی سرخ لباس پہنے ہوئے ہو تو لباس کی سرخی کی وجہ سے وہ سرخ نظر آتا ہے۔ بیوقوف چونکہ تمیز نہیں رکھتے۔ ہمسایہ کی سرخی کو اس شخص کی سرخی سمجھتے ہیں۔ اور خلاف واقع حکم سے تقید کرتے ہیں۔ ؎

ہر کس[1] افسانہ بخواند افسانہ است — واکہ دیدش نقد خود مردانہ است

آب[2] نیل است در قبطی خون نمود — قوم موسیٰ را نہ خوں بود آب بود

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹۵

مقصود علی تبریزی کی طرف ان کے سوال کفر حقیقی اور اسلام حقیقی کے جواب میں صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے صوفیاء کے بعض اقوال کے متعلق پوچھا ہے۔

میرے مخدوم اگرچہ وقت و مقام گفتگو کا تقاضا نہیں کرتے لیکن سوال کا جواب دینے سے چارہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضرورت کے مطابق چند کلمات لکھے ہیں۔ آپ کے تمام سوالوں کے حل میں مختصر طور پر کلام یہ ہے۔ کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے طریقت میں بھی کفر و اسلام ثابت ہے۔ اور جس طرح شریعت میں کفر شرارت اور نقص ہے اور اسلام کمال ہے۔ اسی طرح طریقت میں بھی کفر طریقت نقص ہے۔ اور اسلام طریقت کمال ہے۔ کفر طریقت سے مقام سے عبارت ہے۔ جو کہ پوشیدگی کا محل ہے۔ اور اس مقام میں حق و باطل کی تمیز مفقود ہے۔ کیونکہ سالک کا مشہود اس مقام میں اچھے اور برے آئینوں میں وحدت محبوب کا جمال ہے۔ پس خیر و شر اور کمال

---

[1] جو اس کو افسانہ کہے وہ خود افسانہ ہے۔ اور جس نے حقیقت کو دیکھا وہ مرد ہے۔ ۱۲

[2] نیل کا پانی تھا۔ جو قبطیوں کو خون نظر آتا تھا۔ اور موسیٰ کی قوم کے لئے وہ خون نہ تھا بلکہ پانی تھا۔ ۱۲

ونقص کو سوائے اس وحدت کے ظلال و مظاہر کے اور کچھ نہیں پاتا تو لازمی طور پر انکار کی نظر جو تمیز سے پیدا ہوتی ہے اس کے حق میں معدوم ہے۔ تو مجبوراً سب سے صلح کرتا ہے۔ اور سب کو صراط مستقیم پر پاتا ہے۔ اور اس آیت کی تلاوت کرتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ کوئی جاندار ایسا نہیں ہے۔ جس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو۔ یقیناً میرا رب سیدھے رستے پر ہے۔

اور کبھی وہ مظہر کو عین ظاہر سمجھتا ہے۔ مخلوق کو خدا جانتا ہے۔ اور پروردہ کو پالنے والا سمجھتا ہے۔ یہ تمام وہ پھول ہیں۔ جو جمع کے مرتبہ میں کھلتے ہیں۔ منصور اس مقام میں کہتا ہے۔

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللّٰهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ لَدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ[1]

یہ طریقت کا کفر شریعت کے کفر سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ شریعت کا کافر مردود ہے۔ اور سزا کا مستحق ہے۔ اور طریقت کا مقبول ہے۔ اور درجات کا مستحق ہے۔ کیونکہ یہ کفر اور پوشیدگی محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس نے محبوب کے سوا سب کو فراموش کر دیا ہے۔ پس وہ مقبول ہوتا ہے۔ اور شریعت کا کفر جہالت اور سرکشی سے پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ لازماً مردود ہے۔

اور طریقت کا اسلام مقام فرق بعد الجمع سے عبارت ہے۔ جو تمیز کا مقام ہے۔ اس جگہ حق باطل سے اور خیر شر سے الگ الگ ہے۔ اس طریقت کے اسلام کو شریعت کے اسلام سے پوری مناسبت ہے۔ بلکہ جب شریعت کا اسلام اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ تو اس اسلام سے اتحاد کی نسبت پیدا کر لیتا ہے۔ بلکہ دونوں اسلام شریعت کے اسلام میں ان میں فرق صرف ظاہر شریعت اور باطن شریعت اور اسی طرح صورت شریعت اور حقیقت شریعت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بہت بلند ہے۔ اگرچہ وہ حقیقت شریعت کے اسلام سے بہت نیچے اور کمتر ہے ؎

آسمان نسبت بعرش آمد فرود[2] ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے جس نے بھی شطحیات سے کلام کیا ہے۔ اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں۔ وہ سب کفر طریقت کے مقام میں تھے۔ جو کہ سکر (مستی) اور بے تمیزی کا مقام ہے۔ وہ بزرگ جو حقیقت

---

[1] سورہ ہود پارہ ۱۲۔

[2] میں نے اللہ کے دین کا کفر کیا۔ اور کفر میرے نزدیک واجب ہے۔ اور مسلمانوں کے نزدیک برا ہے۔ ۱۲

[3] آسمان عرش کی نسبت سے بہت نیچے ہے۔ اگرچہ وہ خاک کے تودے کے مقابل بہت بلند ہے۔ ۱۲

اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ وہ اس طرح کی باتوں سے بالکل پاک وصاف ہیں۔ اور ظاہر و باطن میں انبیاء کی اقتدا کرتے ہیں۔ اور انہی کے پیرو ہیں۔ علیہم الصلوات والتسلیمات

پس وہ شخص جو شطحیات سے گفتگو کرے۔ اور سب کے ساتھ صلح کے مقام میں ہو۔ اور سب کو صراط مستقیم پر سمجھے۔ اور خالق اور مخلوق میں تمیز ثابت نہ کرے۔ اور ان میں دوئی کا قائل نہ ہو۔ اگر ایسا شخص مقام جمع میں پہنچا ہوا ہے۔ اور کفر طریقت سے متحقق ہو چکا ہے۔ اور ماسوا کو بالکل بھول چکا ہے۔ تو وہ مقبول ہے۔ اور اس کی باتیں سکر سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان کا ظاہری مطلب نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر وہ شخص اس حال کے حصول کے بغیر اور کمال کے پہلے درجہ میں پہنچے کے بغیر اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔ اور سب کو حق پر اور صراط مستقیم پر جانتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا۔ تو وہ زندیق اور ملحد ہے۔ کہ اس کا مقصود شریعت کا ابطال ہے۔ اور اس کا مقصود انبیاء کی دعوت کو ختم کرنا ہے۔ جو کہ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ علیہم الصلوات والتحیات۔

پس یہ اختلافی کلمات حق والے سے صادر ہوتے ہیں۔ اور باطل والے سے بھی حق والے کے لئے آب حیات ہیں۔ اور باطل والے کے لئے زہر قاتل۔ نیل کے پانی کی طرح کہ بنی اسرائیل کے لئے وہ خوشگوار پانی تھا۔ اور قبطیوں کے لئے خون ناگوار یہ مقام قدم پھسلنے کی جگہ ہے۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ان اکابر ارباب سکر کی تقلید میں سیدھے رستے سے بھٹک گئی ہے۔ اور گمراہی اور نقصان کے کوچہ میں جا پڑی ہے۔ اور انہوں نے اپنے دین کو برباد کر لیا ہے۔

ان کو یہ پتہ نہ چلا کہ ان باتوں کا قبول کرنا کچھ شرائط سے مشروط ہے۔ جو ارباب سکر میں نہ پائی جاتی ہیں۔ اور ان میں مفقود ہیں۔ ان شرائط میں سے سب سے بڑی شرط اللہ تعالےٰ کے سوا کو بھول جانا ہے۔ جو کہ اس قبول کی دہلیز ہے اور گمراہ اور حق پرست کے امتیاز کی دلیل شریعت پر استقامت اور عدم استقامت ہے۔ جو حق پرست ہے۔ وہ باوجود سکر اور بے تمیزی کے شریعت کے خلاف بال برابر بھی نہیں کرتا۔ منصور باوجود اَنَا الْحَقّ کہنے کے قید خانہ میں پاؤں میں بھاری زنجیریں ہوتے ہوئے بھی ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا۔ اور وہ کھانا جو ظالموں کے ہاتھوں سے اس تک پہنچتا تھا۔ اگرچہ وہ حلال وجہ سے تھا۔ نہیں کھاتا تھا۔

اور وہ جو باطل پرست ہے۔ اس کے لئے احکام شریعت کی تعمیل ایک بھاری پہاڑ کی طرح ہے۔ یہ آیت کریمہ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ[1] (مشرکوں پر وہ چیز بڑی بوجھل ہے۔ جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں۔) ان کے حال کا نشان ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی

---

[1] سورۂ شوریٰ پارہ والیہ یرد۔ ۲۰

اور یہ کفر اور الحاد اور بے دینی ہے۔ اس قوی شبہے کا حل کیا ہے۔؟

جواب :۔ جان لینا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ہدایت دے۔ اور سیدھے رستے کی راہنمائی کرے۔ کہ یہ شبہ اور اس جیسے شبہے بھی کہ جن کو ایک جماعت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر وارد کرتی ہے۔ اور ان شکوک و شبہات سے ان کی تردید کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف پر آئیں۔ اور خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کو قبول کریں اور جان لیں کہ ان کے نفوس خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک ہو چکے تھے۔ اور ان کے سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو چکے تھے۔ اور جان لیں کہ یہی لوگ ہیں اکابر دین اور کبرائے اسلام جنہوں نے اسلام کے کلمہ کی بلندی اور سید الانام کی مدد میں اپنی طاقت صرف کی۔ اور اپنے مالوں کو کلمہ اسلام کی بلندی میں خرچ کیا۔ اور دین متین کی تائید میں دن میں اور رات میں پوشیدگی میں اور ظاہر میں مال لٹایا۔ اور اپنے قرابتداروں اور قبیلوں کو اور اولاد اور بیویوں کو اور اپنے وطنوں اور گھروں کو اور اپنے چشموں اور کھیتوں کو اور اپنے درختوں اور نہروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب سے چھوڑ دیا۔ اور اپنے نفسوں کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ اور رسول کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی اولاد اور مالوں کی محبت پر ترجیح دی۔ اور یہی لوگ ہیں وحی اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنے والے اور معجزات اور خوارق دیکھنے والے یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت ہو گیا ہے۔ اور ان کا علم عین ہو چکا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان سے خوش ہے۔ اور وہ اللہ سے خوش ہیں)

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (یہ ان کی مثال ہے۔ تورات اور انجیل میں)

یقیناً تمام صحابہ کرام ان بزرگیوں میں شریک ہیں۔ اور اکابرین صحابہ جو کہ خلفائے راشدین ہیں۔ ان کی بزرگیاں کیا بیان کروں۔ یہی فاروق ہے۔ کہ خداوند تعالےٰ نے ان کی شان میں اپنے رسول سے فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے۔ اور وہ لوگ کافی ہیں جنہوں نے ایمانداروں میں سے آپ کی پیروی کی۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔

انصاف کی نظر حاصل ہونے کے بعد اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف کو قبول کرنے کے بعد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلندی درجات اور بزرگیوں کو سمجھ لینے کے بعد وہ اعتراض کرنے والی جماعت اور شکوک پیدا کرنے والے لوگ۔ قریب ہے۔ ان شبہات کو مغالطوں اور حکمت کی غلط باتوں کو ملمع کی ہوئی چیز کی طرح دکھائیں اور ان کو اعتبار کے درجہ سے ساقط کریں۔ اگرچہ وہ غلط مادہ کو ان شبہات میں تشخیص نہ کریں۔ اور عقل

من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۹۶

خواجہ ابوالحسن بہابد خشی الکشمی کی طرف صادر فرمایا۔

(اس سوال کے جواب میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں کاغذ طلب فرمایا۔ تاکہ کوئی چیز لکھیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ کچھ وجوہات کی بنا پر اس سے روک دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

سوال:۔ خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے مرض الموت میں کاغذ طلب کیا۔ اور فرمایا۔ اِیْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ۔ (کہ میرے پاس کاغذ لاؤ۔ میں تمہیں کچھ لکھ دوں۔ کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔) اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کر دیا۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔) اور یہ بھی فرمایا۔ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ (آپ بیماری کی بیہوشی میں باتیں کر رہے ہیں۔ تحقیق کرو۔) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ وحی ہوتی ہے۔ جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ اور وحی کی تردید اور اس سے روکنا کفر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ (اور جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ وہ کافر ہیں۔)

اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ پیغمبر پر بذیان اور ہجر کو تجویز کرنا اس کی شریعت کے احکام سے اعتماد رفع کرنے کو مستلزم ہے

سلہ مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری و مسلم ۱۲

سلہ مشکوٰۃ شریف ۱۲

سلہ سورہ نجم پارہ ۲۷ ۱۲

سلہ سورہ مائدہ پارہ ۶ ۳۰

کی غلط باتوں کے محل متعین نہ کریں۔ تو کم از کم شاذ اس قدر جان لیں۔ کہ ان شکوک کا نتیجہ اور ان شبہات کا حاصل بے فائدہ ہے۔ بلکہ بداہت اور ضرورت اسلامیہ سے ٹکر لینے والا ہے۔ اور کتاب و سنت کی رد سے مردود و مطرود ہے

اس کے باوجود اس سوال کے جواب میں اور اس شبہ کے غلط مواد کی تعیین میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند مقدمے لکھے جاتے ہیں۔ ان کو سنیں۔ ان اشکال کا پورا پورا حل چند ایک مقدمات پر مبنی ہے۔ اگرچہ ہر مقدمہ ایک علیحدہ جواب بھی ہے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معقولات اور منطوقات وحی کے ذریعہ نہ ہوتے تھے۔ اور آیت کریمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔) یہ قرآنی نطق کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ اہل تفسیر نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام کہی باتیں وحی کے مطابق ہوتیں۔ تو آپ کے بعض کلام پر اعتراض وارد نہ ہوتے۔ اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (اللہ نے آپ کو معاف کیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی۔)

دوسرا مقدمہ یہ ہے۔ کہ اجتہادی احکام اور امور عقلیہ میں بموجب آیت کریمہ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (آنکھوں والو عبرت حاصل کرو) اور آیت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (اور ان سے اپنے امور میں مشورہ کرو۔) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی گنجائش تھی۔ اور ان میں رد و بدل کی مجال تھی کیونکہ قیاس کا امر اور مشورہ کا امر رد و بدل حاصل ہونے۔ بغیر کوئی صورت نہیں رکھتا۔ اور بدر کے قیدیوں کے فدیہ اور قتل کے متعلق جو اختلاف واقع ہوا تھا۔ اور حضرت فاروق نے ان کے قتل کا فیصلہ کیا تھا۔ تو وحی فاروق کی رائے کے مطابق آئی۔ اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر عذاب نازل ہوتا۔ تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے اور کوئی نجات نہ پاتا۔ کیونکہ حضرت سعد نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے۔ کہ سہو اور نسیان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز ہے۔ بلکہ واقع ہے۔ ذوالیدین کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ تو ذوالیدین نے عرض کیا۔ اَقَصُرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِيْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (کیا نماز کم ہو گئی ہے۔ یا اے اللہ کے رسول آپ بھول گئے ہیں۔ تو ذوالیدین کی بات کے سچا ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دو رکعت اور ان کے ساتھ ملائیں۔ اور سجدہ سہو کیا۔

جب سہو اور نسیان صحت اور فراغت کی حالت میں بر تقاضائے بشریت جائز ہو۔ تو مرض الموت میں درد کے غلبہ کے وقت بر تقاضائے بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے قصد اور بے اختیار کلام کا صدور کیوں کر

جائز نہ ہوگا۔ اور احکام شرعیہ سے اعتماد کیوں اٹھ جائے گا۔ کیوں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے یقینی وحی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو اور نسیان پر اطلاع فرما دیتا تھا۔ اور درست کو غلط سے الگ کر دیتا۔ کیونکہ غلطی پر غیر قائم رہنا[1] نہیں ہے۔ کیونکہ یہ احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کو مستلزم ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ محض سہو و نسیان احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ سہو و نسیان پر قائم رہنا رفع اعتماد کو مستلزم ہے۔ اور یہ تو طے شدہ چیز ہے کہ اس پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔

چوتھا مقدمہ یہ ہے۔ کہ حضرت فاروق بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور وہ حدیثیں جو کہ خاص طور پر ان کو جنت کی بشارت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ وہ اپنے معتبر رواۃ کی کثرت کے سبب سے حد شہرت بلکہ معنیٰ بحد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کا انکار یا تو جہالت کی بنا پر ہے۔ اور یا عناد کی بنا پر صحیح اور حسن حدیثوں کے راوی اہل سنت ہیں۔ جنہوں نے اپنے اساتذہ صحابہ و تابعین سے ان کو روایت کیا ہے اور تمام مخالف فرقوں کے رواۃ کو اگر اکٹھا کریں۔ تو معلوم نہیں کہ اہل سنت راویوں کے عشر عشیر کو بھی پہنچیں۔ جیسا کہ منصف جستجو کرنے والے اور تلاش کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

اور اہل سنت کی احادیث کی کتابیں ان اکابرین کو جنت کی بشارت سے بھری پڑی ہیں۔ اور اگر بعض مخالف فرقوں کی کتب احادیث نے ان کی بشارت کو روایت نہیں کیا ہے۔ تو عدم نہیں ہے۔ کہ بشارت کی روایت کا نہ ہونا عدم بشارت پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن ان اکابر کو جنت کی بشارت کا ثبوت تو قرآن مجید ہی سے کافی ہے۔ اور وہ کافی آیات ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔[2]

اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنہوں نے ان کی اچھی طرح پیروی کی۔ اللہ ان سے خوش ہوا۔ اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔ اور ان کے لئے باغ تیار ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جنگیں لڑیں۔ برابر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی نسبت بہت بڑے

---

[1] سورہ توبہ پارہ ۱۱۔ ۱۲

[2] سورہ حدید پارہ فما خطبکم۔ ۱۲

الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ درجے والے ہیں۔ جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی۔ اور ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے۔

جب کہ تمام صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد خرچ کیا۔ اور لڑائی کی ہے۔ ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق جنہوں نے خرچ کرنے میں اور لڑائی اور ہجرت کرنے میں بہت زیادہ سبقت کی ہے۔ کیا کہا جائے گا۔ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کے درجات کی بڑائی کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اہل تفسیر نے کہا۔ کہ یہ آیت کریمہ لَا یَسْتَوِیْ الْآیہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جو کہ اسبق سابقین ہیں۔ اخلاق اور مقام میں۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ یقیناً اللہ تعالےٰ ایمانداروں سے خوش ہوئے۔ جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

امام محی السنۃ بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے"۔ اور اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ اس قوم سے خوش ہوا۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ ایسے آدمی کو کافر کہنا جسے کتاب وسنت سے بہشت کی بشارت مل چکی ہو۔ خود بدترین قسم کا کفر ہے۔

اور پانچواں مقدمہ یہ ہے۔ کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف کرنا رد و انکار کی وجہ سے نہ تھا۔ اس سے اللہ کی پناہ اس طرح کی بے ادبی اس پیغمبر کے وزیروں اور ہم نشینوں سے کیسے سرزد ہو سکتی ہے جو خلق عظیم سے متصف ہے۔ بلکہ کسی ادنیٰ صحابی سے جو کہ ایک یا دو بار صحبت خیر البشر سے مشرف ہوا ہو۔ اس معنی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ کی امت کے عوام سے بھی جو کہ اسلام کی دولت سے سعادت مند ہوئے ہیں۔ اس قسم کے رد و انکار کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر اس آدمی سے کیسے یہ خیال ہو سکتا ہے۔ جو اکابر وزراء و وعظاء سے ہو اور اعاظم مہاجرین اور انصار سے ہو۔

حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ انصاف عطا فرمائے۔ کہ اکابر دین کے ساتھ اس قسم کی بدظنی نہ کریں۔ اور بے سمجھے ہر کلمہ اور کلام پر مواخذہ نہ کریں۔ بلکہ حضرت فاروق کا مقصد سمجھنا اور استفسار کرنا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اِسْتَفْهِمُوْهُ یعنی اگر آپ اہتمام و اصرار سے کاغذ طلب فرمائیں۔ تو لے لیا جائے۔ اور اگر اس معاملہ میں اصرار نہ کریں۔ تو ایسے نازک وقت میں ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ کیونکہ اگر انہوں نے وحی یا حکماً کاغذ طلب کیا ہوگا۔ تو بلا شبہ اور مبالغہ سے کاغذ طلب

لہ سورہ فتح پارہ ۲۶ ع ۲

کریں گے۔ اور جو ان کو حکم ہوا ہے۔ وہ لکھیں گے۔ کہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے۔ اور اگر یہ طلب وحی کی بنا پر یا حکماً نہیں ہے۔ بلکہ آپ چاہتے ہیں۔ کہ اپنے اجتہاد و فکر سے کوئی چیز ہمیں لکھوا دیں تو وقت اس کی موافقت نہیں کرتا اجتہاد کا مرتبہ تو آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے آپ کی امت کے استنباط کرنے والے کتاب اللہ سے جو دین کا اصل الاصول ہے۔ احکام اجتہادیہ کا استنباط کریں گے۔

اور جب کہ آنحضرت کی موجودگی میں جو کہ نزول وحی کا وقت ہے۔ اجتہاد کرنے والوں کے استنباط کی گنجائش ہے تو آپ کے انتقال کے بعد جو کہ انقطاع وحی کا زمانہ ہوگا۔ بطریق اولے اہل علم کا اجتہاد و استنباط مقبول ہوگا۔ اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں اصرار و اہتمام نہ کیا۔ بلکہ اس امر سے منہ پھیر لیا۔ تو معلوم ہو گیا۔ کہ وہ وحی کے ذریعہ نہ تھا۔

اور وہ توقف جو صرف استفسار کی بنا پر ہو وہ برا نہیں ہے۔ ملائکہ کرام نے بھی آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کی وجہ معلوم اور دریافت کرنے کے لئے عرض کیا تھا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ [1]

کیا آپ اس (زمین) میں ایسے آدمی کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کرے۔ اور خوں ریزی کرے۔ اور ہم تیری تعریف کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی بشارت کے وقت فرمایا۔

أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔ [2]

میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ چکا ہوں۔

اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کہا تھا۔

أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا۔ [3]

میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔

اور حضرت فاروق نے بھی استفہام کی بنا پر کاغذ لانے میں توقف کیا ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ اور کیا شور و شر

---

[1] سورہ بقر پارہ ۱-۱۲

[2] سورہ مریم پارہ ۱۶-۱۲

[3] سورہ مریم پارہ ۱۶-۱۲

ہے۔

اور چھٹا مقدمہ یہ ہے کہ آنحضرت کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے حسن ظن کی ضرورت ہے۔ اور یہ جاننا چاہیئے۔ کہ بہترین زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ اور آپ کے صحابہ کرام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنی آدم میں سے بہترین انسان ہیں۔ اور جو لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہترین بنی آدم ہوں۔ وہ امر باطل پر اجماع نہیں کر سکتے۔ اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین کافر اور فاسق لوگ نہیں بنائے جا سکتے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ صحابہ کرام بہترین بنی آدم ہیں۔ یہ اس لئے کہا ہے۔ کہ یہ امت قرآنی نص کی بنا پر خیر الامم ہے۔ اور اس امت میں سے بہترین وہی لوگ ہیں۔ کیونکہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

پس تھوڑا سا انصاف کرنا چاہیئے۔ اور سمجھنا چاہیئے۔ کہ اگر حضرت فاروق کا کاغذ لانے سے روکنا کفر ہوتا۔ تو حضرت صدیق اکبر جو کہ قرآنی نص کی بنا پر اس بہترین امت میں سے پرہیزگار ترین انسان تھے۔ وہ آپ کی خلافت کی تصریح نہ کرتے۔ اللہ مہاجرین و انصار کہ حضرت سبحانہ وتعالےٰ نے اپنے قرآن مجید میں ان کی تعریف وثنا فرمائی ہے۔ اور ان سے راضی ہوا ہے۔ اور ان کو جنت کا وعدہ دیا ہے۔ یہ لوگ آپ سے بیعت نہ کرتے۔ اور انہیں پیغمبر کا جانشین نہ بناتے۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن ظن جو کہ محبت کا مقدمہ ہے۔ حاصل ہوا تو اس قسم کے شبہات کی مزاحمت سے نجات میسر ہو گئی۔ اور ایسے اعتراضات کا بطلان عقل سے معلوم ہو گیا۔ اور اگر معاذ اللہ آپ کی صحبت اور آپ کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ حسن ظن پیدا نہ ہو۔ اور بدگمانی پیدا ہو۔ تو یہ بدگمانی لازمی طور پر اس صحبت والے اور ان صحابہ والے تک ہی نہیں پہنچے گی بلکہ ان کے اصل مالک (خدا تعالےٰ) تک بھی جائے گی۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ جو آدمی صحابہ کرام کی تعظیم نہ کرے۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی ایمان نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ۔

جس نے ان سے محبت کی۔ تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا

پس صحابہ کرام کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مستلزم ہے۔ اور صحابہ کرام سے بغض اللہ ودشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کو مستلزم ہے۔

اور جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے۔ تو اس شبہ اور اس جیسے اور شبہات کا جواب بے تکلف حاصل ہوا۔ بلکہ بہت سے جواب حاصل ہو گئے۔ کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ایک مستقل اور معقول جواب ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور ان مقدمات کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس شبہ کے ناپاک مادہ کو ختم کرتا ہے۔ اور ایسے اعتراضات کے دفعیہ میں دلیل سے گزر کر فراست میں لے آتا ہے۔ جیسا کہ ایک عقلمند اور منصف آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ فراست کے لفظ کو احتیاطاً ظاہر بان پر لایا ہوں۔ ورنہ ایسے اعتراضات کا بطلان بالکل بدیہی ہے۔ اور وہ مقدمے جو ان شبہات کے بطلان کے بیان میں لائے گئے ہیں۔ وہ اس بداہت پر تنبیہات کے قبیل سے ہیں۔

بلکہ اس قسم کے شبہات اور اعتراضات کی مثال اس فقیر کے نزدیک ایسی ہے۔ کہ کوئی صاحب فن شخص بیوقوفوں کی جماعت میں آئے۔ اور ایک پتھر کو جو ان کو پتھر محسوس ہوتا ہے۔ اپنے دلائل کی بنا پر سونا ثابت کرے۔ اور یہ بے چارے چونکہ اس کے ملمع شدہ دلائل کی مدافعت سے عاجز ہیں۔ اور ان دلائل کے غلط مواد کی تعیین سے قاصر ہیں۔ تو وہ بے چارے شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ بلکہ اس پتھر کے سونا ہونے کا یقین کر لیتے ہیں۔ اور اپنی حس کو فراموش کر دیتے ہیں۔ بلکہ اپنی حس کو متہم کرتے ہیں۔

کوئی عقلمند ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ ان میں حس کی بداہت پر اعتماد پیدا کرے۔ اور ملمع شدہ مقدمات کو متہم کرے اور جو معاملہ ہمیں درپیش ہے۔ اس میں بھی خلفائے ثلاثہ بلکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ کی بزرگی اور بلندی درجات بمقتضائے کتاب وسنت محسوس ومشاہد ہے۔ ان بزرگوں پر جرح وقدح کرنے والے اپنے ملمع شدہ دلائل سے ان میں طعنہ زنی وقدح کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کے متعلق وہ طعنہ زنی اس پتھر کی طرح ہے۔ جسے وہ سونا بنا کر دکھاتے ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

اے کاش! مجھے معلوم ہوتا۔ کہ ان اکابر دین پر سب وشتم اور اسلام کے کبار پر طعنہ زنی پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے۔ اور کسی کافر اور فاسق پر بھی طعنہ زنی اور گالی گلوچ شریعت میں سنجات کا وسیلہ اور فضیلت اور بزرگی اور عبادت میں نہیں شمار کیا جاتا۔ پھر ان ہادیان دین پر سب وشتم کرنا اور ان حامیان اسلام پر طعنہ زنی کرنا کیسے عبادت ہو سکتا ہے۔ اور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر بھی مثلاً ابو جہل اور ابولہب پر بھی گالی گلوچ کرنا اور طعنہ زنی کرنا وارد نہیں ہوا ہے۔ اور نہ یہ کرامت وعبادت شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ ان سے اور ان کے اموال سے اعراض کرنا اور خاموش رہنا بے مقصد کاموں میں مشغول ہونے اور وقت ضائع کرنے سے زیادہ بہتر اور مناسب ہے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔[1]

یہ ایک امت تھی جو گذر چکی۔ اس کے لئے اس کی کمائی ہے۔ اور تمہارے لئے تمہاری کمائی اور تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔

حضرت سبحانہ و تعالےٰ قرآن مجید میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں مہربان) فرماتا ہے۔ پس ان بزرگواروں کے حق میں ایک دوسرے سے عداوت و کینہ رکھنے کا گمان کرنا نص قرآن کے برخلاف ہے۔

اور یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ ان بزرگواروں میں کینہ و عداوت کا اثبات ہو تو فریقین پر طعنہ زنی ہوگی۔ اور دونوں جماعتوں سے امان اٹھ جائے گا۔ پس لازم آئے گا۔ کہ صحابہ کرام میں سے دونوں فریق مطعون ہوں۔ اس عقیدہ سے اللہ تعالےٰ کی پناہ۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد بہترین بنی آدم بدترین آدمی ٹھہریں گے۔ اور بہترین زمانہ بدترین زمانہ ہوگا۔ کیوں کہ اس زمانہ کے تمام آدمی کینہ اور عداوت سے متصف ہوں گے۔ اور کوئی مسلمان بھی اس امر کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور اس چیز کو قبول نہیں کر سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیا بزرگی باقی رہ گئی۔ کہ تینوں خلیفے رضی اللہ عنہم اگر ان کے دشمن ہوں۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی در پردہ ان سے عداوت ہوگی۔ اور یہ خود طرفین میں جرح قدح ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر کی طرح کیوں نہ رہیں۔ اور ایک دوسرے کی محبت میں غرق کیوں نہ ہوں۔

خلافت کا معاملہ ان بزرگواروں کے نزدیک پسندیدہ اور مرغوب طبع نہ تھا۔ کہ ان کے کینہ اور عداوت کا سبب ہوتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اَقِيلُونِي (مجھے بیعت سے الگ کردو) کے الفاظ مشہور و معروف ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ اگر کوئی خریدار پیدا ہو تو میں خلافت کو ایک دینار میں فروخت کر دوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگیں لڑی ہیں۔ تو وہ خلافت کے پسند طبع ہونے کے لئے نہیں لڑیں۔ بلکہ دو باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنا فرض سمجھتے تھے۔ اور ان کی مدافعت کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے[2]

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ۔

سو تم اس جماعت سے لڑو۔ جو بغاوت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

---

[1] پارہ اوّل سورہ بقرہ ۱۲۔

[2] سورہ حجرات پارہ ۲۶۔ ۱۲

خلاصۂ کلام۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والے اپنے پاس تاویل رکھتے ہیں۔ اور صاحب رائے و اجتہاد ہیں۔ اگرچہ وہ اس اجتہاد میں خطا پر ہوں۔ پھر بھی وہ طعن و ملامت اور تفسیق و تکفیر کے مستحق نہیں ہیں۔ حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ہم پر بغاوت کی ہے۔ نہ تو وہ کافر ہیں۔ نہ فاسق۔ اس لئے کہ ان کے پاس تاویل ہے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہم یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کہ یہ وہ خون ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم اپنی زبانیں بھی بچا کر رکھیں۔

اے ہمارے رب ہمیں بھی بخش۔ اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کی حالت میں گذر گئے۔ اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے لئے کینہ نہ رکھ یقیناً تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید الانام و علی وآلہ واصحابہ الکرام الی یوم القیام

مکتوب نمبر ۹۷

خواجہ ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے اس سوال کے جواب میں جس میں انہوں نے پچھلے مکتوب کے حل کی درخواست کی تھی۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ نے سوال کیا ہے۔ کہ اس عبارت کا کیا مطلب ہے۔ جو مکتوب ششم میں واقع ہے۔

میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میرے پیدا ہونے کا مقصد یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی علیہم الصلوات والتسلیمات کے رنگ میں رنگی جائے۔ اور اس ولایت کی ملاحت (نمکینی) اس ولایت کی صباحت (سفیدی) سے مل جائے۔ اور رنگینی اور امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام بلند سے بلند تر ہو جائے۔"

جاننا چاہیئے۔ کہ دلالی (راہنمائی) اور مشاطگی (آرائش کرنا) کا منصب منع اور ناجائز نہیں ہے۔ دلال اپنے فن دلالت کی خوبی کی وجہ سے دو صاحب جمال و کمال کو آپس میں ملاتی ہے۔ اور ہر ایک کے حسن کو دوسرے کے قریب کرتی ہے۔ یہ اس کی انتہائی خدمت گزاری ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کی سعادت اور بزرگی انتہا کو پہنچتی ہے۔ اور اس سے ان دونوں صاحب جمال کی شان میں کوئی نقص اور قصور لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح اگر مشاطگی دکھا کر ان دونوں صاحب جمال کے حسن و کمال کو بڑھاتی ہے۔ اور ایک نئی تازگی اور زینت پیدا کرتی ہے۔ تو یہ اس کی سعادت و شرافت

ہے۔ اور ان میں کوئی قصور لازم نہیں آتا ہے

آنجا[1] طرف نہ پذیرد کمال تو نقصاں وزیں طرف شرف روزگار من باشد

مختصر یہ کہ وہ نفع یا فائدہ جو صاحب دولت لوگوں کو غلاموں اور خادموں کی راہ سے میسر ہوتا ہے۔ وہ ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قصور اور نقصان کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ صاحب دولت لوگوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت میں ہے۔ وہ بدنصیب ہوتا ہے۔ جو خادموں سے نفع نہ اٹھائے۔ اپنے برابر کے لوگوں سے فائدہ حاصل کرنا نقصان ہے۔ اور اپنے ہمسر لوگوں سے استمداد و استفادہ قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ اے نبی تجھے اللہ تعالیٰ اور آپ پر ایمان لانے والے تابعدار کافی ہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ چھوٹوں اور نچلے لوگوں کی خدمات بڑے لوگوں کے مرتبہ میں بزرگی پیدا کرتی ہیں۔ اور اگر یہ بھی بات بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ تو عبادت کا کیا تصور ہے۔ بادشاہ اور امرا اپنی خوبصورتی اور تسلط میں خادموں اور نوکروں کے محتاج ہیں۔ اور اپنے کمالات کو ان سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ اور اس معنی سے کوئی نقصان اور قصور ان کی شان میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہر چھوٹے اور بڑے کو معلوم ہے۔

اس شبہ کا سبب چھوٹے اور بڑے سے فائدہ اور نفع اٹھانے میں امتیاز نہ کرنا ہے۔ اور اب یہ تو ظاہر ہے کہ چھوٹے سے نفع لینا کمال بخش ہے۔ اور بڑے سے فائدہ لینا نقصان پیدا کرتا ہے۔ پس پہلا جائز ہوگا۔ اور دوسرا ممتنع اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کا الہام کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۹۸

حضرات مخدوم زادگان جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مدظلہما کی طرف صادر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کائنات کے قرب و معیت کے بیان میں اور عدم کی شرارت اور ابلیس علیہ اللعنۃ

---

[1] اس طرف تیرے کمال میں تو کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس طرف میرے کاروبار میں بزرگی پیدا ہو جائے گی۔ ۱۲

کی شرارت میں کیا فرق ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

سوال :۔ آپ نے سوال کیا ہے۔ کہ علماء نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نہ تو عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج اور نہ عالم سے متصل ہے۔ اور نہ اس سے الگ اس بحث کی تحقیق کیا ہے؟

جواب :۔ اس دخول اور خروج اور اتصال اور انفصال کی نسبت کا حصول دو موجود کے تصور پر موقوف ہے۔ کیونکہ ایک موجود دوسرے موجود کے لحاظ سے اس نسبت سے خالی نہیں ہے۔ اور جس بحث میں ہم ہیں وہاں دو موجود ہی نہیں ہیں۔ تاکہ اس نسبت کا حصول تصور میں آسکے کیونکہ خداوند تعالیٰ موجود ہے۔ اور کائنات جو اس کے سوا ہے۔ وہ موہوم اور متخیل ہے۔ اگرچہ عالم نے خدا تعالیٰ کی پیدائش سے استواری اور مضبوطی اس طرح کی پیدا کر لی ہے۔ کہ وہم اور خیال کے زائل کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ اور ابدی نعمت اور عذاب کا معاملہ اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ لیکن اس کا ثبوت مرتبہ حس اور وہم میں ہے۔ اور حس اور وہم سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت ہے۔ کہ اس نے موہوم و متخیل کو ثبات و استقرار کے حق میں موجود کا حکم عطا فرمایا ہے۔ اور اس پر موجود کے احکام جاری کئے ہیں۔ لیکن پھر بھی موجود موجود ہے۔ اور موہوم موہوم۔

اگرچہ ظاہر بین موہوم کو اس کے ثبات و استقرار کو دیکھتے ہوئے موجود تصور کرتے ہیں۔ اور دو موجود جانتے ہیں۔ اور اس معنی کی تحقیق اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھی ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ان کی طرف رجوع کریں۔ پس موجود کو موہوم کی نسبت سے ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہ ہوگی۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ موجود نہ تو موہوم میں داخل ہے۔ نہ اس سے خارج اور نہ موہوم سے اتصال رکھتا ہے۔ اور نہ انفصال اس لئے کہ جہاں موجود ہوگا۔ وہاں موہوم کا نام و نشان نہیں ہے۔ تاکہ اس کے ساتھ کسی نسبت کا تصور پیدا کر سکے۔

اس بحث کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ ایک چکر لگانے والا روشن نقطہ جو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے دائرہ کی صورت میں متوہم ہوتا ہے۔ اور اس جگہ موجود صرف ایک نقطہ ہی ہے۔ اور دائرہ کی صورت کا وہم کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ موجود صرف نقطہ ہے۔ اور دائرہ موہوم کا اس جگہ کوئی نام و نشان نہیں ہے اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ نقطہ دائرہ میں داخل ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ دائرہ سے خارج ہے۔ اور اسی طرح ان میں اتصال اور انفصال کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مرتبہ میں دائرہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے تاکہ کوئی نسبت تصور میں آسکے پہلے دیوار بناؤ۔ پھر نقش کرو۔

سوال :۔ خداوند تعالیٰ نے خود عالم کے ساتھ قرب اور احاطہ کی نسبت کا اثبات کیا ہے۔ حالانکہ موجود کو موہوم کے ساتھ کیا نسبت قرب؟ اور کونسا احاطہ ہے۔؟ جس جگہ موجود ہے۔ وہاں موہوم کا نام و نشان نہیں ہے تاکہ

محیط اور محاط کا تصور کیا جا سکے۔

جواب :۔ یہ قرب اور احاطہ وہ نہیں ہے۔ جو قرب جسم کو جسم سے ہوتا ہے۔ یا جسم جسم کا احاطہ کرتا ہے بلکہ یہ قرب و احاطہ ان نسبتوں میں سے ہے۔ جن کی کیفیت مجہول ہے۔ اور اینیت معلوم ہے۔ ہم حق تعالیٰ کیلئے قرب اور احاطہ کا اثبات کرتے ہیں۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے۔ کہ کیا ہے۔ برخلاف چاروں نسبتوں کے جن کی نفی پہلے کی گئی ہے۔ کیونکہ ان کی کیفیت بھی مجہول ہے۔ اور اینیت بھی مجہول اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ شریعت میں ان نسبتوں کا ثبوت وارد نہیں ہوا ہے۔ تاکہ ہم ان کا اثبات کریں۔ اور ان کی کیفیت کو مجہول جانیں۔ اگرچہ اتصال بے کیف کے معنی کو قرب و احاطہ کے معنی کی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے بے کیف تجویز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اتصال کا لفظ شریعت میں نہیں آیا ہے۔ اور قرب اور احاطہ کا لفظ آیا ہے۔ منفصل نہیں کہنا چاہئے اور قریب اور محیط کہہ لینا چاہیئے۔ اور انفصال اور خروج اور دخول کا اطلاق بھی اتصال کے اطلاق کی طرح ہے کہ وہ بھی نہیں آئے ہیں۔

اور مثال مذکورہ میں بھی اگر گردش کرنے والے نقطہ کو دائرہ موہومہ کی نسبت سے قرب اور احاطہ اور معیت ثابت کریں۔ تو یہ بھی مجہول الکیفیت ہوگی۔ کیونکہ نسبت کو دونوں اطراف سے چارہ نہیں ہے۔ حالانکہ موجود صرف گردش کرنے والا نقطہ ہے۔ اور اسی طرح اتصال اور انفصال اور خروج اور دخول بے کیف مثال مذکور میں متصور ہے اگرچہ دونوں اطراف ثابت نہ ہوں۔ کیونکہ طرفین کا وجود معلوم الکیفیت نسبت کے لئے درکار ہے کہ وہ مشہور و معتاد ہے۔ اور وہ مجہول الکیفیت ہے۔ وہ عقل کے احاطہ سے باہر ہے۔ اس جگہ طرفین کے وجود کے لزوم کا حکم احکام وہمیہ سے ہوگا۔ جو کہ اعتبار کے مرتبہ سے ساقط ہے۔ کیونکہ وہ غائب کا حاضر پر قیاس ہے۔

تنبیہ ۱:۔ عالم کو جو موہوم اور متخیل کہا ہے۔ وہ اس لحاظ سے ہے۔ کہ عالم کی پیدائش مرتبہ وہم و خیال میں واقع ہوئی ہے۔ اور اس کی کاریگری حس (دکھانا) کے درجہ میں حصول سے پیوستہ ہوئی ہے۔ اس قادر شخص کی طرح کہ کمال دائرہ موہومہ پر جس کا حصہ سوائے اختراع وہم و خیال کے نہیں ہے۔ اسکو مرتبہ موہوم و خیال میں پیدا فرمائے۔ اور اپنی کمال کاریگری سے اس میں استواری اور استحکام کا وہ مرتبہ پیدا کرے۔ کہ اگر وہم اور خیال پوری طرح زائل ہو جائیں۔ تو اس کے ثبوت میں کوئی خلل نہ پڑے۔ اور اس کے بقاء میں کوئی قصور پیدا نہ ہو۔ یہ موہوم مخلوق اگرچہ خارج میں کوئی ثبوت نہیں رکھتا۔ اور خارج میں موجود وہی نقطہ ہے۔ اور بس لیکن وہ وجود خارجی سے نسبت رکھتا ہے۔ اور اس کو موجود خارجی سے ربط حاصل ہے۔ کیونکہ اگر نقطہ نہ ہوتا۔ تو دائرہ کہاں سے پیدا ہوتا۔ ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

ملہ یہ بڑا اچھا انداز ہے۔ کہ دو سطروں کا راز دوسرے لوگوں کی بات ڈال کر بیان کر دیا جائے۔ ۱۲

اس دائرہ کو اگر ہم اس نقطہ کا روپوش کہیں۔ تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور اگر اس نقطہ کے شہود کا آئینہ کہیں تو بھی گنجائش ہے۔ اور اگر اس نقطہ کا ہادی اور دلیل کہیں۔ تو بھی درست ہے۔ روپوش کہنا تو عوام کی نظر سے ہے۔ اور اس کو شہود کا آئینہ کہنا مقام ولایت کے مناسب ہے۔ اور ایمان شہودی کے لائق ہے۔ اور دلیل اور ہادی کہنا کمالات نبوت کے مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور ایمان بالغیب کے مناسب ہے۔ جو کہ ایمان شہودی سے زیادہ کامل اور مکمل ہے۔ کیونکہ شہود میں خلل کی گرفتاری سے چارہ نہیں ہے۔ اور غیب اس گرفتاری سے آزاد ہے۔ غیب میں اگرچہ فی الحال کچھ حاصل نہیں ہے۔ لیکن واصل ہے۔ اور اصل کا گرفتار ہے۔ اور شہود میں اگرچہ کچھ حاصل تو ہے۔ لیکن وہ غیر واصل ہے۔ کہ غیر کا گرفتار ہے۔ جو کہ اس اصل کا قاتل ہے۔

مختصر یہ کہ حصول نقش ہے۔ اور وصول کمال یہ بات ہر بیوقوف کے سمجھنے کی نہیں ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ حصول کو وصول سے بہر جانے اور سوفسطائی اپنی کمال بے وقوفی کی وجہ سے عالم کو موہوم و متخیل اس معنی سے کہتا ہے۔ کہ اس کا ثبوت و تحقق سوائے اختراع وہم اور تراش خیال کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ اگر وہم و خیال تبدیل ہو جائے۔ تو اس کا ثبوت و تحقق بھی متغیر ہو جائے۔ مثلاً اگر کسی چیز کے متعلق میٹھا ہونے کا تصور کرے۔ تو وہ میٹھی ہے۔ اور اگر اسی چیز کو کسی دوسرے وقت میں کڑوا خیال کرے۔ تو وہ کڑوی ہے۔

یہ بے نصیب لوگ خدا تعالیٰ کی پیدائش اور کاریگری سے غافل ہیں۔ بلکہ منکر ہیں۔ اور اس نسبت اور سند سے جو موجود خارجی کے وجود سے وہ رکھتی ہے۔ جاہل ہیں۔ اس بیوقوفی سے وہ چاہتے ہیں۔ کہ احکام خارجیہ کو جو کہ عالم سے متعلق ہیں۔ اٹھا دیں۔ اور آخرت کے دائمی ثواب و عذاب کا انکار کریں۔ کہ جن کی اطلاع مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اور جن میں تخلف کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ یہ شیطانی تشکر ہے۔ خبردار شیطان کا تشکر ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

سوال: عالم کے لئے جب ثبوت و استقرار ثابت ہو گیا۔ اگرچہ وہ مرتبہ وہم و خیال ہی میں ہے۔ اور پھر عائشہ کی جزا و سزا بھی تم نے اس کے حق میں ثابت کر دی ہے۔ تو وجود کا اطلاق اس پر کیوں نہیں کرتے۔ اور اس کو موجود کیوں نہیں جانتے۔ اور حال یہ ہے۔ کہ وجود اور ثبوت ایک دوسرے کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ جیسا کہ متکلمین نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

جواب: صوفیائے کرام کی جماعت کے نزدیک وجود تمام چیزوں سے بڑھ کر اشرف۔ اکرم اور معزز ہے۔ اور اس کو ہر خیر کا مبدا۔ اور ہر کمال کا منشا جانتے ہیں۔ اور ایسے نفیس جوہر کو خداوند تعالیٰ کے سوا کے لئے جو سراسر نقص اور شرارت ہے۔ تجویز نہیں کرتے۔ اور سب سے اعلیٰ چیز سب سے گھٹیا کو نہیں دیتے۔ اور اس معاملہ میں ان کی دلیل کشف و فراست ہے۔ ان کا محسوس و مکشوف یہ ہے۔ کہ وجود صرف خداوند تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اور حقیقت میں موجود صرف وہی ہے۔ اور غیر کو جو موجود کہتے ہیں۔ وہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ اس غیر کو ایک طرح کا تعلق اور ربط اس

وجود سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ اس کی مثال سایہ کی سی ہے۔ جو کہ اپنے اصل سے قیام رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ غیر بھی اس وجود سے قائم ہے۔ اور وہ ثبوت جو کہ اس نے مرتبہ موہم میں پیدا کیا ہے اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ اور چونکہ وہ وجود خارجی ہے۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ خارج میں موجود ہے تو اگر وہم کے مرتبہ کو خداوند تعالےٰ کے صنع و استواری کے بعد اس خارج کے ظلال میں سے ظل کہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ اور اس وہمی ثبوت کو دو ظل کے اعتبار سے اگر وجود خارجی بھی جانیں۔ تو بھی درست ہے۔ بلکہ اگر عالم کو بھی اس ظلیت کے اعتبار سے موجود خارجی تصور کریں۔ تو بھی جائز ہے۔

مختصر یہ کہ ممکن کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ حضرت وجوب تعالےٰ و تقدس کے مرتبہ سے بلا ہے۔ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے۔ اس کو ظلیت کے ملاحظہ کے بغیر موجود کہنا مشکل معاملہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ اس کی خاص صفات میں شریک بنانا ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ (اللہ تعالےٰ اس سے بہت بلند ہے۔)

اور اس فقیر نے جو اپنے بعض مکاتیب اور رسائل میں جو عالم کو موجود خارجی کہا ہے۔ تو اس کو بھی اس معنی کی طرف راجع سمجھنا چاہیئے۔ اور ظلیت کے اعتبار پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور متکلمین نے وجود کو ثبوت اور تحقق کا ہم معنی کہا ہے۔ تو یہ لغوی اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ وجود کہاں۔ اور ثبوت کہاں۔ وجود کو ارباب کشف و شہود اور اہل نظر و استدلال کی ایک بہت بڑی جماعت نے واجب الوجود تعالےٰ کی عین حقیقت کہا ہے۔ اور ثبوت معقولات ثانویہ (یعنی صرف ذہنی امور) سے ہے۔ اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

فائدہ: جس طرح وجود ہر خیر و کمال کا مبدا۔ اور ہر حسن و کمال کا منشا ہے۔ تو عدم جو اس کے مقابل ہے وہ لازمی طور پر ہر شر و نقص کا مبدا ہوگا۔ اور ہر قبیح و فساد کا منشا۔ اگر وبال ہے۔ تو اسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور اگر گمراہی ہے۔ تو بھی اسی سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ہنر بھی ودیعت کئے گئے ہیں۔ اور کچھ خوبیاں بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔ وجود کے مقابلہ میں اپنے آپ کو نیست مطلق بنانا اور محض لاشے سمجھنا اس کی خوبیوں میں سے ہے۔ اور اپنے آپ کو وجود کی پناہ بنانا اور شرور اور نقائص کو اپنی طرف منسوب کر لینا بھی اس کے اچھے ہنروں میں سے ہے۔ اور پھر وجود کا آئینہ ہونا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا اور اسی طرح ان کمالات کو علم کے خانہ سے باہر ایک دوسرے سے الگ کرنا اور اجمال سے تفصیل میں لانا اس کی اچھی صفات میں سے ہے

مختصر یہ کہ وجود کی خدمت گزاری اس سے قائم ہے۔ اور وجود کا کمال و جمال و حسن اس کے قبح و شرارت اور نقص سے ظاہر ہوتا ہے۔ وجود کا استغنا اس کی محتاجی سے ہے۔ اور وجود کی عزت اس کی ذلت سے ہے۔ اور وجود کی کبریائی و عظمت اس کی کمینگی اور خساست کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور وجود کی شرافت اس کی دناءت سے ظاہر

ہے۔ اور وجود کی سرداری اس کی غلامی سے ظاہر ہوتی ہے۔ ؎

منم کاستاد را استاد کردم غلامم خواجہ را آزاد کردم[1]

ابلیس لعین جو ہر فساد و گمراہی کا منشا ہے۔ وہ عدم سے بھی زیادہ شریر ہے۔ اور وہ ہنر جو عدم میں پوشیدہ ہیں۔ وہ بے دولت ان ہنروں سے بھی بے نصیب ہے۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (میں اس سے بہتر ہوں) کا قول جو اس سے صادر ہوا ہے۔ اس نے بھلائی کے مادہ کو قطع کر دیا ہے۔ اور خالص شرارت کی طرف راہنمائی کی ہے۔ عدم جب اپنی نیستی اور لاشئے ہونے کی صورت میں وجود کے سامنے آیا۔ تو لازمی طور پر وجود کے حسن و جمال کا آئینہ بن گیا۔ اور ابلیس لعین نے جب اپنی ہستی اور بہتر ہونے سے معارضہ کیا۔ تو لازماً وہ مردود و مطرود ٹھہرا۔ اچھے تقابل کو عدم سے سیکھنا چاہیئے۔ جو ہستی کا تقابل نیستی سے کرتا ہے۔ اور کمال کے مقابلہ میں نقص سے پیش آتا ہے۔ اور جب عزت و جلال دوسری طرف میں ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ اپنی ذلت و انکساری کو ظاہر کرتا ہے۔

ابلیس مردود نے گویا عدم کی شرارتوں کو اپنے تکبر و سرکشی کے سبب سے جو وہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ اپنے میں جذب کیا ہے۔ اور یہ خیال گزرتا ہے۔ کہ عدم میں سوائے بھلائی کے اس نے کوئی چیز کم ہی چھوڑی ہے۔ ہاں جب تک بھلائی نہ ہو۔ بھلائی کا مظہر اور آئینہ نہیں بنا جا سکتا۔ بادشاہ کی بخششوں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔ مثل مشہور ہے۔

اور معلوم ہوا۔ کہ ابلیس بھی اس پر شکوہ کارخانہ میں ضرور چاہیئے تھا۔ کہ جو خاکروبی کر کے تمام گندگیوں کو اپنے سر پر اٹھالے۔ اور دوسروں کو پاک و صاف کر دے۔ لیکن وہ بے دولت جب تکبر اور ترفع کی راہ سے آیا۔ اور اپنے بہتر کو نظر میں لایا۔ تو اس نے اپنے عمل کو ضائع کر دیا۔ اور اجر سے محروم ہو گیا۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ۔ اصل میں اسی کے حال کا نشان ہے۔ برخلاف عدم کے کہ وہ باوجود شرارت و نقص ذاتی اور ذاتی نیستی کے جو وہ رکھتا تھا۔ محرومی سے باہر آگیا۔ اور حضرت وجود کا آئینہ بننے سے مشرف ہوا۔ ؎

نے گفت کہ من نیم شکر خورد[2] شاخے کہ بلند شد بر خورد۔

سوال :۔ ابلیس میں زیادہ شرارت کہاں سے پیدا ہوئی۔ کہ عدم کے علاوہ تو وجود ہے۔ کہ جس میں شرارت نہیں ہے ؟

جواب :۔ عدم جس طرح وجود کا آئینہ ہے۔ اور اس کے خیر و کمال کا مظہر ہے۔ اسی طرح وجود بھی عدم کا آئینہ

---

[1] میں ہوں، جس نے استاد کو استاد بنایا۔ میں غلام ہوں۔ لیکن خواجہ کو میں نے آزاد کیا ہے۔ ۱۲

[2] گنے نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ تو اسکو شیرینی مل گئی۔ اور جو شاخ بلند ہوئی۔ اسنے کلہاڑا کھایا۔

ہے۔ اور اس کے شرار و نقص کا مظہر ہے۔ اور ابلیس علیہ اللعنۃ نے عدم کی جانب میں عدم سے شرارت کو حاصل کیا ہے۔ کیونکہ وہ عدم شرارت کا مقام ہے۔ اور وجود کی جانب میں بھی اس نے شرارت متوہمہ کو اخذ کیا۔ جو کہ عدم کا مظہر اور آئینہ ہونے کی وجہ سے وجود کے آئینہ میں ظاہر ہوئی تھیں۔ پس وہ طرفین کی شرارت کا حامل ہے۔ ذاتی کا بھی اور عرضی کا بھی۔ اصلی کا بھی اور ظلی کا بھی۔ تو لازماً اس کے شرارت نما وجود کو ماخوذ بالنیستی اور لاشیئیت سے جو کہ عدم کی نیک صفات سے تھیں۔ بھی محروم کر دیا۔ اور اس کے باوجود وجود کی جانب میں وہ شرارت جو کہ عدم کی آئینگی سے متوہم ہوئی تھی۔ اس سے بھی اس نے حصہ لیا۔ تو نتیجتاً ابدی نقصان کو پہنچا۔

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔ وعلی آلہ من التزم متابعۃ المصطفی علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۹۹

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے سوالوں کے جواب میں جو انھوں نے پوچھ بھیجے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ نے پوچھا ہے۔ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ عروج کے وقت سالک اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے صحابہ کے مقام پر پاتا ہے۔ جو کہ بالاجماع اس سے افضل ہیں۔ بلکہ کئی دفعہ تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے۔؟ بعض آدمی اسی وجہ سے اس سالک کی ان مقامات کے اہل سے مساوات کا وہم کرتے ہیں۔ اور اس کی ان مقامات میں ان مقامات والوں سے شرکت خیال میں لاتے ہیں۔ اور اس تخیل اور وہم کی بنا پر اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور اس پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں زبان ملامت و شکایت دراز کرتے ہیں۔ اس معاملہ کے چہرہ سے پردہ ہٹا دینا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ پچھلے لوگوں کا اپر والوں کے مقامات پر پہنچنا کبھی تو اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے فقیر اور محتاج جو کہ دولتمندوں کے دروازوں پر یا ارباب نعمت کی خاص جگہوں پر اس لئے جاتے ہیں۔ کہ وہاں سے حاجت پائیں۔ اور ان کی نعمت

اور دولت سے گدائی کریں۔ جو اس وصول کو مساوات اور شرکت سمجھتا ہے۔ وہ بے ہودہ آدمی ہے۔

اور کبھی یہ وصول تماشا کی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ امراء و سلاطین کے مخصوص مقامات پر سیر کے سبب سے جاتے ہیں۔ تاکہ عبرت کی نظر سے تماشا کریں۔ اور ان میں بلندی کی رغبت پیدا ہو۔ اس وصول سے بھی برابری کے وہم کی کیا گنجائش ہے۔ اور اس سیر و تماشا سے شرکت کا تخیل کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔

خادم اپنے مخدوموں کے خاص مکانات میں اپنی خدمت گزاری کا حق ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب شرفاء اور کمینے لوگوں کو معلوم ہے۔

کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اس قسم کے وصول پر مساوات اور شرکت پر وہم کرے۔ ہر فرش درست کرنے والا اور مکھیاں ہٹانے والا اور تلوار اٹھانے والا بڑے بڑے بادشاہوں کے ساتھ رہتا ہے۔ اور ان کے خاص مکانات میں حاضر ہوتا ہے۔ کتا جنون ہے۔ اس مقام پر شرکت اور مساوات کا وہم کرے۔ ؎

بلائے درد منداں از در و دیوار مے آید[1]

لوگ کسی عیب کو ملامت کرنے کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ اور طعن و تشنیع کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے ہیں حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق دیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ کسی کمزور آدمی کے حق میں رفع شر اور دفع ملامت کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے۔ اور ایک مسلمان آدمی کی عزت محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے۔ جو لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں۔ ان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ اس حال والا ان مقامات والوں سے شرکت اور برابری کا معتقد ہے تو اس کو کافر اور زندیق تصور کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی جماعت سے اسے خارج کرتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ نبوت میں شرکت اور مساوات کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

اور اسی طرح شیخین علیہم الرضوان کی افضلیت اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اکابر امت نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک امام شافعی علیہم الرضوان بھی ہیں۔ بلکہ تمام صحابہ کرام کو باقی تمام امت پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ کوئی بھی فضیلت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کے فضل سے بڑھ کر نہیں ہے۔ تو وہ ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تھوڑا سا کام جو صحابہ علیہم الرضوان نے اسلام کی کمزوری اور مسلمانوں کی قلت کے وقت دین متین کی تائید اور نشر سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات میں کیا ہے۔ دوسرے لوگ اگر ساری عمر بھی ریاضت اور مجاہدات کے ساتھ عبادت کریں۔ تو صحابہ کرام کے اس تھوڑے سے عمل کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تم میں کوئی آدمی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے۔ تو اس کا یہ خرچ صحابہ کرام کے ایک سیر جو خرچ کرنے

---

[1] درد مندوں کے لئے در و دیوار سے مصیبتیں آتی ہیں۔ ۱۲

کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نصف میر تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اسی راہ سے آئی ہے کہ وہ ایمان لانے اور جان و بے اندازہ مال خدمات لائقہ میں خرچ کرنے میں سب سابقین سے سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ۔

تم میں سے وہ آدمی برابر نہیں ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا۔ اور لڑائی کی۔ یہ لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں۔ ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا۔ اور لڑائی کی۔ اور سب ہی سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

ایک جماعت نے دوسرے لوگوں کے کثرت فضائل و مناقب پر نظر رکھی ہے۔ اور ان کی افضلیت میں توقف کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ اگر افضلیت کا سبب کثرت فضائل و مناقب ہوتا۔ تو ایسا بھی ہوتا۔ کہ بعض احاد امت جو یہ فضائل رکھتے ہیں۔ اپنے نبی سے بھی افضل ہوتے۔ جو یہ فضائل نہ رکھتا۔ پس فضیلت کا سبب ان فضائل و مناقب کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اور وہ اس فقیر کے خیال میں تائید دین میں اسبقیت اور جان و مال خرچ کرنے میں اقدمیت ہے۔ دین رب العالمین کے احکام کی مدد میں۔

اور چونکہ غیر سب سبقت کرنے والوں سے افضل ہے۔ لہٰذا وہی افضل ہوگا۔ اور اسی طرح جو بھی دین کے معاملہ میں اسبق ہے۔ وہ مسبوقین سے افضل ہے۔ یوں سمجھ لو کہ سابق گویا لاحقین کا استاد و معلم ہے۔ کیونکہ متاخرین سابقین کے انوار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کی برکات سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور اس امت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دولت عظمیٰ کے مالک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو کہ بہت سا مال جنگوں اور لڑائیوں میں خرچ کرنے اور تائید دین اور نصرت سید المرسلین علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کی راہ میں رفع فساد و تباہی کے لئے اپنی جان اور عزت خرچ کرنے میں سب سابقین سے اسبق ہیں۔ پس دوسروں پر ان کی افضلیت مسلم ہوگی۔

اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے غلبہ کو حضرت فاروق کی معرفت طلب کیا۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب کی مدد میں عالم اسباب میں انہی سے کفایت کی اور فرمایا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (اے نبی آپ کو اللہ اور ایمان والوں میں سے آپ کے تابعدار کافی ہیں۔) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت فاروق کا اسلام ہے۔ پس حضرت

لہ سورہ حدید پارہ نمبر ۲۷۔

صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی افضلیت متعین ہوئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان دو اکابرین کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہوا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی فرمایا ہے۔ کہ ابوبکر و عمر اس امت میں سے افضل ہیں۔ اور جو آدمی مجھ کو ان پر فضیلت دے۔ وہ بہتان لگانے والا ہے۔ اور میں اسے تہمت لگانے والوں کی طرح کوڑے لگاؤں گا۔

اس بحث کی تحقیق میں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھی ہے۔ اور یہ مقام اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ کوئی بے وقوف ہی ہوگا۔ جو اپنے آپ کو خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر سمجھے۔ اور کوئی احادیث و اقوال صحابہ سے جاہل اور بے خبر آدمی ہی اپنے آپ کو سابقین سے تصور کرے گا۔ لیکن جان لینا چاہیئے۔ کہ یہ سبقت کی دولت جو افضلیت کا باعث ہے۔ پہلے زمانہ سے مخصوص ہے۔ جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف سے مشرف ہے۔ اور دوسرے زمانوں میں یہ معنی مفقود ہے۔ کیونکہ بعض زمانوں کے متاخرین دوسرے زمانوں کے سابقین سے افضل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی زمانہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس زمانہ کا لاحق سابق سے افضل ہو۔ خداوند تعالےٰ طعنہ کرنے والوں کو آنکھیں عطا فرمائیں کہ ان کو محض تعصب و ضد سے ایک مسلمان آدمی کی تفضیل و تکفیر کی قباحت اور محض وہم و خیال کی بنا پر مومن آدمی کو مردود و مطرود قرار دینے اور مسلمان پر طعنہ زنی کرنے کی برائی نظر آجائے۔

یہ لوگ اس کا کیا علاج کریں گے۔ کہ اگر وہ آدمی تضلیل و تکفیر کے لائق نہ ہوا۔ تو وہی کفر اور گمراہی کا فتویٰ۔ فتویٰ دینے والے پر لوٹ آتا ہے۔ اور کفر کا تیر نشانہ کی بجائے تیر چلانے والے کے اندر آکر پیوست ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کیا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں اور اپنے کام میں ہماری زیادتیوں کو معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مضبوط رکھ۔ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد عطا فرما۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور شق ثانی بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر اس حال والے کے حق میں طعنہ زنی کرنے والے یہ اعتقاد نہیں رکھتے۔ اور اس کا مرتبہ کفر تک نہیں پہنچاتے۔ تو پھر بھی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو اس کے کشف کو جھوٹ اور بہتان پر محمول کریں گے۔ اور یہ بھی بلاشبہ خود ایک مسلمان آدمی کی نسبت بدگمانی ہے جو شرعی طور پر ممنوع ہے۔ اور اگر اس کو جھوٹا نہیں سمجھتے۔ اور شرکت و سعادت کا معتقد نہیں جانتے۔ تو پھر ملامت و طعنہ زنی کی وجہ کیا ہے۔ اور اس کی برائی اور عیب جوئی کیوں ہے۔ ایسے کشف کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ کشف والے کو شناعت و برائی کا نشانہ بنایا جائے۔

اگر یہ کہیں کہ اس قسم کے شور انگیز حال بیان کرنے کی وجہ کیا ہے تو

ہم کہتے ہیں۔ کہ اس قسم کے احوال کا ظہور مشائخ طریقت سے بکثرت صادر ہوا ہے۔ اور ان کی ہمیشہ کی عادت ہو چکی ہے۔ اور یہ پہلا شیشہ نہیں ہے۔ جو اسلام میں توڑا گیا۔ یہ حق کی نیت اور ارادہ صادق کے سوا نہیں ہوتا۔ کبھی تو ایسا ہوتا

ہے۔ کہ اس قسم کے احوال موہوبہ لکھنے کا مقصد اپنے شیخ طریقت کے سامنے اظہار کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ وہ ان کے صحت و عدم کے متعلق بیان کرے۔ اور ان کے تعبیر و تاویل کی اطلاع دے۔ اور کبھی ایسا لکھنے کا مقصد طلباء اور شاگردوں کو اس پر تعریف و تحریص دلانا ہوتا ہے۔ اور کبھی نہ تو یہ مقصد ہوتا ہے۔ اور نہ وہ بلکہ محض شکر و غلبہ حال کی بنا پر ایسی گفتگو کر جاتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو کچھ آرام و سکون بخشے۔

ایسا عمل بطال (باطل پرست) جس کا مقصود اس قسم کے احوال سے خلقت کی شہرت و قبولیت ہو۔ یہ احوال اس کے لئے وبال ہیں۔ اور استدراج ہیں۔ جو کہ اس کی خرابی کے متضمن ہیں۔ اے ہمارے رب، ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔ اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔ یقیناً نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ یقیناً میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ کیا سبب ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں بلا اور مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور وہ اکثر اوقات مصائب اور محن میں گرفتار ہوتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ کہ سب سے زیادہ مصائب کی سختی انبیاء پر ہوتی ہے۔ پھر اولیاء پر پھر ان پر جو اور لوگوں سے اچھے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتے ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے پہنچتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا۔ کہ جو آدمی گناہ زیادہ کرتا ہے۔ وہ مصیبت میں زیادہ مبتلا رہتا ہے۔ پس چاہئے تو یہ تھا۔ کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان کے علاوہ اور لوگ بڑی سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوتے نہ کہ اولاً انبیاء اور ثانیاً اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات۔

اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ بزرگوار علیہم الصلوات والتسلیمات۔ اصالۃً انبیاء اور تبعاً اولیاء۔ خداوند تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اور اس کے خاص مقربان میں سے ہیں۔ پھر اپنے محبوبوں اور خواص مقربین کو مصائب اور محن کے حوالہ کیوں کیا جاتا ہے۔ اور ان کو تکلیف دینا کیوں درست ہے۔ دشمن تو ناز و نعمت میں ہوں۔ اور دوست مصائب و شدائد میں مبتلا ہوں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

جان لو اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھی راہ کی راہنمائی کرے۔ دنیا نعمت اور لذت حاصل کرنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہے۔ بلکہ تنعم و تلذذ کے لئے آخرت ہے۔ اور جو شخص دنیا اور آخرت ایک دوسرے سے ضد اور نقیض کی نسبت رکھتی ہیں۔ اور ایک کی رضا دوسری کی ناراضگی کو مستلزم ہے۔ تو لازماً ایک جگہ میں لذت حاصل کرنا دوسری جگہ میں درد و الم پانے کو

مستلزم ہے۔ پھر جو آدمی دنیا میں ناز و نعمت سے ہوگا۔ وہ لازماً آخرت میں زیادہ درد و ندامت میں مبتلا ہوگا۔ اور اسی طرح جو دنیا میں مصائب اور محن میں زیادہ مبتلا ہوگا۔ وہ آخرت میں تنعم اور تلذذ سے زیادہ محفوظ اور مسرور ہوگا۔ اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی بقا کی نسبت کاش سمندر سے ایک قطرہ کی نسبت ہی رکھتی۔ کیونکہ متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ پس مجبوراً بہ تقاضائے کرم دوستوں کو اس جگہ چند روزہ محنت میں بیکار رکھنا چاہیئے۔ تاکہ ابدی نعمتوں سے بھرپور سرور حاصل کر سکیں۔ اور دشمنوں کو مکر اور استدراج کے باعث تھوڑی سی لذتوں سے محظوظ کرنا چاہیئے۔ تاکہ بہت سے درد و الم میں مبتلا ہوں۔

سوال:۔ کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم ہے اس کا دنیا میں درد و الم میں رہنا آخرت میں تلذذ و تنعم کا باعث نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:۔ کافر خدا تعالےٰ کا دشمن ہے۔ اور دائمی عذاب کا مستحق۔ دنیا میں اس سے عذاب کو اٹھا لینا اور اسے اپنی حالت پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین تلذذ و تنعم ہے۔ اور پورا پورا احسان ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نفس دنیا ہی کو کافر کے حق میں جنت سمجھا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ بعضے کفار سے دنیا میں عذاب بھی اٹھا لیتے ہیں۔ اور دوسری لذتیں بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اور بعضے کافروں سے صرف عذاب کو دور کرتے ہیں۔ اور لذتوں میں سے کچھ نہیں دیتے۔ بلکہ مہلت کی لذت اور رفع عذاب پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے کچھ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

سوال:۔ حق سبحانہ و تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذت بخشیں اور آخرت میں بھی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور ایک جگہ کی لذت دوسری جگہ کے درد و الم کو ان کے لئے مستلزم نہ ہو۔

جواب:۔ کئی طرح پر ہے۔ پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ اگر یہ دنیا میں مصائب و شدائد چند روزہ نہ اٹھاتے۔ تو ان کو ابدی نعمتوں اور لذتوں کی قدر و قیمت معلوم نہ ہو سکتی۔ اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو پوری طرح نہ سمجھ سکتے ہاں جب تک بھوک نہ دیکھی ہو طعام کی لذت معلوم نہیں ہوتی۔ اور جب تک گرفتاری نہ ہو۔ آزادی کی قدر نہیں ہو سکتی چنانچہ گو یکبارگی وقتی طور پر دوستوں کو درد و الم میں مبتلا کرنے کا مقصد ان کا دائمی طور پر کمال لذت حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو عوام کا امتحان کرنے کے لئے ان بزرگواروں کے حق میں بصورت جلال ظاہر ہوا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ (اللہ تعالےٰ بہت سے لوگوں کو اس کے باعث گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصائب و شدائد اگرچہ دوام کے تحریک درد و الم کے اسباب میں سے ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ بھی جمیل مطلق جل شانہ سے پہنچے۔ وہ ان کے لئے لذت کے اسباب میں سے ہے۔ یہ مصائب سے بھی اس طرح لذت حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ نعمتوں سے بلکہ یہ لوگ مصائب سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں۔ کہ وہ خالص محبوب

کی مرد ہیں۔ اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے۔ کیونکہ نفس بھی نعمتوں کو چاہتا ہے۔ اور مصائب سے گریز کرتا ہے۔ پس ان اکابر کے نزدیک بلا نعمت سے بہتر ہے۔ اور یہ مصائب سے بہ نسبت نعمتوں کے زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی لذت تو دنیا میں بھی مصائب و شدائد ہیں۔ اگر دنیا یہ نمک نہ رکھتی۔ تو ان کے نزدیک اس کی قیمت ایک جو بھی نہ ہوتی۔ اگر یہ شیرینی اس میں نہ ہوتی۔ تو ان کی نگاہ میں محض بے کار ہوتی۔ ؎

غرض[1] از عشق تو ام چاشنی درد و غم است ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

پس اللہ تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی محظوظ و مسرور ہیں۔ اور اہل دنیا کی یہ لذت آخرت کی لذت کیساتھ جگہ نہیں رکھتی۔ وہ لذت اور ہے۔ جو آخرت کی لذت سے جگہ رکھتی ہے۔ جو کہ عوام کو حاصل ہے۔ الٰہی یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ تو نے اپنے دوستوں کو اس طرح کا بنایا ہے۔ کہ جو چیز دوسروں کے لئے درد و الم کا سبب ہے۔ وہ ان کے لئے لذت کا باعث ہے۔ اور جو دوسروں کے لئے زحمت ہے۔ وہ ان بزرگواروں کے لئے رحمت ہے۔ اور دوسروں کی نعمت بھی ان کی نعمت ہے۔

دوسرے لوگ خوشی میں خوش ہوتے ہیں۔ اور غمی میں غمناک اور یہ بزرگوار خوشی میں بھی خوش ہیں۔ اور غمی میں بھی خوش ہیں۔ کیونکہ ان کی توجہ تمام اچھے اور برے افعال کی خصوصیات سے اٹھ کر ان افعال کے فاعل کے جمال پر جو کہ جمیل مطلق ہے۔ جا لگی ہے۔ اور فاعل افعال کی محبت کی وجہ سے محبوب بھی ہیں اور ان کو لذت بھی بخشی گئی ہے۔ جو چیز بھی کائنات میں فاعل جمیل جل سلطانہ کی مراد سے صادر ہو۔ اگرچہ وہ ان کے لئے الم اور تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے لئے عین محبوب و مراد ہے۔ اور اس سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں۔

خداوندا یہ کتنا بڑا احسان اور کرامت ہے۔ کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت کو تو نے غیروں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے۔ اور ان کو ہمیشہ اپنی مراد پر قائم رکھ کر محظوظ اور متلذذ بنایا ہے۔ اور ناپسندیدگی اور درد و الم جو دوسروں کا حصہ ہے۔ وہ تو نے ان بزرگواروں سے زائل کر دیا ہے۔ اور تنگ و رسوائی جو دوسروں کے لئے عیب ہے۔ وہ اس طائفہ علیہ کے لئے جمال و کمال ہے۔ اور عین نامرادی میں تو نے ان کی مراد رکھی ہے۔ اور یہ دنیا میں ان کا لذت و سرور حاصل کرنا دوسروں کے برعکس ان کے لئے حظوظ و ترقیات کا سبب بنایا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ جس پر چاہے کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور حق اور باطل والے کھٹے ہیں۔ اگر دوستوں پر مصائب و شدائد نہ ڈھلتے۔ اور یہ صرف دشمنوں ہی کے لئے ہوتے۔ تو دوست اور دشمن میں تمیز نہ ہو جاتی۔

---

[1] تیرے عشق سے میری غرض درد و غم کی چاشنی ہے۔ ورنہ آسمان کے نیچے نعمتوں کے اسباب کی کمی نہیں ہے۔ ۱۲

اور امتحان و آزمائش باطل ہو جاتا۔ اور یہ ایمان بالغیب کے منافی ہے۔ کہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں اسی سے وابستہ ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔) اور یہ آیت کریمہ بھی وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کرے۔ جو اس کی اور اس کے رسولوں کی بے دیکھے مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ طاقتور ہے۔ غالب) اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے

پس دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے دوستوں کو بھی مشکلات اور مصائب میں مبتلا کر دیا۔ تاکہ ابتلاء و آزمائش کی حکمت پوری ہو۔ اور دوست عین مصیبت میں بھی لذت گیر ہوں۔ اور دشمنان کور باطن نامراد و بے نصیب رہیں۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا۔ (اللہ تعالیٰ بہت لوگوں کو اس کے ذریعہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے) انبیاء علیہم السلام کا معاملہ بھی کافروں کے ساتھ اسی طرح رہا ہے۔ کبھی اس جانب غلبہ ہو جاتا۔ اور کبھی اس جانب۔ جنگ بدر میں غلبہ مسلمانوں کی طرف تھا۔ اور جنگ احد میں اہل کفر غالب تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَآءَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ۔

اگر تمہیں زخم پہنچے ہیں۔ تو دوسری قوم کو بھی اسی طرح کے زخم پہنچے ہیں۔ اور یہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے۔ جو ایمان لائے۔ اور تم میں بعض کو شہادت نصیب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خالص کر دے۔ اور کافروں کو مٹا دے۔

اور چوتھا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اسے طاقت ہے۔ کہ دوستوں کو بھی اس جگہ نادر تنعم عنایت فرمائے۔ اور اس جگہ بھی لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عادت کے منافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ اپنی عادت کو اپنی حکمت اور عادت کے ماتحت پوشیدہ رکھے۔ اور اسباب و علل کو اپنی جناب قدس کا پردہ بنائے۔ پس چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ لہٰذا دوستوں کے لئے بھی مصائب و شدائد دنیا سے چارہ نہ تھا تاکہ آخرت کی نعمتیں صرف انہی کے لئے خوشگوار اور خوش ہضم ہوں۔ اور اس بات کی طرف پہلے اصل سوال کے جواب میں اشارہ گزر چکا ہے۔

لہ سورہ حدید پارہ ۲۷۔ ۲

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور اصل سوال کے جواب کا تتمہ بیان کرتے ہیں کہ مصائب و شدائد کے ورود کا اصل سبب اگرچہ گناہ اور برائیوں کا ارتکاب ہے لیکن وہ مصائب و شدائد اصل میں ان گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اور ان گناہوں کے ظلمات کو دور کرنے والے ہیں پس مہربانی یہی ہے۔ کہ دوستوں کو زیادہ سے زیادہ مصائب و شدائد پہنچائیں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور ان کے گناہوں کے اندھیرے دور ہو جائیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں۔ کہ دوستوں کے گناہ اور غلطیاں دشمنوں کے گناہوں اور غلطیوں کی طرح نہ سمجھیں حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہوں جیسی ہوتی ہیں۔) آپ نے بھی سنا ہوگا۔

اور اگر کوئی گناہ یا نافرمانی ان سے سرزد بھی ہو جائے۔ تو وہ دوسروں کے گناہ اور نافرمانی کی طرح نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ کہ وہ سہو و نسیان کی قسم سے ہو۔ اور اس میں ارادہ و قصد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ (ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا۔ پس وہ بھول گئے۔ اور ہم نے اس کا نافرمانی کرنے کا ارادہ نہ پایا۔)

پس مصائب و شدائد کی کثرت گناہوں کے کفارہ کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔ نہ کہ گناہوں کی کثرت پر دوستوں پر انتہائی زیادہ مصیبت وارد ہوتی ہیں۔ کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور انکو پاک و صاف کر کے لے جائیں۔ اور انکو آخرت کے مصائب سے محفوظ رکھیں۔ منقول ہے۔ کہ رسول کریمؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی اس بے آرامی و بیقراری میں حضرت فاطمہؓ اس کمال شفقت و مہربانی کی وجہ سے جو ان کو رسول کریمؐ سے تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا۔ بُضْعَةٌ مِنِّيْ فَاطِمَةُ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔) بڑی پریشان تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت بے چینی اور بے قراری میں مشاہدہ فرمایا۔ تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی تسلی کے لئے فرمایا۔ تمہارے باپ پر صرف یہی مصیبت ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہوگی۔

کتنی بڑی دولت ہے۔ کہ بڑے سخت اور دائمی عذاب کو چند روزہ محنت کے عوض اٹھا لیا جائے۔ اور یہ معاملہ عرف دوستوں سے کریں گے۔ دوسروں سے معاملہ نہ ہوگا۔ اور ان کے گناہوں کا کفارہ اس جگہ پوری طرح نہیں فرمائیں گے بلکہ ان کو آخرت میں بدلا دیں گے۔ تو لازمی طور پر دوست دنیا مصائب کے حق دار ہوں گے۔ اور دوسرے اس دولت کے لائق نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے گناہ بڑے ہیں۔ اور وہ انابہ و تضرع و زاری و عاجزی و استغفار سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں۔ اور گناہ کرنے پر دلیر ہیں۔ اور پورے ارادہ و قصد سے گناہ کرتے ہیں۔ اور سرکشی سے بھی خالی

لہ سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶ رکوع ۱۲

سے یہ الفاظ بخاری شریف و مسلم کا ایک ٹکڑا ہیں۔

نہیں ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ آیات خداوندی جل شانہ سے ٹھٹھا اور مذاق کریں۔ اور انکار کردیں۔ اور بدلہ تو گناہ کے مطابق ہے۔ اگر جرم ہلکا ہوگا۔ اور مجرم آدمی خدا سے پناہ مانگے گا۔ اور عاجزی کرے گا۔ تو اس گناہ کو کفارہ کے قابل بنا دیں گے۔ اور دنیوی مصیبت میں مبتلا کریں گے۔ اور اگر گناہ سختی و شدت میں زیادہ اور مجرم سرکش اور متکبر بھی ہو تو اس گناہ کو آخرت کی سزا کے لائق بنا دیتے ہیں۔ جو کہ بہت زیادہ سخت اور ہمیشہ کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہ کیا۔ لیکن وہ خود ہی اپنے جانوں پر ظلم کیا کرتے رہے۔

آپ نے لکھا ہے۔ کہ آدمی ٹھٹھا اور مذاق کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے دوستوں کو محنت اور مصائب میں کیوں مبتلا کرتا ہے۔ اور کیوں ان کو تازہ نعمت میں نہیں رکھتا۔ اور ایسی گفتگو سے ان کی مراد اس جماعت کی نفی ہوتی ہے۔ کافر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (فرقان پ ۱۸)

اور انھوں نے کہا یہ کیا رسول ہے۔ جو کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یا اسے کوئی خزانہ ہی دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس سے کھاتا۔

اور ان باتوں کا دارومدار آخرت اور ثواب و عذاب دائمی کے انکار پر ہے۔ اور دوسرا دارومدار لذات فانیہ دنیا کے اعتماد و اعتبار پر ہے۔ جو آدمی آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور آخرت کے ثواب و عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ اس کی نگاہ میں یہ چند روزہ محنت و مصیبت کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس وقتی مصیبت کو جو ہمیشہ کے آرام کا سبب ہے۔ عین راحت تصور کرتا ہے۔ لوگوں کی باتوں پر نہ جاؤ۔ محنت و مصیبت کا درد محبت کا معتبر گواہ ہے۔ باطن کے اندھے اگر اس کو محبت کے منافی تصور کرتے ہیں۔ تو کیا کیا جائے۔ جاہلوں اور ان کی باتوں سے صبر پیدا کرنے کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۔ (آپ اچھا صبر کریں۔)

اور اصل سوال سے دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصیبت محبوب کا تازیانہ ہے۔ جو کہ محب کو ماسوا سے محبوب کے اور طرف توجہ کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور اس کو پوری طرح جناب قدس محبوب کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ پس دردو بلا کے لائق دوست ہیں۔ اور یہ مصیبت ان کے ماسوا سے محبوب کی طرف توجہ کرنے کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور دوسرے اس دولت کے لائق نہیں ہیں۔ اور ان کو کیوں زبردستی [illegible] کی طرف لائیں۔ وہ جس کو چاہتے ہیں۔ زور اور بل سے محبوب کی طرف لے آتے ہیں۔ اور اس کو محبوبیت کے مقام پر لے جاتے ہیں۔ اور جس کو نہیں چاہتے۔ اس کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر وہ ابدی سعادت رکھتا ہے۔ تو نابینا (رجوع الی اللہ) کی راہ پر ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل و عنایت سے اپنے مقصد پر پہنچ جاتا ہے۔ [illegible] یا آہی [illegible]

ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر۔

پس معلوم ہوا کہ مراد کے لئے مریدوں کی نسبت زیادہ مصائب نازل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ عارفوں اور محبوبوں کے سردار ہیں فرمایا ہے۔

اتنی ایذا مجھے دی گئی ہے۔ اتنی اور کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ پس بلا نے دلالہ کا معنی ادا کیا۔ جو اپنی دلالت کی وجہ سے دوست کو دوست تک پہنچاتی ہے۔ اور دوست کے علاوہ اور طرف توجہ کرنے سے پاک کرتی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ اگر دوستوں کے پاس کوڑی بھی ہو تو وہ دے کر بلا مصیبت کو خریدیں۔ اور دوسرے کو روڑ دے کر اس بلا کو دور کرتے ہیں۔

سوال:۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دوست سے بھی مصیبت اور سختی آنے کے وقت بے چینی اور ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ وہ ناپسندیدگی اور بے چینی ظاہری ہے۔ اور بہ تقاضائے بشریت ہے۔ کہ اس کے باقی رکھنے میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ نفس کے ساتھ دشمنی اور جہاد اس کے سوا متصور نہیں ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ وہ بے قراری اور بے آرامی جو دین و دنیا کے سردار سے سکرات موت کے وقت ظاہر ہوئی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور وہ نفس کے ساتھ بقیہ جہاد تھا تاکہ ختم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا خاتمہ خدا کے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔ اور شدت مجاہدہ دلالت کرتی ہے۔ تاکہ صفات بشریت کا معاد پوری طرح ختم ہو جائے۔ اور نفس کو کمال اطاعت میں لا کر ایمان کی حقیقت تک پہنچا دے۔ اور پاک و صاف کر دے۔

پس بلا بازار محبت کی دلالہ ہے۔ اور جو محبت نہ رکھتا ہو۔ اس کو دلالہ سے کیا کام اور دلالی اس کے کس کام اور پھر اس کے نزدیک اس کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔؟

اور مصیبتوں کے آنے کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ سچے محب اور جھوٹے مدعی کے درمیان تمیز ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے۔ تو مصیبت کے وارد ہونے سے اس کو لذت اور خوشی حاصل ہو گی۔ اور اگر جھوٹا مدعی ہے تو بلا سے اس کا حصہ سوائے ناپسندیدگی اور درد و الم کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ تمیز صرف اسے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس میں سچائی کی آمیزش ہو۔ تاکہ وہ ناخوشی اور درد کی حقیقت کو ناپسندیدگی اور درد کی صورت سے علیحدہ کر سکے۔ اور صفات بشری کو صورت صفات بشری سے تمیز کر سکے۔ ولی کو ولی ہی جانتا ہے۔ اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بھلائی کی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ عدم کو لاشے محض کہتے ہیں۔ تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ اور جب اس کا وجود نہ ہوگا۔ تو اس وجود سے جو اسے ذہن میں پیدا کیا۔ ہے۔ اس پر آثار و ترقیات کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ہوں گے

بھی تو وہ ذہنی ہوں گے۔ تو وہ خیال کے دائرہ سے کیسے باہر آسکیں گے۔؟

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ عدم اگرچہ لاشے ہے۔ لیکن یہ تمام کارخانہ اشیا۔ اسی پر قائم ہے۔ اور تفصیل اور کثرت اشیا کا منشا۔ اس کا آئینہ ہونا ہے۔ اور اسمائے الٰہی کی صور علمیہ سے جو کہ عدم کے آئینہ میں منعکس ہوئی ہیں۔ اس کو متمیز کیا ہے۔ اور ثبوت علمی بخشا ہے۔ تو لامحالہ یہ چیز اس کو محض لاشیئیت سے باہر لائی ہے۔ اور اس کو آثار و احکام کا منشا قرار دیا ہے۔ اور یہ آثار و احکام علم کے دائرہ سے باہر بھی حاصل ہیں۔ اور مرتبہ حس و وہم میں بھی ثابت ہیں۔ اور جب خداوند تعالےٰ کی کمال صنعت نے اس میں ثبات و استقرار پیدا کیا ہے۔ اور وہ حس اور وہم کے زوال سے بھی زائل نہیں ہوتے۔ تو کہا جاتا ہے۔ کہ یہ آثار و احکام خارج ہیں۔ آپ عدم ترقیات سے کیا تعجب کرتے ہیں۔ کہ کائنات کا یہ تمام وجد بدو شوکت عدم ہی پر مبنی ہے۔

خداوند تعالےٰ کی کمال قدرت کا مشاہدہ کرو۔ کہ عدم ہی سے یہ اتنا وسیع کارخانہ تیار کیا ہے۔ اور وجود کے کمالات کو اس کے نقائض سے ظاہر فرمایا ہے۔ عدم کی نرتی کی راہ کمال تھوس ہے۔ کہ اسماء الٰہی جل سلطانہ کے صور علمیہ اسکے حجرہ میں متمکن ہیں اور اس کے ساتھ ہم نشین ہیں۔ اور اس کے پہلو میں ہیں۔ اور صور سے حقیقت تک اور ظلال سے اصل تک کھلی سڑک واقع ہے۔ کوئی باطن کا اندھا ہی ہوگا جو اس کا احساس نہ کرے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ یقیناً ایک نصیحت ہے۔ سو جو شخص چاہے اپنے رب کی اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ طرف راہ بنالے۔

ذہن اور خیال کا لفظ آپکو شبہ میں نہ ڈالے۔ اور آثار و ترقیات کو تمہاری نگاہ میں دشوار نہ دکھائے۔ کہ جو معاملہ بھی ہے۔ وہ علم و خیال سے باہر نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ خیال سے خیال تک بڑا فرق ہے۔ خلق خیال کے اور مرتبہ میں ہے۔ اور وہم و خیال کی اختراع اور چیز ہے۔ کیونکہ پہلا تو نفس الامری ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے۔ کہ موجود خارجی بھی ہے۔ اور دوسرا اس دولت سے بہت کم حصہ رکھتا ہے۔ اور اس ثبات و استقرار سے بہت کم نفع اٹھانے والا

عدم کے بعض ہمنواؤں کو جو علیحدہ مکتوب میں لکھے ہیں۔ اور ان کی نقل میر محب اللہ نے لے گئے ہیں۔ اگر شوق رکھتے ہوں۔ تو ان کا مطالعہ کریں۔

اور آپ نے فنا اور بقا کے متعلق بھی پوچھا تھا۔ اس کلمہ کے معنی کو اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بہت جگہ لکھا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی پوشیدگی ہو تو اس کا علاج حاضر ہونا اور روبرو باتیں کرنا ہے۔ پوری حقیقت

لہ سورہ مزمل شریف پارہ ۲۹۔ ع

لکھنے میں نہیں آسکتی۔ اور اگر آتی بھی ہے تو اس کا اظہار خلاف مصلحت نظر آتا ہے۔ کوئی کتنا سمجھے اور کتنا پائے۔ فنا اور بقا شہودی ہے۔ وجودی نہیں ہے۔ کہ بندہ نہ تو لاشے ہوتا ہے۔ اور نہ خدا تعالےٰ سے متحد ہوتا ہے۔ بندہ ہمیشہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اور رب ہمیشہ رب ہی ہے۔

وہ بے دین لوگ ہیں۔ جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ بندہ وجودی لوازمات کو زائل کر کے اپنے اصل سے جو کہ تعینات و قیود سے پاک ہے۔ متحد ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آپ سے ناچیز ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے۔ جیسا کہ قطرہ جو اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا میں ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنی قید کو زائل کر دیتا ہے۔ اور مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے بُرے عقائد سے محفوظ رکھیں۔

فنا کی حقیقت ماسوا کو بھول جانے سے عبارت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے سوا اوروں کی گرفتاری سے آزاد ہونا اور سینہ کے میدان کو اپنی ان تمام مرادات و خواہشات سے پاک کرنا ہے۔ جو کہ بندگی کے مقام کے لوازم ہیں۔ اور بقا کے مقام کے مناسب یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے مولا کی مرادات پر قائم ہو جائے۔ اور آیات انفسی کے مشاہدہ کے بعد اللہ تعالےٰ کی مرادات کو عین اپنی مرادات پائے۔

اور آپ نے پوچھا تھا۔ کہ وہ سیر جس کو انفس سے باہر لکھتے ہیں۔ وہ کونسی ہے۔ کیونکہ وہ بگانہ مرتبہ کی سیر یعنی عالم خلق اور عالم امر اور سیر ہیئت وحدانی یہ سب تو انفس میں داخل نظر آتے ہیں۔ پھر انفس سے باہر اور کون سی سیر ہے؟

جان لینا چاہیئے۔ کہ آفاق کی طرح انفس بھی اسمائے الٰہی جل سلطانہ کا مظہر ہے۔ اور عین بفضل خداوندی جل سلطانہ اپنے آپ کو فراموش کر کے اپنے اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اپنے اصل سے محبت پیدا کرتا ہے۔ تو لازماً بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے) اپنے آپ کو وہی اپنا اصل پاتا ہے۔ اور اپنی انانیت (میں) کو اسی اپنے اصل پر ڈال دیتا ہے۔ اور اسی طرح چونکہ اس اصل کا اصل ہے۔ تو اس اصل سے اس اصل تک چلا جائے گا۔ بلکہ پہنچ کر آپ کو اس اصل کا عین پائے گا۔ اور اسی طرح آگے سلسلہ چلتا جائے گا۔ یہاں تک کہ خداوندی تحریر اپنی مدت کو پہنچے۔

یہ سیر سیر انفس و سیر آفاق کے علاوہ ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہیئے کہ ایک جماعت نے سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہا ہے۔ اور وہ سیر جو بیان کی گئی ہے۔ وہ اس سیر کے علاوہ ہے۔ جو انہوں نے کہی ہے۔ کیونکہ یہ سیر حصول ہے۔ اور وہ سیر وصول۔ اور حصول اور وصول کے فرق میں میں نے اپنے متعدد مکتوبات میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس جگہ سے معلوم کرنا چاہیئے۔

اور آپ نے ذات و صفات و افعال واجبی جل سلطانہ کی قربت کے متعلق پوچھا تھا۔ اس کا بیان بھی حاضر ہے

سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر منا مصلحت کے خلاف ہے۔ اور اگر لکھوں بھی تو معلوم نہیں کہ آپ کی سمجھ میں آسکے یا نہ اور آریا مبنا فہ گفتگو سے بھی آپ کی سمجھ میں آجائے۔ تو غنیمت ہے۔

اور پھر آپ نے مرتبہ نبوت کے کمالات کے متعلق دریافت کیا ہے۔ کہ فنا و بقا و تجلی و ہدایت تعین اپنے تمام مراتب میں ولایت ثلاثہ کے کمالات ہیں۔ اور نبوت کے کمالات کے مراتب کی سیر کس طرح ہے۔؟

معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مراتب اوج میں جب تک ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہے۔ اور ایک اصل سے دوسرے اصل تک پہنچتا ہے۔ تو وہ تمام کمالات دائرہ ولایت میں داخل ہیں۔ اور جب یہ تمیز ختم ہو جائے۔ تو یہ تفصیل کم ہو جاتی ہے۔ اور معاملہ خالص اجمال اور بساطت پر جا پڑتا ہے۔ تو اس وقت مرتبہ نبوت کے کمالات شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اس مرتبہ میں بھی اگرچہ وسعت ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (اللہ تعالیٰ فراخی والے جاننے والے ہیں۔) لیکن وہ وسعت دوسری قسم کی وسعت ہے۔ اور اگر تمیز ہے۔ تو وہ بھی دوسری قسم کی۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اور کیا سمجھ میں آئے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اے ہمارے رب ہمارے اس معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔"

آپ نے جو نماز کے بعض اسرار کے متعلق پوچھا تھا۔ اس کا جواب کسی دوسرے وقت پر ڈال دیا گیا ہے کہ اس وقت وقت بہت تنگ ہے۔ اور زمانہ اور زمانہ والوں سے وقت کی چوری کر کے کچھ لکھا ہے۔ تقصیر پر رحم کر دے۔ اور استغفار پر دلیر نہ ہو۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مضبوط رکھ ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ تمام تعریفیں اور احسان اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ پہلے بھی اور بعد بھی اور درود اور رحمت ہو ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول انسان کی آل کرام اور ان کے صحابہ عظام پر قیامت کے دن تک۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ والترم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اچھی توفیق سے دوسرا دفتر دو حصوں میں ختم ہوا اور اب ان شاء اللہ تیسرا دفتر شروع ہوتا ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سید الخلق اجمعہم وسلم وبارک وعلی آلہ واصحابہ وعلینا معہم اجمعین برحمتہ وہو ارحم الراحمین

دعا ہے اللہ تعالیٰ اصل کتاب کی طرح اس ترجمے کو بھی قبولیت عام کا درجہ عطا کرے۔ اور مترجم و ناشر اور استغفار کرنے والوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین آمین ثم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ ونور عرشہ وخیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم وبارک

خاکسار محمد سعید احمد نقشبندی خطیب مسجد
دربار شریف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
لاہور ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ